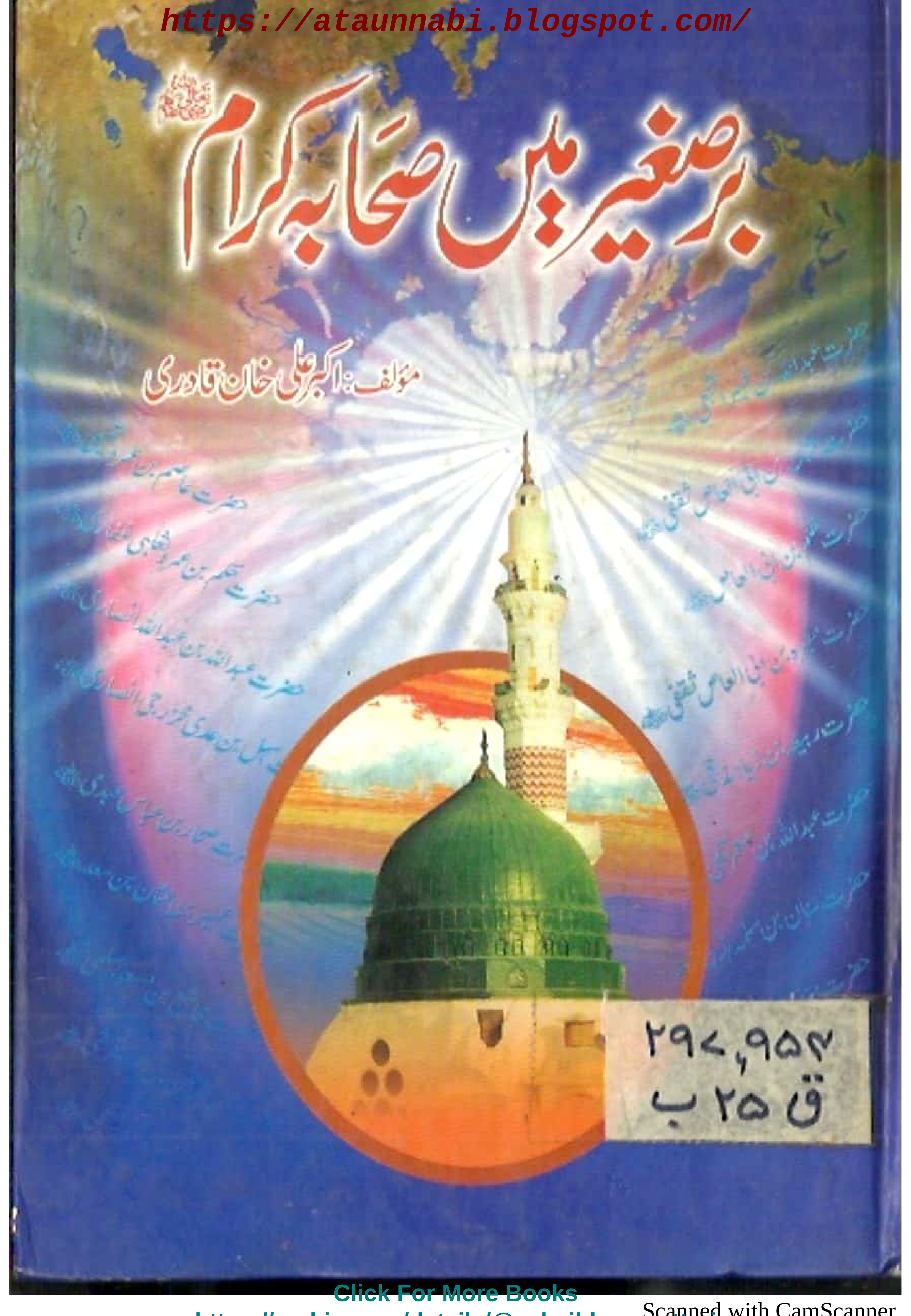
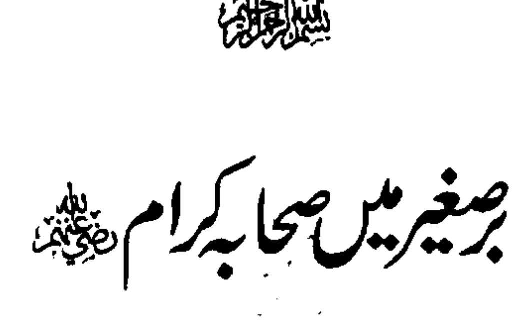


برصغیر میں صحابہ کرام
مؤلف: اکبر علی خان قادری
۲۹۷,۹۵۴
ق ۲۵ ب



برصغیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

مؤلف

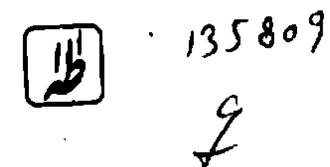
اکبر علی خان قادری

طٰہٰ پبلی کیشنز

22-A حبیب بینک بلڈنگ چوک اُردو بازار لاہور فون: 7231391

طٰہٰ پبلی کیشنز قارئین کی خدمت میں ادبی و سیاسی حوالے سے معتبر کتب پیش کر کے داد و تحسین پا چکا ہے۔ اب ہم اسلامی موضوع پر ایک اور اچھوتی کتاب لائے ہیں۔ قارئین کا اعتماد ہی ہمارا منافع ہے۔ (ادارہ)





ناشر : محمد عفیف تقی
اہتمام : محمد کفیل احمد
اشاعت اوّل : مئی ۲۰۰۳ء
قیمت : ۱۲۵ روپے
بیرون ملک : ۱۰ امریکی ڈالر
اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

انتساب

غزواتِ ہند کے محرکِ اوّل مشہور صحابیِ رسول
امام الامۃ فی الحدیث
حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے نام

جنہوں نے اپنی گورنری کے دوران بحرین و عمان میں جہادِ ہند کی فضیلت کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں اس قدر اُجاگر کر دیا تھا اور لوگوں میں جہادِ ہند کیلئے اتنا زیادہ جوش و خروش پیدا کر دیا تھا کہ جب حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہند پر حملہ کیلئے لشکر تیار کرنا چاہا تو انہیں کسی دقت اور مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

وعدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم غزوة الهند فان ادركتها انفق فيها نفسی و مالی فان اقتل كنت افضل الشهداء وان ارجع فانا ابوهريرة المحرر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا۔ پس اگر میں نے اس کو پالیا تو اپنا جان و مال اس میں خرچ کروں گا۔ پھر اگر مارا گیا تو افضل شہداء میں سے ہوں گا اور اگر واپس لوٹ آیا تو میں ابوہریرہ جہنم سے آزاد ہو چکا ہوں گا۔ (مسند احمد، سنن نسائی)

فہرست

پیش لفظ

برصغیر پاک و ہند جسے قدیم کتب تاریخ میں ہند بھی کہا جاتا رہا ہے۔ انسانی تہذیب و تمدن کے قدیم ترین گہواروں میں سے ایک ہے۔ اسلام کے ماننے والے دنیا کے کسی اور خطے میں اتنی بڑی تعداد میں آباد نہیں ہیں جتنے یہاں۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں اسلام محمد بن قاسم ثقفی کے حملے کے وقت پھیلا جبکہ مستشرقوں اور متعصب ہندوؤں کا کہنا ہے کہ یہاں اسلام محمود غزنوی کے حملوں کے ساتھ آیا۔ یہ پروپیگنڈہ اس قدر زوردار طریقے سے کیا گیا ہے کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ عرب و ہند ایک دوسرے کیلئے ہمیشہ سے اجنبی ملک تھے نہ ہند والے عربوں کو جانتے تھے اور نہ ہی عرب والے ہندوؤں کو انہی حالات میں اسلام کا ظہور ہوا۔ عرب میں اسلام پھیلا۔ ایران فتح ہوا مگر ہند اس سے بے خبر ہی رہا کیونکہ عربوں کو ہند سے واقفیت نہ تھی اور ہند والے تو ویسے ہی ہند سے باہر کسی چیز کو نہ جانتے تھے۔

مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ عرب و ہند کے تعلقات ہزارہا برس پہلے سے موجود تھے۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو عرب و ہند ایک دوسرے کیلئے اجنبی نہ تھے۔ آغاز اسلام کے وقت سے ہی اسلام کا پیغام ہند میں پہنچ چکا تھا۔ عرب میں صدہا برس سے مختلف ہندی قومیں آباد تھیں۔ عہد رسالت میں ان میں اسلام پھیل چکا تھا۔ ان کے ذریعے اس کا پیغام ہند کے لوگوں تک بھی پہنچ چکا تھا۔ عرب والے تاجر تھے۔ ان کے بحری بیڑے عرب و ہند کے ساحلوں کے درمیان سفر کرتے رہتے تھے۔ اسلام کے ظہور کے بعد عربوں کے یہ تجارتی اسفار

اسلام کی ہندوسندھ آمد کا سب سے بڑا ذریعہ بنے۔ تاریخ کے اکثر ادوار میں ہند کے بڑے بڑے راجہ ایران کے زیر اثر رہے ہیں۔ عہدِ فاروقی میں ایران جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہاتھوں فتح ہو گیا تو ہند کے بہت سے علاقے فتح ایران کے توسط سے اسلام کے زیر اثر آ گئے اور ہند میں اسلام کی ترویج و اشاعت کی راہیں کھل گئیں۔

مستند روایات کی شہادت سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ اہلِ ہند نے عہدِ رسالت ہی میں اسلام کے بارے میں معلومات اور آگاہی کیلئے دربارِ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے تعلق پیدا کرنے کیلئے کوششیں شروع کر دی تھیں۔ خود نبی کریم ﷺ ہند کو اسلام کے ایک بڑے مرکز کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ہند میں جہاد کی خصوصی فضیلت ارشاد فرمائی۔ عہدِ صحابہ میں برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی باقاعدہ طرح اس وقت ڈالی جب مشہور صحابیِ رسول حضرت عثمان بن ابو العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی پاک ﷺ کے وصال کے صرف چار سال بعد ہند پر چڑھائی کی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری و ساری رہا۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جہاد و تبلیغ کیلئے برصغیر میں تشریف لائے۔ چنانچہ یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ برصغیر میں اسلام محمد بن قاسم یا محمود غزنوی کے دور میں نہیں بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دورِ مبارک میں آیا۔

قبل از اسلام عرب و ہند کے تعلقات' ظہورِ اسلام کے وقت ہند کی حالت' ہند میں اسلام کی اشاعت اور یہاں تشریف لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وہ بڑے بڑے عنوانات ہیں جن کا احاطہ اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ہند میں اسلام کی قدامت کو سمجھنے کیلئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اکبر علی خان قادری
مدینۃ العلم
پل فتح گڑھ لاہور

باب اوّل

قبل از اسلام عرب و ہند کے تعلقات

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آغاز اسلام کے وقت برصغیر پاک و ہند کا خطہ جو اس وقت ہندوسندھ کہلاتا تھا عربوں کیلئے ایک اجنبی علاقہ تھا اور عرب ہندیوں کیلئے ایک اجنبی قوم تھے لیکن یہ ایک غلط فہمی ہے جسے بعض اسلام دشمن مورخوں اور مصنفوں نے فروغ دیا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام برصغیر میں مسلمان حملہ آوروں کے ذریعے پھیلا۔ وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان حملہ آور محمود غزنوی وغیرہ برصغیر میں مال غنیمت کے لالچ میں آئے اور انہوں نے نہ صرف یہاں کے لوگوں کا مال و دولت لوٹا بلکہ انہیں زبردستی اپنے مذہب میں بھی داخل کر لیا۔ ان کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ظہورِ اسلام سے پہلے عرب و ہند ایک دوسرے کیلئے اجنبی خطے تھے' نہ عرب لوگ برصغیر پاک و ہند کے رہنے والوں سے آشنا تھے اور نہ یہاں کے لوگ عربوں سے کوئی تعلق رکھتے تھے حالانکہ یہ بات حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت ہندوستانی لوگ عرب کے مختلف علاقوں میں آتے جاتے تھے اور بہت سے وہاں مستقل آباد تھے۔ مکہ اس دور کا بہت بڑا تجارتی اور مذہبی مرکز تھا۔ شام اور یمن کے درمیان یہ شہر تجارت کی سب سے بڑی منڈی تھا۔ قریشی تاجر یہاں سے شام اور یمن کو تجارتی قافلے لے کر آتے جاتے رہتے تھے۔ ہندوستان کے

تاجر اور صناع اس شہر میں مستقل سکونت اختیار کیے ہوئے تھے۔ ہندی کاریگر مکہ میں تلواریں بناتے تھے۔ مکہ کی مذہبی مرکزیت سے بھی ہندوستان کے لوگ آگاہ تھے۔ نیز وہ کعبہ کی عظمت کے بھی قائل تھے اگرچہ اس باب میں وہ جاہلی عربوں کی طرح مشرکانہ اعتقادات رکھتے تھے۔ عربوں کے اشعار میں ہندوستان کا اور یہاں کی چیزوں اور باشندوں کا ذکر ملتا ہے نہ صرف یہ کہ ہندی لوگ عرب میں آتے جاتے اور وہاں مستقل سکونت رکھتے تھے بلکہ عرب لوگ بھی ہندوستان اور چین کی طرف تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور ہزار ہا سال سے یہاں کی تجارت کے واحد مالک تھے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ اسلام کے ظہور کے وقت عرب و ہند میں اجنبیت اور بعد تھا مسلمہ تاریخی حقائق کا انکار ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عرب و ہند کے تعلقات طلوع اسلام سے بہت پہلے ہزاروں سالوں سے استوار تھے۔

فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر گستاؤلی بان اپنی کتاب تمدن ہند (اردو ترجمہ از مولوی سید علی بلگرامی) میں "ہندوستان کے تعلقات یورپ کے ساتھ زمانہ قدیم اور زمانہ متوسط میں" کے عنوان کے تحت رقم طراز ہے۔

"بہت ہی قدیم زمانے میں یورپ و ہند میں پیداوار کا تبادلہ ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ دور دراز راہ سے ان دونوں دنیاؤں میں تجارت تھی لیکن یہ ایک دوسرے سے واقف نہ تھے۔ یہ تجارت ایشیائے کوچک کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھی اور مال یا تو تاتار و ایران سے ہو کر آتا تھا یا مصر سے جہاں وہ بحر احمر و خلیج فارس کے اندر سے پہنچایا جاتا تھا۔ اس زمانہ کے تاجر عرب تھے۔"

اس اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عرب زمانہ قدیم سے ہند کے واقف تھے۔ یہاں آتے جاتے تھے۔ ہند کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے۔ بلکہ وہ ہزاروں سال پہلے سے ہند کی تجارت کے واحد مالک تھے۔ یہاں کا سارا سامان تجارت انہیں کے ذریعے یورپ اور دنیا کے دیگر علاقوں تک جاتا تھا۔ لی بان نے جو تاتار و ایران کا ذکر کیا ہے تو اس طرف سے ہونے والی تجارت باقاعدہ نہ تھی اور بہت ہی محدود تھی۔ چنانچہ اس مقام پر چند سطر بعد لی بان نے یہ وضاحت کی ہے کہ کشمیر اور ایران کی طرف سے تجارت کا خشکی کا راستہ زیادہ مقبول نہیں تھا۔ اصل تجارتی راستہ سمندری ہی تھا جس کے زمانہ قدیم میں واحد مالک و قابض عرب تھے۔

اس بات کو لی بان نے تمدن ہند ہی میں آگے چل کر ہندی علوم کے عنوان کے تحت علوم و فنون کے باب میں ان الفاظ کے ساتھ لکھا ہے۔ "سن مسیحی سے بہت پہلے عربوں کے تجارتی تعلقات ہندوستان سے قائم تھے اور عرب ہی مشرق و مغرب کے باہم ملنے کا ذریعہ تھے۔"

ڈاکٹر تارا چند کی کتاب جو اردو میں "تمدن ہند پر اسلامی اثرات" کے نام سے چھپی ہے میں اس حقیقت کو بڑی صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب حملہ آوروں خصوصاً محمد بن قاسم کے حملوں سے بہت پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور مسعود میں برصغیر میں اسلام کی اشاعت کا آغاز ہو چکا تھا۔

عرب و ہند کے تعلقات ہزاروں سال پرانے ہیں

عرب تاجر ہزاروں سال سے ہندوستان کے ساحلوں پر آتے تھے وہ یہاں کی چیزیں دوسرے ممالک کو لے جاتے اور دوسرے ممالک کی اشیاء ہندوستان میں لاتے تھے۔ ان کے تعلقات یہاں کے لوگوں اور حکمران راجوں مہاراجوں سے بڑے اچھے اور گہرے ہوا کرتے تھے۔ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب "عرب و ہند کے تعلقات" میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

"ہندوستان اور عرب دنیا کے دو ملک ہیں جو ایک حیثیت سے ہمسایہ اور پڑوسی کہے جا سکتے ہیں۔ ان دونوں کے بیچ صرف سمندر حائل ہے جس کی سطح پر ایسی وسیع اور لمبی چوڑی سڑکیں نکلی ہیں جو ایک ملک کو دوسرے سے باہم ملاتی ہیں۔ یہ دونوں ملک ایک سمندر کے دو آمنے سامنے کے خشکی کے کنارے ہیں۔ اس جل تھل سمندر کا ایک ہاتھ اگر عربوں کے ارض حرم کا دامن تھامے ہے تو اس کا دوسرا ہاتھ ہندوؤں کے آریاورت کے قدم چھوتا ہے۔ دریا کنارے کے ملک فطرۃً تجارتی ہوتے ہیں۔ یہی پہلا رشتہ ہے جس نے ان دونوں قوموں کو باہم آشنا کیا۔ عرب تاجر ہزاروں برس پہلے سے ہندوستان کے ساحل تک آتے تھے اور یہاں کے بیوپار اور پیداوار کو مصر اور شام کے ذریعے سے یورپ تک پہنچاتے تھے اور وہاں کے سامان کو ہندوستان، جزائر ہند، چین اور جاپان تک لے جاتے تھے۔

عربوں کا راستہ یہ تھا کہ وہ مصر و شام کے شہروں سے چل کر خشکی کی راہ بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز کو طے کرکے یمن تک پہنچتے تھے اور وہاں سے بادبانی کشتیوں میں بیٹھ کر کچھ تو افریقہ اور حبشہ کو چلے جاتے تھے اور کچھ وہیں سے سمندر کے کنارے کنارے حضر موت' عمان' بحرین اور عراق کے کناروں کو طے کرکے خلیج فارس کے ایرانی ساحلوں سے گزر کر یا تو بلوچستان کی بندرگاہ تیز میں اتر پڑتے تھے یا پھر آگے بڑھ کر سندھ کی بندرگاہ دیبل (کراچی) میں چلے جاتے تھے اور پھر اور آگے بڑھ کر گجرات اور کاٹھیاواڑ کی بندرگاہ تھانہ (بمبئی) کھمبایت چلے جاتے تھے۔ پھر آگے بڑھتے تھے اور سمندر سمندر کالی کٹ اور راس کماری پہنچتے تھے اور پھر کبھی مدراس کے کنارے پر ٹھہرتے تھے اور کبھی سرانديپ (لنکا) اتر جاتے ہو کر خلیج بنگال میں داخل ہو جاتے تھے اور بنگال کی ایک دو بندرگاہوں کو دیکھتے ہوئے برما اور سیام ہو کر چین چلے جاتے اور پھر اسی راستے سے لوٹ آتے تھے۔"

دنیا کی پہلی سمندری تاجر قوم

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ "دنیا کی پہلی دریائی تاجر قوم کا نام فنیشن ہے۔ یہ یونانی نام ہے۔ عبرانی میں ان کا نام کنعانی ہے اور آرامی بھی ان کو کہتے ہیں۔ اہلِ عرب ان کو ارم کہتے ہیں اور یہی نام قرآن پاک میں ہے۔ عاد ارم ذات العماد" بڑے بڑے ستونوں اور عمارتوں والے عاد ارم" اور اسی مناسبت سے عربی تخیل کے ذریعہ سے "بہشت ارم" ہماری زبان میں بھی بولتے ہیں۔

یہ کون قوم تھی؟ محققین کا بیان ہے کہ یہ عرب تھے جو ساحل بحرین کے پاس سے اٹھ کر شام کے ساحل پر جا بسے تھے۔ بحرین گویا مشرق میں مشرقی ملکوں کی بندرگاہ ان کی تھی اور تائر شام میں بحرِ روم (میڈیٹرینین سی) کے کنارہ ان کی مغربی بندرگاہ تھی جہاں سے وہ یونان کے جزیروں میں اور یورپ کے شہروں اور شمالی افریقہ کے کناروں تک چلے جاتے تھے اور ادھر مشرق میں وہ ایران' ہندوستان اور چین تک کی خبر لیتے تھے"

(عرب و ہند کے تعلقات)

لی بان اس قدیم تاجر قوم جو اصل میں قدیم عرب تھے کے بارے میں لکھتا ہے۔ "زمانہ قدیم میں عربوں ہی کی بدولت یورپ کے تعلقات اقصائے ممالک ایشیا کے ساتھ قائم رہے۔ عربوں کی تجارت محض عربستان کی پیداوار تک محدود نہ تھی بلکہ وہ ان اجناس کی تجارت کرتے تھے جو افریقہ اور ہندوستان سے آتی تھیں۔ ان کی تجارت اکثر ان اشیاء کی تھی جو سامان عیش و عشرت میں شامل ہیں مثلاً ہاتھی دانت' مصالحہ جات' خوشبو' عطریات' جواہرات' سونے کا سفوف' لونڈی غلام وغیرہ وغیرہ۔ بہت دنوں تک یہ تجارت فنیقین (فنیشین) کے ذریعہ سے جن کی زبان عربی سے بہت مشابہ تھی ہوا کی۔ یہ لوگ سامان تجارت کو لا کر اپنے بڑے شہروں میں جن میں سے ایک صور تھا جمع کرتے تھے اور پھر وہاں سے اسے تمام عالم میں پھیلاتے تھے۔"

(لی بان' تمدن عرب' حالات یمن میں)

قدیم عربوں کے ہند پر اثرات

اس اقتباس سے جہاں یہ پتہ چل رہا ہے کہ عرب قدیم سے ہند کے ساتھ تعلق رکھتے تھے وہیں یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ انہیں عربوں کے قدیم آباؤ اجداد جو فنیقی کہے گئے ہیں ہند کے ساتھ گہرے روابط رکھتے تھے۔ ان کے اثرات ہند پر کتنے گہرے تھے اس کیلئے ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

"یہ سب کو معلوم ہے کہ ہندوستان کی تمام تحریریں بلکہ تمام آرین تحریریں بائیں طرف سے لکھی جاتی ہیں لیکن اس آریاورت کی ابتدائی تحریریں حیرت سے سنا جائے گا کہ سامی طرز تحریر کی طرح داہنی طرف سے شروع ہوتی تھیں۔ علاوہ اس کے گنتی کے لکھنے کا طریقہ بھی اسی تاجر قوم سے شاید سیکھا گیا تھا۔" (عرب و ہند کے تعلقات)

قدیم عرب یعنی فنیقی نہ صرف ہند سے تجارت کرتے تھے بلکہ ان کے استاد بھی تھے۔ محولہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ تحریر اور گنتی جیسے بنیادی اور اہم علوم ہندیوں نے قدیم عربوں سے ہی سیکھے تھے۔ سامی طرز تحریر کی اس گواہی کے علاوہ ایسے شواہد بھی ہیں جن سے عرب و ہند کے تعلقات کی قدامت کا پتہ چلتا ہے نیز معلوم ہوتا ہے کہ ہندی لوگ زمانہ قدیم

میں عربی سے واقف تھے۔ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے:

''لیکن اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ مہا بھارت کے زمانہ میں بھی ہندوستان میں ایسے لوگ تھے جو عربی زبان سے واقف تھے۔ گو مشکل سے اس کا یقین آ سکتا ہے تاہم چونکہ ایک بڑے پنڈت نے اس کو مانا ہے اس لیے مجھے اس کے انکار کی جرأت نہیں''

(سید سلیمان ندوی' عرب ہند کے تعلقات)

یہ مشہور اور بڑے پنڈت ستیارتھ پرکاش کے مصنف سوامی دیانند جی ہیں۔ انہوں نے اپنی اسی تصنیف ستیارتھ پرکاش میں اس بات کی صراحت کی ہے۔

یہ حوالے تو ہندوؤں کے عربوں اور عربی زبان کے ساتھ تعلق کو ظاہر کرتے ہیں جیسے ان کے ابتدائی طرز تحریر کا سامی یعنی عربی طرز پر ہونا گنتی کیلئے عربی اعداد کو اختیار کرنا' ان دونوں امور کی مفصل تحقیق انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں موجود ہے۔

انسائیکلوپیڈ آف برٹانیکا کا مضمون نگار لکھتا ہے۔

''ہندوستانی حروف کی ابتدا کا مسئلہ ابھی شکوک سے گھرا ہوا ہے۔ ہندوستانی تحریر کے قدیم ترین نمونے وہ کتبات ہیں جو چٹانوں پر کندہ ہیں۔ یہ پالی زبان (وہ پراکرت جو جنوبی بدھ مذہبی تحریروں کیلئے استعمال کی جاتی تھی) کے وہ مذہبی احکام ہیں جن کو سن ۲۰۳ ق م میں موریہ خاندان کے شہنشاہ اشوک نے کندہ کرایا تھا اور یہ شمالی ہند میں شمالی مغربی سرحد پر پشاور کے مضافات اور گجرات میں گرنار سے لیکر مشرقی ساحل پر کٹک کے ضلع میں جوگادہ اور دھولی تک پھیلے ہوئے ہیں انتہائے مغرب کے وہ کتبات جو کپوردا گڑھی یا شہباز گڑھی اور منصورہ کے قرب و جوار میں ہیں دوسرے کتبان کے حروف تہجی سے بالکل جداگانہ حروف میں لکھے گئے ہیں۔ وہ داہنی جانب سے بائیں جانب پڑھے جاتے ہیں۔ ان کو عموماً ''آرین پالی'' کہا جاتا ہے۔ یہ حروف یونانی اور ایرینا کے ہندی تھمین حکمرانوں کے سکوں میں بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ رہے دوسرے حروف جو بائیں جانب سے داہنی جانب پڑھے جاتے ہیں۔ ''ہندی پالی'' حروف کہلاتے ہیں۔ مقدم الذکر نے جن کو کھروشتی (خروشتی) یا گندھارا (لیپی) حروف بھی کہا جاتا ہے اور جو بظاہر کسی سامی اور (شاید آرامی) زبان سے ماخوذ ہیں ہندوستان کی بعد

کی تحریروں میں کوئی اثر نہیں چھوڑا ہے۔ دوسری طرف ہندی پالی (یا براہمی) حروف جن سے موجودہ ہندوستانی حروف ماخذ ہیں بہت زیادہ مشکوک الاصل ہیں اور اگرچہ اشوک کے وقت تک اس خط نے بہت زیادہ ترقی کر لی تھی اور اس کو علمی مقاصد میں حیرت انگیز طور پر استعمال کیا جانے لگا تھا' تاہم اس کے بعض حروف کا قدیم فینقی حروف سے (جو شاید خود مصری ہیروغلیفی خط سے ماخوذ تھے) تشابہ یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ شاید یہ بنی سامی الاصل ہوں۔ اس کے اپنے ملک میں روشناس ہونے کے وقت اور... کا پتہ شاید اب بھی نہ چلے۔ بہرحال پروفیسر بولر نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ شاید عراق کے تاجروں نے آٹھویں صدی ق م میں ان حروف کو یہاں روشناس کرایا ہو۔ تاہم موریہ اور اندھرا کتبات میں ان حروف نے جو مکمل شکل اختیار کر لی ہے اور جس وسیع حلقہ میں وہ پھیلے ہوئے ہیں ان چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے تسلیم کرنے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ ہندوستان میں اشوک سے بہت پہلے فن کتابت کا مختلف اغراض و مقاصد کیلئے استعمال و رواج موجود تھا۔ یہ واقعہ کہ اس عہد کے ادبیات میں تحریر کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے شاید اس بنا پر ہو کہ برہمن اپنی مقدس تصانیف کو ضبط تحریر میں لانا پسند نہیں کرتے تھے۔

اب رہا ہندوستان میں اعداد کا سوال تو عیسوی سنہ کے ابتدائی دور میں خروشتی کتبات میں جو طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ ابتدائی تین عدد لکیروں کے ذریعہ سے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ 4 ایک جھکے ہوئے کراس (صلیب) کی طرح ہے اور ۵-۹ تک اس طرح: ۴(+) وغیرہ تا ۴(+)۱۔ اس کے علاوہ ۱۰' ۲۰ اور ۱۰۰ کے لیے خاص اعداد ہیں اور باقی دہائیوں کو یوں لکھا جاتا ہے۔ مثلاً ۵۰=۲۰(+)۲۰(+)۱۰۔ اس طریقہ کے متعلق ثابت ہو چکا ہے کہ یہ سامی اور شاید آرامی ہے۔ براہمی کتبات میں چھٹی صدی عیسوی تک ایک دوسری قسم کے اعداد استعمال کئے گئے ہیں۔ ایک سے تین تک کے لیے آڑی لکیریں ہیں' پھر ۴-۹ تک اکائیوں اور ۱۰' ۹۰' ۱۰۰ اور ۱۰۰۰ کے لیے خاص علامات ہیں۔ یہ طریقہ بہت ممکن ہے کہ مصر سے ماخوذ ہو اور کسور اعشاریہ کے لیے یہ طریقہ جو سب سے پہلے گجرات کے کتبہ میں ملتا ہے شاید یہیں کے منجمین یا ریاضی دانوں کی ایجاد ہو۔''

(بحوالہ عرب و ہند کے تعلقات)

نیز ستیارتھ پرکاش کا سابق میں گزرا ہوا حوالہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مہابھارت کی جنگ کے وقت ہندو عوام نہیں تو کم از کم خواص میں ایسے لوگ موجود تھے جو عربی زبان سے واقف تھے۔

ہند کے قدیم عربی پر اثرات

زمانہ قدیم سے اگر اہلِ ہند کا یہ عالم تھا کہ اہلِ عرب اور عربی زبان ان پر اس قدر گرفت رکھتی تھی کہ وہ حروف و اعداد تک اس سے لیتے تھے اور اس کی جڑیں ان کے ادب تک پہنچی ہوئی تھیں تو دوسری طرف اہل عرب بھی ان سے کم متاثر نہ تھے۔ ان کے قدیم ادب میں بھی ہند اور اہلِ ہند کو بڑی پذیرائی حاصل تھی۔ وہ ہند سے کس قدر متاثر تھے۔ سید سلیمان ندوی کے الفاظ اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے کہ "ہند" کا لفظ عربوں کو ایسا پیارا معلوم ہوا کہ انہوں نے ملک کے نام پر اپنی عورتوں کا یہ نام رکھا۔ چنانچہ عربی شاعری میں یہ نام وہ حیثیت رکھتا ہے جو فارسی میں لیلیٰ اور شیریں کی ہے۔" (عرب و ہند کے تعلقات)

حضرت ہندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشہور صحابیہ ہیں۔ حضرت ابوسفیان کی بیوی اور حضرت معاویہ کی والدہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مسلمان ہونے سے پہلے اسلام دشمنی میں بہت مشہور تھیں۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مشہور صحابی ہیں۔

نیز عربی ادبیات میں ہندوستانی اشیاء کا ذکر ہمیں قدیم زمانے سے ملتا ہے۔ مثلاً ہندی تلوار جسے عرب کئی ناموں سے یاد کرتے تھے جیسے سیف ہند، مہند، ہندوانی اور ہندی وغیرہ۔ ہندی نیزے جو عربوں کے ہاں خطی اور سمہری نیزوں کے نام سے مشہور تھے۔ اسی طرح مشک، کافور، عوز (اگر) قرنفل (لونگ)، زنجبیل (سونٹھ)، فلفل (مرچ)، قسط (کٹھ)، ساج (ساگوان)، داذی (تاڑی، شراب کی ایک قسم)، سندھی کپڑے جنھیں عرب مسندہ اور مسندیہ کہتے تھے، دجاج "سندی" (سندھی مرغی)، دیک "سندی" (سندھی مرغا) وغیرہ کا ذکر عربی ادبیات میں ہمیں کثرت سے ملتا ہے۔

چند اشعار اور ادبی حوالے جن میں ہندی اشیاء کا ذکر ہے یہاں تحریر کئے جاتے ہیں۔

طرفہ بن عبد اپنے معلقہ میں کہتا ہے۔

وظلم ذوی القربیٰ اشد مضاضۃً
علی المرء من وقع الحسام المهند

ترجمہ:۔ آدمی پر اپنوں کا ظلم تکلیف میں ہندی تلوار کی کاٹ سے زیادہ شدید ہے۔

دیوان حاتم طائی میں ہے۔

ساذخر من مالی دلاصاً وسابحاً
واسمر خطیاً وعضباً مهنداً

ترجمہ:۔ میں عنقریب اپنے مال سے عمدہ زرہیں، کچے رنگ والے خطی نیزے اور تیز ہندی تلواریں ذخیرہ کروں گا۔

فضل بن عبدالصمد نے کہا ہے۔

انعت قوساً ذی النطاء
جاء بها جالب بروصاء

ترجمہ:۔ میں نے تعریف کی ہے اس کمان کی جو صاف ستھری ہے جسے منگوانے والے نے بھڑوچ (ہندوستان کا ایک ساحلی مقام جسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فتح کیا تھا) سے منگوایا ہے۔

امراء القیس کہتا ہے۔

اذا قامتا تضوع المسک منهما
نسیم الصبا جاءت بریا القرنفل

ترجمہ: جب وہ دونوں کھڑی ہوتی ہیں تو ان سے مشک کی خوشبو یوں پھیلتی ہے جیسے نسیم صبح قرنفل (لونگ) کی خوشبو لائی ہو۔

نابغہ شیبانی کا شعر ہے۔

من الخفرات خلت رضاب فیها
سلافۃ قرقف شیبت بمسک

ترجمہ: باحیا دوشیزاؤں کا لعاب دہن لونگ کی ایسی شراب کی طرح ہے جس میں مشک ملا

ہوا ہو۔

نابغہ شیبانی ہی کا ایک شعر ہے۔

قد عبق العبير بها و مسک
يخالطه من الهندى عود

ترجمہ:۔ اس کے بدن پر زعفرانی خوشبو اور ایسا مشک لپٹا ہے جو عود ہندی (اگر) میں گلوط ہے۔

ایک دوسرے مقام پر نابغہ نے کہا ہے۔

كان رضاب المسک فوق لثاتها
وكالفور دارى و راحاً تصفق

ترجمہ:۔ گویا محبوبہ کے مسوڑھوں پر مشک گلول اور کافور داری اور شراب مچل رہے ہیں۔

اعشیٰ کا قول ہے۔

كان القرنفل و الزنجبيل باتا بفيها داريا مشوراً

ترجمہ:۔ گویا اس کے (محبوبہ کے) منہ میں شہد کے ساتھ لونگ اور سونٹھ نے مشک داری میں رات گزاری ہے۔

زنجبیل سونٹھ کو کہتے ہیں' تازہ ہو تو ادرک کہا جاتا ہے۔

نابغہ شیبانی کہتا ہے۔

وقبة لاتكاد الطير تبلغها
اعلى محاريبها بالساج مسقوف

ترجمہ:۔ وہ قبہ اتنا بلند ہے کہ پرندے بھی اس کو نہیں پہنچ سکتے اس کی سب سے اونچی محراب پر ساگوان کی چھت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار برس پہلے کے عرب اور ہندی سامان تجارت

تاریخی کتب کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو

ہزار سال قبل عرب تاجر مصر جاتے تھے۔ ان کے پاس دیگر سامان تجارت کے علاوہ آب دار فولاد' تیز پت اور مصالحے دستیاب ہوتے تھے۔ یہ خالص ہندوستانی اشیاء ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ عرب ہزاروں سال پہلے ہندوستان سے تجارتی مال لاتے تھے۔

"مسیح سے دو ہزار برس پہلے جو عرب تاجر بارہا مصر کو جاتے دکھائی دیتے ہیں ان کا سامان یہ تھا۔ بلسان' صنوبر اور دوسری خوشبودار چیزیں' یمن کی ملکہ حضرت سلیمان کے لیے جو تحفہ سنہ ۹۵۰ ق م میں شام لائی تھی وہ بھی "خوشبو کی چیزیں بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہر" تھے۔ حزقیال نبی (سنہ ۵۷۸ ق م) کے زمانہ میں اوزال (یمن) سے فولاد' تیز پت اور مسالہ' عرب ہی ملک شام کو لے جاتے تھے۔ حزقیال نبی کہتے ہیں کہ "اوزال (یمن) سے تیرے بازار میں آبدار فولاد' تیز پات اور مسالہ پہنچے آتے ہیں" یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ لوبان اور قسم قسم کے خوشبو پھول خود یمن میں پیدا ہوتے تھے مگر آبدار فولاد (تلوار)' تیز پات اور مسالوں کا ملک ہندوستان ہی تھا' اور تلوار' تیز پات اور مسالوں کا ملک وہی آج بھی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عربوں کے ہندوستان کے تجارتی تعلقات مسیح سے کم از کم دو ہزار برس پہلے سے ہیں۔" (عرب و ہند کے تعلقات)

حضرت یوسف علیہ السلام سے واسکوڈے گاما تک ہندوستان کی تجارت کے مالک عرب ہی تھے

الفنسٹن کی تاریخ ہند میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں عربوں کے تجارتی کارواں مصر جایا کرتے تھے بلکہ عربوں ہی کے کسی تجارتی قافلے نے حضرت یوسف کو مصر پہنچایا تھا۔ الفنسٹن نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت سے لے کر مارکو پولو اور واسکوڈے گاما کے دور تک ہندوستان کی تجارت کے مالک عرب ہی رہے ہیں۔

سید سلیمان ندوی کا بیان ہے۔

"عربوں کا ملک تین طرف سے سمندروں سے گھرا ہے۔ ملک میں آبادی کے مطابق کافی سرسبزی اور شادابی بھی نہیں۔ ایسا ملک قدرتی طور سے تجارتی ہوگا۔ پھر خوش قسمتی سے اس کی چاروں طرف دنیا کے بڑے بڑے ملک واقع ہیں۔ ایک طرف عراق' دوسری طرف شام'

تیسری طرف مصر اور افریقہ سامنے ہندوستان ایک رخ پر ایران ان تمام ملکوں سے عربوں کے براہ راست پرانے تعلقات تھے یہاں ہم کو صرف ہندوستان سے بحث ہے۔ بحرین، عمان، حضر موت، یمن، حجاز یہ مقامات ہیں جو بحر احمر، بحر ہند اور خلیج فارس پر آباد ہیں اور قدرتاً انہی کو اس بحری تجارت کا موقع حاصل تھا۔ اس سے پہلے عربوں کی ہندوستانی بحری آمد و رفت کا نقشہ دکھایا گیا ہے کہ ہندوستان کے ساحل سے جہازات چل کر یمن کی بندرگاہ میں پہنچتے تھے اور وہاں سے ان کا سامان اونٹوں پر لاد کر خشکی کے راستہ سے بحر احمر کے کنارے کنارے شام اور مصر آتا تھا اور وہاں سے بحرِ روم ہو کر یورپ چلا جاتا تھا۔

ہم کو جب سے دنیا کے تجارتی حالات کا علم ہے ہم عربوں کو کاروبار میں مصروف پاتے ہیں اور اسی راستہ سے ان کے قافلوں اور کاروانوں کو شام اور مصر تک آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ اس وقت ہمارے پاس دنیا کی بین الاقوامی تاریخ کی سب سے پرانی کتاب تورات ہے۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو ہی نسل بعد حضرت یوسف کے زمانہ میں ہم اس تجارتی قافلہ کو اسی راستہ سے گزرتے ہوئے پاتے ہیں اور یہ وہی کارواں ہے جو حضرت یوسف کو مصر پہنچاتا ہے۔ (پیدائش ۳۶:۳۵)۔ اس راستہ کا ذکر یونانی مورخوں نے بھی کیا ہے۔ الغرض حضرت یوسف کے عہد سے لیکر مارکو پولو اور واسکوڈے گاما کے زمانہ تک ہندوستان کی تجارت کے مالک عرب ہی رہے۔" (عرب و ہند کے تعلقات)

اس اقتباس سے عربوں کو قدیم سے دنیا بھر میں جو بین الاقوامی تجارتی مرکزیت حاصل تھی وہ خوب واضح ہو جاتی ہے۔ ہندوستان اور دیگر دور دراز ممالک سے یمن اور وہاں سے مال تجارت کی مصر و شام ترسیل کے بارے میں اطہر مبارکپوری رقمطراز ہیں۔

جنوبی عرب میں ہندوستانیوں کی بحری تجارت کا اہم مرکز یمن تھا جس میں صنعاء، قصر، غمدان، مآرب، نجران اور عدن جیسے بڑے بڑے شہر شامل تھے۔ ابن خرداذبہ نے عدن کے بارے میں لکھا ہے:۔

وبها العنبر والعود والمسک ومتاع السند والهند والصین والزنج والحبشه وفارس والبصرة وجدة والقلزم۔	یہاں پر عنبر، عود، مشک ملتا ہے اور سندھ، ہندوستان، چین، زنج، حبشہ، فارس، بصرہ، جدہ اور بحر قلزم کے سامان اور مال رہتے ہیں۔

یمن کی قدیم تجارت میں ہندوستانی اشیاء کی کثرت اور ان کی نکاسی کا اندازہ اس بیان سے ہوتا ہے:

وکانت التجارة قدیما فی ید الیمنیین وکانوا هم العنصر الظاهر فیها فعلی یدهم کانت تنقل غلات حضرموت و ظفار وواردات الهند الی الشام و مصر۔	قدیم زمانہ میں تجارت اہل یمن کے ہاتھ میں تھی اور یہ لوگ تجارت میں غالب عنصر تھے ان کے ہاتھوں حضر موت اور ظفار کے مال اور ہندوستان کی چیزیں شام اور مصر جایا کرتی تھیں۔ (عرب و ہند عہد رسالت میں)

عرب و ہند کی قدیم تجارتی شاہراہ کے نشیب و فراز کی کہانی

تقریباً تین سو سال قبل مسیح میں مصر پر یونانیوں نے قبضہ کر لیا۔ مصر سے ہندوستان تک کی تجارتی شاہراہ ان کے تصرف میں آ گئی۔ مصر سے شام تک کا راستہ بھی ان کے ہاتھ میں تھا جس سے عربوں کی تجارت بری طرح متاثر ہوئی۔

انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا میں ہے۔

"جنوبی مغربی عرب (حضر موت اور یمن) کی خیر و برکت کا سب سے بڑا سبب اس زمانہ میں یہ تھا کہ مصر اور ہندوستان کے درمیان کا تجارتی سامان پہلے سمندر کی راہ سے یہاں آتا تھا اور پھر خشکی کی راہ سے مغربی ساحل پر جاتا تھا۔ یہ تجارت اس زمانہ میں بند ہوگئی کیونکہ مصر کے بطلیموسی بادشاہوں نے ہندوستان سے اسکندریہ تک براہ راست ایک راستہ بنالیا"۔
(بحوالہ عرب و ہند کے تعلقات)

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مضمون نگار کا یہ خیال کہ "یہ تجارت اس زمانہ میں بند ہوگئی تھی۔" درست نہیں، مصر پر یونانیوں کے قبضے نے عربوں کی تجارت کو متاثر ضرور کیا تھا اور اس کی پہلی رونقیں برقرار نہیں رہی تھیں مگر وہ بالکلیہ بند نہیں ہوئی تھی۔ یونانی مورخ آ گاتھر شیدس جو دو سو سال قبل مسیح میں تھا کا بیان ہے۔

"جہازات ہندوستان کے ساحل سے سبا (یمن) آتے ہیں اور وہاں سے مصر تک پہنچتے ہیں"۔

(بحوالہ عرب و ہند کے تعلقات)

حضرت مسیح علیہ السلام سے سو برس پہلے آرٹی میڈروس کہتا ہے۔

"سبا (یمن کی ایک قوم) آس پاس کے لوگوں سے تجارتی اسباب خریدتے ہیں اور وہ اپنے ہمسایوں کو دیتے ہیں اور اسی طرح دست بدست وہ اسباب شام اور جزیرہ تک پہنچ جاتا ہے۔"

(بحوالہ عرب و ہند کے تعلقات)

سید سلیمان ندوی کی تحقیق ہے۔

"اس قسم کے اور دوسرے بیانات سے بھی یہ ثابت ہے کہ عرب اس زمانہ میں بالکل مٹ نہیں گئے بلکہ یونانیوں کے ساتھ ساتھ ان کا کام بھی باقی رہا۔"

(عرب و ہند کے تعلقات)

الفنسٹن کی بھی یہی تحقیق ہے۔ اس کی تاریخ ہند میں تصریح موجود ہے کہ یونانیوں کے زمانے میں مصر کی راہ سے عربوں کا ہند سے تعلق بالکل ختم نہیں ہو گیا بلکہ جنوب مغربی عرب کا تجارتی تعلق ہند سے بدستور قائم رہا البتہ یہ ضرور ہوا کہ یونانیوں کے اثرات کی وجہ سے اس تجارت میں کس قدر کمی آ گئی۔

مصر کی راہ سے یورپ والوں کا ہندوستان سے جو قدیم تعلق عربوں کے ذریعے قائم تھا اس کے نشیب و فراز پر گفتگو کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں۔

"یورپ اور ہندوستان کا راستہ نہایت اہم تھا اور ہے اور اسی کے ذریعہ تاریخ میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے ہیں۔ گذر چکا ہے کہ یہ راستہ پہلے خالص عربوں کے ہاتھوں میں تھا، جب یونانیوں نے حضرت مسیح سے تقریباً ۳ سو برس پہلے مصر پر قبضہ کیا تو وہ اس دریائی شاہراہ پر قابض ہو گئے۔ حضرت مسیح کے ۶ سو برس بعد جب اسلام آیا اور عربوں نے عروج پایا تو چھٹی صدی مسیحی میں وہ مصر سے لے کر اسپین تک چھا گئے اور ساتھ ہی بحر روم پر بھی وہ قبضہ پا گئے اور بحر روم کے اہم جزیروں کریٹ اور سائپرس وغیرہ کو بھی انہوں نے اپنے مقبوضات میں داخل کر لیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں تجارت اور سوداگری کی یہ سب سے بڑی سڑک عربوں کے ہاتھ میں آ گئی اور صدیوں تک وہ اس پر قابض رہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں یورپ کی عیسائی قوموں نے عربوں کو رومی سرزمینوں سے نکالنے کی پوری کوشش کی مگر عین اس وقت جب وہ اسپین اور شمالی افریقہ میں کامیاب ہو رہے تھے اور راستہ کو صاف کر رہے تھے کہ ایشیائے کوچک سے ترکوں نے سر نکالا اور پھر بحر روم کا یہ راستہ مسلمانوں ہی کے پاس رہ گیا۔ اس وقت نے یورپ کی قوموں کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان کا کوئی دوسرا راستہ پیدا کریں۔ اسی کوشش کا نتیجہ ہے کہ شمالی افریقہ اور بحر روم کو چھوڑ کر جنوبی افریقہ کے راستہ سے ہندوستان کا سراغ لگایا گیا۔ اس راستہ میں ڈچ اور پرتگال اور بعد کو انگریز اور فرانسیسی بھی شریک ہو گئے اور ہندوستان کی وہ تجارت جو عربوں کے ہاتھوں میں تھی اس کو ان سے لڑ بھڑ کر چھیننے لگے۔ اس کشمکش میں اہل مغرب اور اہل مشرق کی ایک سخت دریائی جنگ بھی ہندوستان کے سواحل پر ہوئی۔ اس جنگ میں مشرق کو شکست ہوئی اور یہی شکست اہلِ مشرق کی تمام آئندہ شکستوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس جنگ میں مصری، عربی اور دکن کی مختلف ہندو اور مسلمان سلطنتوں کے جنگی جہازوں کے بیڑے ایک ساتھ مل کر یورپین جہاز راں قوموں کے جہازوں سے لڑتے تھے۔ اس شکست کا یہ نتیجہ ہوا کہ تقریباً اس زمانہ سے آج تک تمام جزائر ہند اور سواحل کی تجارت اہلِ یورپ کے ہاتھ میں آ گئی۔ مدارس کے عرب تاجروں کو جن کو موپلا کہتے ہیں جو اس وقت ہندوستان کے اس گوشہ اور جزیروں کی تجارت کے مالک تھے ان کے جہازوں کو ہر طرح تباہ و برباد کر دیا گیا۔

اس کے بعد بھی بحرِ روم کے قریب تر راستہ کی ملکیت کا خیال اہل یورپ کے دل سے دور نہیں ہوا۔ چنانچہ اس کو اور قریب تر کرنے کے لئے بحر احمر (ریڈسی) اور بحرِ روم کے درمیان کی پتلی خشکی کھود کر نہر سویز نکالی گئی اور پھر مصر اور سویز پر قبضہ ضروری خیال کیا گیا تا کہ یورپ اور ہندوستان کا یہ اہم تاریخی راستہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔

یہ وہ واقعات ہیں جو ہندوستان اور اس کے جزائر پر یورپین قوموں کے تاجروں کی آمد و رفت کے سلسلہ میں ہندوستان کی ہر تاریخ میں لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ ان واقعات سے

عربوں اور ہندوؤں کے تجارتی تعلقات کی تاریخ کے مختلف دور نمایاں ہوتے ہیں۔

(عرب و ہند کے تعلقات)

یہ تو اس سمندری راہ کی کہانی تھی جو ہندوستان سے یمن اور یمن سے مصر کو جاتی تھی۔ اس بحری راستے کے علاوہ عرب اور ہند کے درمیان تعلق کا ایک دوسرا قدیم راستہ بھی تھا جو خلیج فارس سے ہو کر جاتا تھا۔ خلیج فارس کے ساحلوں کے عرب اور پارسی ہزاروں سالوں سے خشکی اور تری کی راہ سے سامان تجارت لاتے اور لے جاتے تھے۔ یہ راستہ ہمیشہ کھلا رہا اور یونانی یا کسی دوسری قوم کے قبضے سے بچا رہا۔ اس کے مالک ہمیشہ عرب ہی رہے۔ وہ ہندوستان کے تمام ساحلی مقامات اور بحر ہند کے ایک ایک جزیرے سے ہوتے ہوئے بنگال اور آسام تک جاتے۔ وہاں سے سمندر سمندر چین تک پہنچتے۔ پھر اسی راہ سے واپس خلیج فارس ہوتے ہوئے عرب سواحل پر آ جاتے۔

سید سلیمان ندوی کہتے ہیں۔

"ہندوستان اور عرب کا دوسرا تجارتی راستہ جس کا تعلق خلیج فارس سے تھا وہ بدستور عربوں کے ہاتھوں میں ہمیشہ نظر آتا رہا ہے۔ البتہ عمان' حضرموت اور عراق میں مختلف سلطنتوں کے ادلنے بدلنے اور بندرگاہوں کے ٹوٹنے اور بننے سے تجارتی مرکز اس شہر سے اس شہر اور اس بندرگاہ سے اس بندرگاہ میں منتقل ہوتا رہا۔" (عرب و ہند کے تعلقات)

عرب میں ہندوستانی مال کے بڑے بڑے مراکز اور منڈیاں

اسلام کے عروج اور ایرانیوں کے آخری دور میں خلیج فارس کی راہ سے ہندوستانی تجارت کا سب بڑا مرکز عراق کی بندرگاہ ابلہ تھی' جسے ۱۴ھ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے فتح کیا۔

سید سلیمان ندوی نے ابلہ کے حالات میں لکھا ہے۔

"عربوں کے سنہ ۱۴ھ میں عراق پر قبضہ کرنے سے پہلے ایرانیوں کے زمانہ میں ہندوستان کے لیے خلیج فارس کا سب سے بڑا اور مشہور بندرگاہ ابلہ تھا جو بصرہ کے قریب واقع تھا۔ ابلہ سے ہندوستان کی تجارتی آمد و رفت اس کثرت سے تھی کہ اہلِ عرب ابلہ کو ہندوستان ہی کا ایک ٹکڑا سمجھتے تھے۔ چین اور ہندوستان سے آنے والے جہازات یہیں ٹھہرتے اور یہیں سے روانہ ہوتے تھے۔ ہندوستان کے بیوپار اور پیداوار کو عربوں کی نگاہ میں جو اہمیت حاصل تھی اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عرب سیاح سے پوچھا کہ ہندوستان کے متعلق تمہاری رائے کیا ہے؟ اس نے تین مختصر فقروں میں اس بلاغت کا جواب دیا جس سے زیادہ بلیغ کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ اس نے کہا "بحرھا در وجبلھا یاقوت وشجرھا عطر" اس کے دریا موتی ہیں' اس کے پہاڑ یاقوت ہیں اور اس کے درخت عطر ہیں۔

عراق کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فکر ہوئی کہ عراق کی یہ بندرگاہ بھی عربوں کے قبضہ میں آئے' چنانچہ سنہ ۱۴ھ میں آپ نے اس پر قبضہ کرنے کا حکم دیا اور لکھا کہ" اس کو مسلمانوں کا تجارتی شہر (قیروان یعنی کاروان) بنا دیا جائے" چنانچہ اس وقت سے لے کر سنہ ۲۰۶ھ تک یہ بندرگاہ قائم رہی۔ زنگون کی لڑائی میں سنہ ۲۵۶ھ میں یہ تباہ ہو گئی۔ عراق کی دوسری مشہور بندرگاہ بصرہ کے نام سے سنہ ۱۴ھ ہی میں عربوں نے بنائی تھی مگر وہ ابلہ کی تجارتی حیثیت کو فنا نہ کر سکا اور اس کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ بصرہ خالص تجارتی مرکز ہونے کے بجائے عربوں کا جنگی اور سیاسی مرکز زیادہ بن گیا۔ مگر اس پر بھی ہندوستان' چین اور حبشہ کی تجارت کا رخ رفتہ رفتہ ادھر مڑنے لگا اور اس نے سیاسی انقلابات کے باوجود بڑی رونق حاصل کر لی خصوصاً پہلی صدی ہجری کے آخر میں سندھ پر عربوں کے قبضہ ہو جانے کے سبب سے یہ ہندوستان کی آمد و رفت کا مرکز بن گیا۔ کشتیوں اور جہازوں کے داخلہ کا محصول اس قدر بڑھ گیا تھا کہ یہ بغداد کی خلافت کا بڑا مالیہ ہو گیا۔ آخر میں سنہ ۳۰۲ھ میں مقتدر باللہ کے زمانہ میں اس کی سالانہ میزان ۲۲۵۷۵ دینار رہ گئی تھی۔" (عرب و ہند کے تعلقات)

قاضی اطہر مبارک پوری کا بیان ہے۔

"ابلہ قدیم زمانے سے ارض الہند اور فرج الہند والسند کے لقب سے مشہور تھا' حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے جب ۱۴ھ میں ابلہ کو فتح کیا تو اس کی مرکزیت کے بارے میں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو مکتوب لکھا اس میں تحریر تھا:

اما بعد فان اللہ ولہ الحمد فتح علینا الابلۃ وھی مرفی سفن البحر من عمان والبحرین وفارس و الھند والصین

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ابلہ پر فتح دی ہے، یہ مقام عمان، بحرین، فارس، ہندوستان اور چین سے آنے والے جہازوں کی بندرگاہ ہے۔

جب ابلہ کے قریب ۱۴ھ میں بصرہ آباد ہوا تو اس کی تجارتی مرکزیت کی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہاں تجارتی کاروبار کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ حضرت نافع بن حارث بن کلدہ ثقفی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اے امیر المومنین! میں نے بصرہ میں ایک جگہ اپنے لیے گھیر رکھی ہے اور وہاں پر تجارتی کاروبار شروع کر دیا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں ایک سفارش لکھ دی۔"

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

"ابلہ کے بعد ہندوستانی مال کی اہم منڈیاں صحار اور ظفار تھیں۔ ظفار، حضرموت کے مشرق میں واقع تھا۔ یہ قدیم زمانہ سے گرم مسالوں، خوشبوؤں اور عبادت گاہوں کے بخور کی منڈی تھا۔ صحار میں بہت بڑا بازار لگتا تھا جہاں ہندوستانی مال کی وسیع پیمانے پر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ یہاں مدینہ منورہ کی بندرگاہ جار کا ذکر بھی خالی از دلچسپی نہیں ہوگا۔ اطہر مبارکپوری نے لکھا ہے۔

"ابلہ صحار اور عدن کی طرح عرب کے مغربی علاقہ میں بحر احمر کی مشہور قدیم بندرگاہ جار بھی بہت بڑی تجارتی منڈی تھی، یہاں پر مصر اور حبشہ کی طرح بحرین اور مشرق بعید چین تک سے تجارتی جہاز آتے تھے، جار چونکہ مدینہ منورہ کی قریبی بندرگاہ تھی، اس لیے یہاں کا مال مدینہ اور اطراف کی بستیوں میں کثرت سے فروخت ہوتا تھا، خاص شہر مدینہ کے علاوہ اطراف و جوانب میں مالدار یہودیوں کی آبادیاں تھیں اور بازار لگتے تھے۔ اس لیے جار کی بندرگاہ پر بھی ہندوستانی سامان تجارت بہ کثرت آتے تھے۔ مدینہ اور اس کے اطراف کی تجارت بہت

کامیاب تھی۔ اسی لیے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ان میں سے اکثر حضرات نے تجارتی کاروبار شروع کر کے ترقی کی، عرام بن الاصبغ سلمی قدیم ترین عرب جغرافیہ دان گزرا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "اسماء جبال تہامہ وسکانہا و ما فیہا من القریٰ" الخ میں جار کے بارے میں لکھا ہے:۔

والجار علی شاطئی البحر، ترفاالیہ السفن من ارض الحبشہ و مصرو من البحرین والصین و بہا منبر، وھی قریۃ کبیرۃ اھلۃ و شرب اھلھا من البحیرۃ وبالجار قصور کثیرۃ و نصف الجار فی جزیرۃ من البحر و نصفھا علی الساحل و بحذاء الجار جزیرۃ فی البحر تکون میلاً فی میل لا العبر الیھا الا فی السفن، وھی مرفاء الحبشۃ خاصۃ یقال لھا قراف و سکا لھا تجار کنحواھل الجار یوتون بالماء من فرسخین.

جار بحر احمر کی ساحلی بستی ہے یہاں پر حبشہ اور مصر سے اور بحرین اور چین سے جہاز آ کر لگتے ہیں یہاں پر علاقائی سرکاری مرکز ہے، یہ بستی بہت بڑی اور آباد ہے یہاں کے لوگ تالاب سے پینے کا پانی حاصل کرتے ہیں اور جار میں بہت سے قلعہ جات ہیں، جار کی نصف آبادی سمندر کے اندر جزیرہ میں ہے اور نصف آبادی ساحل پر ہے، جار کے محاذات میں سمندر کے اندر ایک اور جزیرہ ہے جو ایک میل لمبا چوڑا ہے، کشتیوں کے ذریعہ وہاں جایا جاتا ہے۔ یہ جزیرہ خاص طور سے حبشہ کے جہازوں کی بندرگاہ ہے۔ اس کو قراف کہتے ہیں یہاں کے باشندے تاجر ہیں جیسا کہ جار کے باشندے تاجر ہیں یہاں کے لوگ دو فرسخ سے پینے کا پانی لاتے ہیں۔

مدینہ کی یہ بندرگاہ قدیم مسافت کے حساب سے مدینہ سے ایک رات ایک دن کی دوری پر واقع ہے۔

غالب گمان ہے کہ مدینہ میں ہندوستان کی جو اشیاء فروخت ہوتی تھیں وہ بحرین سے براہ سمندر جار آتی تھیں کیونکہ ریگستان کے دور دراز راستے کے مقابلے میں یہ آسان تھا۔ جب اس بندرگاہ پر چین تک کے تجارتی جہاز آتے تھے تو عرب اور چین کے درمیان کے ملک

ہندوستان سے تجارتی اشیاء براہ راست یہاں جاتی رہی ہوں گی۔"

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

ان بندرگاہوں اور منڈیوں کے علاوہ اندرون عرب میں بڑے بڑے سالانہ بازار لگتے تھے۔ جن میں ساحلی شہروں اور منڈیوں سے ہندوستان کا سامان تجارت کثرت سے آتا تھا اور اس کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔ بڑے اور اہم بازار تیرہ تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ دومۃ الجندل' صحار' دبا' شحر' رابیہ' حضرموت' ذوالمجاز' خیبر' مشقر' منیٰ' حجر' عکاظ' عدن' صنعاء' علامہ ابوعلی مرزوقی نے کتاب الازمنہ والامکنہ میں اسواق عرب کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ہندوستانی مال کی خرید وفروخت کیلئے دبا کا بازار خاص طور پر مشہور تھا۔ یہ دبا (دبئ) نام کی بندرگاہ کے علاقہ میں لگتا تھا۔ جو ہندوستان کے تجارتی بیڑوں کی بہت بڑی بندرگاہ تھی۔

کتاب الازمنہ والامکنہ میں ہے۔

وکانت احدی فرض الھند یجتمع بھا تجار الھند والسند و الصین و اھل المشرق والمغرب.

دبا ہندوستان کے جہازوں کی بندرگاہ تھی۔ یہاں ہند' سندھ' چین اور اہل مشرق ومغرب کے تاجر اکٹھے ہوتے تھے۔

عدن کا بازار بھی ہندوستانی مال کی بہت بڑی منڈی تھا۔ یہاں کا انتظام ملوک حمیر کے پاس تھا۔ بعد میں یہ انتظام ابنائے فارس کے ہاتھ آ گیا۔ یہاں کے حسن انتظام کا شہرہ فارس اور ہند میں بہت زیادہ تھا۔ کتاب الازمنہ والامکنہ میں لکھا ہے۔

حتیٰ ان تجار البحر لترجع بالطیب المعمول لتفخربه فی السند و الھند و ترتحل به تجار البر الی فارس.

یہاں تک کہ بحری تاجر یہاں کے حسن انتظام کو سندھ وہند میں فخریہ ذکر کرتے اور خشکی کے تاجر فارس میں اس کا چرچا کرتے۔

عرب کے کچھ علاقوں میں ہندوستانی اشیاء اس کثرت سے آتی تھیں کہ وہ علاقے ان ہندوستانی اشیاء کے حوالے سے شہرت پا گئے۔ آہستہ آہستہ لوگوں نے ان اشیاء کو ہند کے بجائے عرب کے ان علاقوں کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

"عرب میں ہندوستانی تجارت کے ان بڑے بڑے مرکزوں کے علاوہ بعض بعض

علاقوں میں ہندوستان کی چیزیں اس قدر مشہور ہو گئی تھیں کہ ان ہی علاقوں کے نام سے منسوب تھیں حالانکہ وہ ہندوستانی ہوتی تھیں۔"

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

آگے لسان العرب کے حوالے سے خطی اور سمہری نیزوں کی تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"مثلاً خطی ان نیزوں کہتے تھے جو ارض خط کی طرف منسوب تھے حالانکہ وہ دراصل ہندوستان کے بید اور بانس سے بنتے تھے۔ خط بحرین اور عمان کے پورے ساحل کو کہتے ہیں جس میں قطیف' عقیر اور قطر جیسے بڑے بڑے علاقے شامل تھے۔ ان علاقوں میں ہندوستان کے بید اور بانس سے بھری ہوئی کشتیاں جاتی تھیں اور ان سے نیزے بنائے جاتے تھے۔ اسی طرح سمہری نیزے جو عرب میں بہت مشہور ہیں وہ بھی اسی علاقہ خط میں تیار ہوتے تھے اور سمہر نامی ایک شخص ان کو ہندوستان کی لکڑیوں سے تیار کر کے فروخت کرتا تھا۔"

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

مشک داری کی تحقیق لسان العرب کے حوالے سے یوں بیان کی ہے۔

"نیز بحرین کے علاقہ میں دارین نام کی ایک مشہور بندرگاہ تھی جہاں کا ہندوستانی مشک سارے عرب میں مشہور تھا' عربی ادبیات واشعار میں مشک دارین اور داری کے نام سے اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ لسان العرب میں خطی نیزے کے بیان کے ضمن میں ہے:۔

کما قالوا مسک دارین ولیس ھنالک ولکنھا مرفا السفن التی تحمل المسک من الھند.

جیسے مشک دارین کہتے ہیں حالانکہ مقام دارین میں مشک نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کشتیوں کی بندرگاہ ہے جو ہندوستان سے مشک لاتی ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا علاقہ خط اور علاقہ دارین ہندوستان کے تجارتی مال کے لیے مشہور تھا اور یہاں پر ہندوستان سے آئے ہوئے بید اور بانس اور مشک اندرون عرب جاتے تھے اور ان کی بھاری مقدار یہاں ہر وقت موجود رہتی تھی۔"

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

عرب تاجر ہندوستان سے کن کن اشیاء کی تجارت کرتے تھے

ہندوستان سے عرب تاجر کون کون سی اشیاء تجارتی دوسرے ملکوں کو لے جاتے تھے اور دوسرے ملکوں کی کونسی چیزیں ہندوستان پہنچاتے تھے اس کی کچھ تفصیل مختلف قدیم کتب کے حوالے سے مولانا عبدالمجید سالک نے اپنی کتاب "مسلم ثقافت ہندوستان میں" میں بیان کی ہے۔ ان کا بیان ہے۔

"ہندوستان سے عرب کون کونسا مال برآمد کرتے تھے' ابوزید سیرانی کے اس بیان سے معلوم ہوگا۔ ہندوستان کے سمندروں میں موتی اور عنبر ملتا ہے۔ اس کے پہاڑوں میں جواہرات اور سونے کی کانیں ہیں۔ اس کے ہاتھیوں کے منہ میں ہاتھی دانت ہے۔ اس کی پیداوار میں آبنوس' بید' عود' کافور' لونگ' جائفل' بقم' صندل اور ہر قسم کی خوشبو کی چیزیں ہوتی ہیں۔ اس کے پرندوں میں طوطے اور مور ہیں اور اس کی زمین کا فضلہ مشک اور زباد ہے (زباد ایک جانور کا پسینہ ہے)۔ اس کے علاوہ دوسرے عرب سیاحوں نے ہندوستان کی اشیائے برآمد کا جو حال لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صندل' کافور' لونگ' جائفل' کباب چینی' ناریل' سن کے کپڑے' روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی' سراندیپ سے یاقوت' موتی' بلور اور سنباذج جس سے جواہرات درست کیے جاتے ہیں۔ ملیبار سے سیاہ مرچ' گجرات سے سیسہ' دکن سے بقم' سندھ سے کٹھ' بانس اور بید' کارومنڈل اور ملیبار کے بیچ میں ایک راس ہیلی ہے۔ اس سے الائچی برآمد ہوتی تھی اور غالباً ہیلا بچی کہلاتی ہوگی جس طرح عود کا نام جو کارومنڈل سے جاتا تھا۔ عربوں نے مندل رکھ دیا۔ اسی طرح مختلف کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اشیاء کے علاوہ نارنگی' لیموں' ریوند چینی' جاوتری' کیلے' دارچینی' توتیا' ساگوان کی لکڑی' تلواریں' کافور' سونٹھ' چھالیہ' ہلیلہ' بلیلہ' بھالوہ' نیل' باریک کپڑا' گینڈے کی کھال اور بے شمار دوسری چیزیں ہندوستان سے برآمد ہوتی ہیں۔ اس کے بدلے میں ہندوستان مصر سے زمرد کی انگوٹھیاں' مرجان' دہنج (ایک قیمتی پتھر)' شراب' روم سے ریشمی کپڑے' سموز' پوستین اور تلواریں' فارس سے گلاب کا عرق' بصرہ سے کھجوریں اور عرب سے گھوڑے منگواتا تھا۔"

عہدِ رسالت میں عرب و ہند کے تعلقات

قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی تصنیف "عرب و ہند عہدِ رسالت میں" میں دورِ رسالت میں ہندیوں اور عربوں کی باہم شناسائی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اپنی تحقیق کا خلاصہ یوں تحریر کیا ہے۔

"سندھ اور ہند عربوں کے نزدیک دو الگ الگ ملک تھے جو ان کے مشرق میں سمندر پار پڑتے تھے۔ سندھ کا ملک ہندوستان' کرمان اور سجستان وغیرہ کی حدود سے گھرا ہوا تھا' اس کے بعد ہندوستان کا ملک پڑتا تھا جو مشرق میں چین کی حدود سے ملتا تھا اور عرب دونوں ملکوں کو ملا کر ہند بھی بولتے تھے جس طرح تاریخ نے اپنے کو دہرایا اور اب پھر ایک ملک ہندوستان کے تقریباً یہی دونوں علاقے بھارت اور پاکستان کے دو نام سے یاد کیے جانے لگے اور دونوں کے لیے جامع لفظ ہندوستان ہے۔

قدیم ترین عرب جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ نے بلادِ سندھ میں ان شہروں کو شمار کیا ہے:
قیقان (کیکان قلات) بنہ (غالباً بنوں) مکران' مید' قندھار (گندھارا) قصدار' بوقان' قندابیل' فنزبور' ارمائیل' دیبل' (قریب کراچی) قنبلی' کنبایا (کھمبائت)' سہبان' سدوسان' راسک' الرور (الور) ساوندری' مولتان' سندان (سنجان' بمبئی) مندل' بیلمان (بھیلمان گجرات) سرست' کیرج' مرمد' قالی (پالی' جوناگڑھ) دہنج (گجرات) بروص (بھڑوچ)۔

واضح رہے کہ ان شہروں کے ناموں میں ترتیب کا التزام نہیں ہے بلکہ صرف ملک سندھ کے تمام شہروں کے نام دیے گئے ہیں' عام طور سے ان حدود کے باشندوں کو عرب سندی کہتے اور کہتے تھے' سندھ شاہانِ فارس کے اثر و اقتدار کے ماتحت یوں رہا کرتا تھا کہ یہاں کے راجے مہاراجے ان کے باج گزار اور فرماں بردار ہوتے تھے اور ضرورت کے وقت وہ یہاں سے فوج کیلئے آدمی بھی لیتے تھے۔ ایران کے بادشاہ اردشیر نے سندھ کے مہاراجوں کو اپنی طرف سے خاص خاص القاب سے بھی نوازا تھا' چنانچہ اس نے قفص شاہ' مکران شاہ' قیقان شاہ' قشمیر ان شاہ سے سندھ کے ان مہاراجوں کو نوازا تھا جو یہاں حکمران تھے اور اس کے

ماتحت تھے اوران میں سے ہرایک اپنے اپنے حلقہ میں ذاتی نام کے بجائے اپنے لقب سے مشہور تھا۔

عربوں کی تقسیم کی رو سے سندھ کے بعد ہندوستان کا ملک آتا تھا جو حدود چین تک چلا گیا تھا اور سندھ و ہند کے درمیان ساحل کی جانب قامہل نامی شہر تھا' یہ مقام غالبًا بیکانیر جیسلمیر یا جوناگڑھ کے اطراف میں کہیں تھا جہاں سندھ اور ہندوستان کی سرحدیں ملتی تھیں' یاقوت حموی نے لکھا ہے:

قامهل مدينة فى اول حدود الهند' وسن صيمور الىٰ قامهل من بلدا لهند و من قامهل الىٰ مكران' والبدهة وما وراء ذلك الىٰ حد الملتان كلها من بلادالسند... وبين المنصورة وقامهل ثمان مراحل و من قامهل الىٰ كنباية نحو اربع مراحل-	قامہل سندھ کے بعد ہندوستان کی شروع سرحد میں واقع ہے اور صیمور سے قامہل تک ہندوستان ہے اور قامہل سے مکران' بدھ اور ملتان کی حد کے پیچھے تک کا پورا علاقہ سندھ میں شامل ہے اور سندھ کے شہر منصورہ اور قامہل کے درمیان آٹھ مرحلہ کا فاصلہ ہے اور قامہل سے کھمبایت تک تقریبًا چار مرحلے ہیں۔

قامہل اور صیمور (بمبئی) کے درمیانی علاقہ سے مراد گجرات ہے جسے یاقوت حموی نے ہندوستان کا علاقہ بتایا ہے اور اس سے آگے کے ساحلی علاقہ کو جس میں کوکن' ملیبار' معبر اور اس کے آگے کلہ' شلاہط (سلہٹ) قمار اور مملکت مہراج وغیرہ شامل ہیں۔ ان کو مراد نہیں لیا ہے۔

ابن خرداذبہ نے ہندوستان کے سواحل اور ان کے اطراف و جوانب کے راجوں' مہاراجوں کے یہ القاب بتائے ہیں: بلہرا' جابہ' طافن' ملک جزر' غابہ' رہمی' ملک قامرون' ملک زانج (الحتب) اور مہراج' فارس کے بادشاہ اردشیر نے ہندوستان کے مہاراجوں کو بھی اپنے لقب سے نوازا تھا چنانچہ یہاں کے ایک راجہ کو ریمان شاہ کا لقب دیا تھا۔

دور رسالت میں عربوں کا تعلق سندھ اور ہند کے ان ساحلی علاقوں سے تھا اور وہ عام طور سے ان مقامات پر آتے جاتے تھے اور یہاں کی اشیاء واشخاص اور اقوام سے اچھی طرح واقف

تھے اوران مقامات کے رہنے والے بھی ذاتی طور سے یا سن سنا کر عربوں سے واقف تھے۔"

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

عرب و ہند کے تجارتی تعلقات اور عرب ہندوستان سے کیا کیا اشیاء لاتے تھے' اس کی تفصیل اطہر مبارکپوری نے کچھ یوں بیان کی ہے۔

"ہندوستان کے مختلف علاقوں سے مختلف قسم کی تجارتی اشیاء عرب جایا کرتی تھیں اور پھر وہاں کے مختلف بازاروں اور دوسرے ملکوں میں جا کر فروخت ہوتی تھیں' ہم ان کی اجمالی فہرست قدیم عرب جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ کی کتاب المسالک والممالک سے پیش کرتے ہیں۔

ابن خرداذبہ نے پہلے اجمالی طور سے بتایا ہے کہ ہندوستان سے ہر قسم کا عود' صندل' کافور' ماخوز' جوزبوا' قرنفل' قاقلہ' کبابہ' نارجیل' نباتاتی کپڑے' روئی کے مخملی کپڑے اور ہاتھی دیار عرب میں جاتے تھے۔ سرندیپ سے ہر قسم اور ہر رنگ کے یاقوت' موتی بلور' سنبادج' ملی اور سنجان (سندان) سے فلفل' کلہ سے رصاص قلعی' جنوب سے بقم اور دارذی یعنی تاڑی اور سندھ سے قسط' بانس اور بید کی لکڑیاں عرب میں بھیجی جاتی تھیں۔

اس کے بعد تفصیل سے جس مقام سے جو چیز جاتی تھی اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ سندھ میں قسط' بانس اور بید ہوتے ہیں۔ دریائے سندھ سے اوتکین تک چار دن کی مسافت ہے۔ اس پورے علاقہ کے پہاڑوں میں بانس کی پیداوار ہوتی ہے۔ سندان میں ساگوان اور بانس ہوتے ہیں' کم کم (کوکن) ساگوان کا ملک ہے' جزیرہ رامی میں گینڈے اور بید پیدا ہوتے ہیں۔ کلہ میں بھی بید کے جنگل ہیں' باقن' سنجلی او کیشکان میں چاول ہوتا ہے۔ کجہ اور لوا میں چاول اور گیہوں دونوں ہوتے ہیں۔ نیز سمندر' بالوس اور قمار میں چاول زیادہ ہوتا ہے۔ مثلًا شلاہط (سلہٹ) میں قرنفل یعنی لونگ ہوتی ہے۔ کامرون وغیرہ سے عود مقام سمندر میں لائی جاتی ہے' سرندیپ کے پہاڑوں پر عود پیدا ہوتی ہے درہمی (بنگال) میں روئی کا مخملی کپڑا اور عود ہندی ہوتا ہے۔ جزیرہ تیومہ' قمار اور صنف میں بھی عود ہوتا ہے۔ عود قماری سے بہتر عود صنفی ہوتی ہے۔ یہ عمدہ اور وزنی ہونے کی وجہ سے پانی پر تیرتی نہیں بلکہ ڈوب جاتی ہے۔ نیز سرندیپ میں

مشک اور زباد ہوتے ہیں' زانج کے پہاڑوں میں کافور ہوتا ہے' تیومہ میں بھی کافور ہوتا ہے اور جزیرہ بالوس کا کافور بہت ہی عمدہ ہوتا ہے۔ سرندیپ میں عطر اور قسم قسم کی خوشبوئیں ہوتی ہیں۔ جابہ عطر کا دیس ہے شلاہط میں صندل اور سنبل ہوتا ہے' کلہ میں رصاص قلعی کی کان ہے' جزیرہ رامی کے باشندے سمندر میں تیر کر اور کشتیوں پر عرب تاجروں کے جہاز تک آتے ہیں اور لوہے کے بدلے عنبر فروخت کرتے ہیں' جزیرہ لنکبالوس کی دولت لوہا ہے' سرندیپ کے پہاڑوں پر اور ان کے اطراف میں ہر قسم اور ہر رنگ کے یاقوت پائے جاتے ہیں اور اس کی وادیوں میں الماس اور پہاڑوں میں عود' فلفل' عطر' خوشبو' مشک' زباد کے جانور' نارجیل اور سنباذج کی کثرت ہے یہاں کے دریاؤں میں بلور ہے اور اطراف کے سمندر سے موتی نکلتے ہیں۔ جزیرہ رامی میں بید' بقم اور سم سامہ پائے جاتے ہیں' اس تریاق کو مسافروں نے سانپ کے زہر میں آزمایا ہے اور نشین میں ہاتھی' چوپائے' بھینسیں اور دیگر اشیاء پائی جاتی ہیں' اس کے آگے ابنیہ میں ہاتھی پایا جاتا ہے۔ رامی میں گینڈا ہوتا ہے' قامرون کے علاقہ میں گینڈا اور سونا بہت زیادہ ہے' زانج کے پہاڑوں میں سانپ اور اژدہے پائے جاتے ہیں۔

عرب جانے والی ہندوستانی اشیاء کی یہ فہرست مکمل نہیں ہے بلکہ مذکورہ اشیاء کے علاوہ بھی بہت سی تجارتی چیزیں یہاں سے جاتی تھیں مثلاً ہندی تلواریں' سندھ سے سندھی کپڑے' سندھی مرغی' پالہ اونٹ (فالج) جس کی نسل سے عرب کا مشہور بختی اونٹ ہوتا ہے' مندل سے عود ہندی' بروص (بھڑوچ) سے بھڑوچی نیزے اور ان کے بانس' کھمبایت اور سندان سے نعال' کنبایتہ یعنی کھمبایت کے جوتے اور نارجیل' تھانہ سے عمدہ کپڑے اور اسی طرح مختلف مقامات کی مختلف چیزیں عرب میں جایا کرتی تھیں۔"

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

سابقہ ادوار میں عرب و ہند کے تعلقات کی جتنی جہتیں مذکور ہوئی ہیں ان کی بنیاد تجارت تھی جو بر و بحر دونوں راستوں سے ہوتی تھی۔ البتہ بحری راستہ ان تعلقات کی کلید و اساس تھا۔ ہند و سندھ خصوصاً سندھ کے لوگوں کے عربوں سے گہرے تعلقات کا ایک اور سبب ان کی ایران سے ہمسائیگی تھی۔ ایرانی عربوں اور ہندیوں دونوں کے ہمسائے تھے۔ ایک طرف وہ

ہندوستان' سندھ اور بلوچستان کے راجوں' مہاراجوں کو اپنے زیر اثر رکھتے تو دوسری طرف عرب کے ساحلی علاقوں پر قبضہ و اقتدار رکھتے تھے۔ چنانچہ بہت سے ہندی خصوصاً سندھ اور بلوچستان سے تعلق رکھنے والے ان کی افواج اور سیاسی و انتظامی مشینری میں شامل ہو کر عرب کے ان ساحلی علاقوں میں آباد تھے جو شاہان فارس کے زیر نگیں ہوا کرتے تھے۔ ان عربی علاقوں میں سندھیوں کا اثر و نفوذ اتنا زیادہ تھا اور ان کی قوت و شوکت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جب حبشیوں نے یمن پر قبضہ کیا تو شہنشاہ ایران نوشیرواں نے وہاں کے عرب حاکم سے دریافت کیا:

ای الاھربۃ الحبشۃ ام السند۔

کون سے اجنبی لوگوں نے (یمن پر) قبضہ جمایا ہے' حبشیوں نے یا سندھیوں نے؟۔

(سیرت ابن ہشام)

سید سلیمان ندوی اس حوالے سے عرب و ہند کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عربوں اور ہندوؤں کے درمیان تعلقات کا ایک اور ذریعہ بھی تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ شہنشاہ ایران کا قبضہ بلوچستان اور سندھ پر اکثر رہا۔ اس قبضہ کے تعلق سے سندھ کے بعض جنگجو قبیلوں کے فوجی دستے ایرانی فوج میں داخل تھے۔ ان جنگجو قبیلوں میں سے دو کا ذکر عربوں نے کیا ہے اور وہ جاٹ اور مید ہیں۔ یہ دونوں سندھ کی مشہور قومیں تھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خاص شکل و صورت کے لوگوں کو دیکھا تھا۔ (یہ جنات تھے حدیث میں اس کی صراحت ہے) جن کی نسبت انہوں نے یہ بتایا کہ "ان کا چہرہ جاٹوں کی طرح تھا"۔ اس سے معلوم ہوگا کہ اہل عرب چھٹی صدی عیسوی میں بھی جاٹوں سے واقف تھے۔ ایرانیوں کو جب شکست ہوئی تو یہ بہادر جاٹ ہوا کا رخ دیکھ کر چند شرطوں کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر سے آ کر مل گئے۔ سپہ سالار اسلام نے ان کی بڑی عزت کی اور ان کو اپنے قبیلوں میں داخل کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے موقع پر بصرہ کا خزانہ انہی جاٹوں کی نگرانی میں چھوڑا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو رومیوں کے مقابلہ کے لیے شام کے ساحلی شہروں میں لے جا کر

بسایا اور ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ میں ان کو انطاکیہ میں لے جا کر آباد کیا"۔

(عرب و ہند کے تعلقات)

اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

"بعثت نبوی کے وقت عرب میں رومی، ایرانی، حبشی اور ہندی اپنے اپنے اثر و اقتدار کے ساتھ موجود تھے۔ ہندوستان کی قومیں اگرچہ عرب میں براہ راست اپنا اثر و اقتدار نہیں رکھتی تھیں مگر مختلف وجوہ سے ان کی حیثیت بلند تھی جس میں بڑا دخل ایرانیوں کے عرب پر قبضہ کو تھا، ایرانی ایک طرف ہندوستان اور سندھ و بلوچستان کے راجوں، مہاراجوں اور یہاں کے لوگوں کو اپنے اثر و اقتدار میں رکھتے تھے اور دوسری طرف عرب کے ساحلی علاقہ میں عراق سے لے کر یمن تک حاکمانہ طاقت رکھتے تھے۔ اس لیے ہندوستانیوں کو عرب کے ان حدود میں ایرانیوں کے توسط سے اقتدار نصیب ہوا اور ایران کی فوج اساورہ میں ہندوستان کے بہت سے آدمی شامل ہو کر عرب میں رہنے لگے، ہندوستان اور عرب کے قدیم ترین تجارتی تعلقات کے بعد ایران کے توسط سے اس حاکمانہ تعلق نے ان میں عرب سے مزید دلچسپی پیدا کی اور یہاں کے لوگ ہندوستانی اشیاء کی تجارت، عرب کے جہازوں اور کشتیوں پر ملازمت اور عرب میں آباد ہو کر وہاں کے اقامت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے جس کے نتیجہ میں عہد رسالت میں عرب کے اندر ہندوستانیوں کی مختلف قومیں اور جماعتیں رہنے لگیں اور ان کو عرب کے باشندے اپنی زبان میں مختلف ناموں سے یاد کرتے تھے چنانچہ عربوں نے اپنے ملک میں آباد ہندوستانیوں کو زط، اساورہ، سیابجہ، احامرہ، مید، بیاسرہ اور تکاکرہ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا، کسی ملک کے آدمیوں کو اتنے زیادہ نام و لقب سے یاد کرنا اس کی صریح دلیل ہے کہ وہاں ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ ہر طرف مشہور تھے، چوں کہ عربوں اور ہندوستانیوں میں بڑی حد تک مذہبی یکجہتی تھی اس لیئے وہ بڑی آسانی سے عربوں کی زندگی میں مل جل گئے"۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

عبدالمجید سالک کا کہنا ہے۔

"سندھ اور ایران ایک دوسرے کے ہمسائے ہیں اور ہمسایہ ملکوں کے درمیان صلح و جنگ دونوں صورتیں پیدا ہوتی ہی رہتی ہیں۔ چنانچہ اسلام سے پہلے کبھی ایرانی لشکر دریائے سندھ تک کا علاقہ فتح کر لیتے اور کبھی سندھ کے راجہ کران کے پہاڑوں تک بڑھ جاتے۔ ظہور اسلام کے بعد ایران کے ایک صوبے کا گورنر ہرمز اپنے جنگی جہازوں کی مدد سے بار بار سندھ کے ساحل پر حملہ آور ہوا اور یہاں سے بے شمار آدمیوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ جو سب کے سب جاٹ تھے کیونکہ سندھی فوج زیادہ تر جاٹوں پر مشتمل تھی۔ جب ایران پر عربوں کا حملہ ہوا تو ایرانیوں نے سندھیوں سے صلح کر لی اور ہرمز نے اپنے ہاں کے جاٹ اسیران جنگ کو مورد عنایات کر کے ایرانی فوج میں بھرتی کر لیا۔ عہد صدیقی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں ایک جنگ ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے جس میں سندھی پاؤں میں زنجیریں باندھ کر ایرانیوں کی فوج میں شریک ہوئے تھے۔ اس جنگ میں خالد بن ولید نے ہرمز کو قتل کر دیا اور ہزاروں جاٹ عربوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اس کے بعد وہ برضا و رغبت مسلمان ہو کر عراق میں زندگی بسر کرنے لگے۔ عرب ان کو زط کہتے تھے۔

جنگ ذات السلاسل کے دو سال بعد ۱۴ ہجری میں قادسیہ کی مشہور جنگ ہوئی۔ یزدجرد شاہ ایران نے اس موقع پر حلیف ملکوں سے بھی امداد طلب کی۔ چنانچہ سندھ میں بھی سفارت بھیجی جس کے جواب میں سندھ کے راجہ نے صرف اپنی فوج ہی نہ بھیجی بلکہ سامان جنگ اور جنگی ہاتھی بھی بھیجے بلکہ اپنی خاص سواری کا سفید ہاتھی بھی روانہ کیا جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک طرف چچ نامہ میں لکھا ہے کہ سندھ کے راجہ کی خاص سواری کا ہاتھی سفید ہوتا تھا اور دوسری طرف جنگ قادسیہ کے ذکر میں یہ آ ہی چکا ہے کہ جنگ کے تیسرے دن فیل سفید جو تمام ہاتھیوں کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ عربوں کے ہاتھوں مارا گیا اور پھر باقی ہاتھیوں کو بھگانا اور سپہ سالار رستم کو ہلاک کرنا مسلمانوں کیلئے آسان ہو گیا"۔ (مسلم ثقافت ہندوستان میں)

ان اقتباسات سے خوب واضح ہو جاتا ہے کہ عرب میں ایرانیوں کی وساطت سے ہندی اقوام زمانہ قدیم سے آباد تھیں اور عمل دخل رکھتی تھیں۔ یہ حوالے اگرچہ اس حقیقت کو قدرے اجمالاً بیان کر رہے ہیں مگر ہم آگے چل کر اس موضوع پر زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

☆☆☆

باب دوم

ظہورِ اسلام کے وقت ہند کی حالت

قدیم ہند کا المیہ

قدیم ہند اور اس کے باشندوں کا یہ المیہ رہا ہے کہ ایک لمبے عرصہ تک انسانی تاریخ کے محققین ہند کو زمانہ ماقبل تاریخ میں غیر متمدن اور غیر مہذب حبشی اقوام کا ملک قرار دیتے رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے قدیم باشندے جنگلوں میں درندوں' حیوانوں اور جانوروں جیسی زندگی گزارتے تھے۔ حالانکہ تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ انسانی تاریخ کے کسی بھی دور میں کوئی بھی قوم وحشیانہ زندگی اور حیوانوں اور درندوں جیسے طور اطوار اپنا سکتی ہے اس حوالے سے موجودہ متمدن یورپ کے وہ لوگ جو اپنے بوڑھے والدین کو Happy Death یعنی خوش گوار موت کے نام پر زہر کا ٹیکہ لگوا کر مار ڈالتے ہیں زمانہ قدیم میں دریائے سندھ کے کنارے آباد ان جنگلی اور وحشی لوگوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ جو اپنے بوڑھے والدین کو بیمار ہو جانے پر خود ہی کھا جاتے تھے۔ فرانسیسی مستشرق لی بان ہندوستان کے یورپ سے قدیم تعلقات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے دارا ابن ہستاسب کے ذیلی عنوان کے تحت لکھتا ہے۔

"قدیم اقوام میں سب سے پہلے ایرانیوں نے ہند سے تعلقات پیدا کیے۔ ہرودوط جس کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح ہے۔ (ہرودوط کا زمانہ چار ہزار قبل مسیح ہے۔) لکھتا ہے کہ دارا ابن ہستاسب نے اس امر کے دریافت کرنے کیلئے کہ سندھ کی ندی کس سمندر میں گرتی ہے اپنے ایک سپہ سالار اسکائی لارکس کو ہندوستان بھیجا۔ یہ اٹک کے قریب سندھ کی ندی میں سے ہوتا ہوا سمندر تک پہنچا اور پھر مغرب کی طرف سے تیرہ مہینہ کی جہاز رانی کے بعد بحر احمر تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد دارا نے اسی راستے سے آ کر شمالی ہند کو فتح کیا لیکن جن ہندوؤں کا ذکر ہرودوط کرتا ہے اور جن کے متعلق خط پیکانی کتبوں میں یہ لکھا ہے کہ شہنشاہ ایران کو خراج دیتے تھے۔ فی الواقع وہ وحشی اقوام تھیں جو دریائے سندھ کے قرب و جوار میں بسی ہوئی تھیں۔ ان کی نسبت ہرودوط لکھتا ہے کہ جب ان کے والدین بیمار ہوتے تو یہ انہیں کھا جایا کرتے تھے اور مثل حیوانات کے اپنی عورتوں کے ساتھ کھلے طور پر مباشرت کرتے تھے۔" (تمدن ہند)

پاک و ہند کی ان وحشی اور غیر متمدن اقوام کی دوسری غیر انسانی صفت جو ہرودوط کے حوالے سے لی بان نے ذکر کی ہے یعنی اپنی عورتوں سے کھلے بندوں مباشرت کرنا۔ آج کے مہذب یورپ میں کسی وباء کی طرح عام ہے۔ انتہائی افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ یورپ اپنی ایسی بدخصلتوں کو پوری دنیا میں عام کرنا چاہتا ہے اور جو قومیں یا طبقے اس کی ایسی غیر انسانی خصلتوں کو اپنانے کیلئے تیار نہیں انہیں غیر مہذب ہونے کا طعنہ دیتا ہے۔ یہ ثابت کرنے کیلئے کہ انسانی تاریخ کے کسی بھی دور میں کوئی بھی قوم وحشیانہ زندگی اپنا سکتی ہے۔ موجودہ یورپ کی خصلتوں اور حالتوں کا مطالعہ کافی ہے۔ کچھ آگے چل کر ہم یہ دکھائیں گے کہ برصغیر پاک و ہند خاص طور پر موجودہ پاکستان کے علاقوں میں تین ہزار سال قبل مسیح کے آغاز میں ایک ایسا عظیم تمدن تھا جسے بجا طور پر جدید یورپی تمدن کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جس طرح زمانہ ماقبل تاریخ میں وہ وحشی اقوام جن کا ذکر ہرودوط نے کیا ہے برصغیر میں تھیں' تو اسی دور میں یہاں ایسی متمدن قومیں بھی تھیں جن کا تمدن کسی بھی اعلیٰ تمدن سے فائق نظر آتا ہے۔

بہرحال برصغیر پاک و ہند کے قدیم باشندوں کے بارے میں انسانی تاریخ و تمدن پر کام کرنے والے محقق اکثر اسی غلط مفروضے پر چلتے رہے ہیں کہ برصغیر میں تہذیب و تمدن کا آغاز آریوں کے یہاں آنے کے بعد ہوا۔ اس سے پہلے کا دور جو قبل تاریخ کا تاریک زمانہ ہے ان کے خیال میں اس وقت برصغیر میں ایسے وحشی قبائل رہتے تھے جو حبشیوں کی مانند تھے۔

تہذیب و شائستگی ان کے قریب سے نہ گزری تھی۔ انہوں نے تمدن کا کبھی ابتدائی درجہ بھی عبور نہ کیا تھا۔ فرانسیسی مستشرق لی بان جس کی تصنیف تمدن ہند (اردو ترجمہ کا نام) برصغیر سے متعلق معلومات کے حوالے سے یورپ میں بڑی مقبول رہی ہے۔ قدیم ہند کے حوالے سے اس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

"ہند کے قدیم باشندے سیاہ فام تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم الایام سے ان کی دو تقسیمیں تھیں۔ ایک حبشی وش جن کے بال اونی اور چہرے چپٹے تھے یہ مشرق اور وسط میں رہتے تھے اور دوسرے آسٹریلیا کے حبشیوں کی قسم میں سے تھے قد آور اور زیادہ ہوشمند اور ان کے بال لمبے تھے۔ یہ جنوب اور مشرق میں بود و باش رکھتے تھے۔ ان میں سے پہلی قوم اس وقت تک گونڈوانہ کے پہاڑوں میں موجود ہے اور دوسری نیلگیری کی وادیوں میں۔ یہ قدیم اور وحشی اقوام جو کبھی ابتدائی تعلیم کے درجے تک بھی نہیں پہنچی، تاریخی زمانے کے پہلے سے ہند کے ساحلی جنگلوں میں رہا کرتی تھیں اور جیوں جیوں ملک میں تمدن ترقی کرتا گیا۔ یہ تدریج مفقود ہوتی گئیں۔"

لی بان اور اس قبیل کے دیگر مستشرقوں کے یہ خیالات، اوہامات اور مفروضات سے زیادہ درجہ نہیں رکھتے۔ ان کے پاس اپنے ان خیالات کیلئے کوئی ٹھوس شہادت نہیں۔ یہ صرف بے بنیاد اندازے اور قیاس ہیں جو انھوں نے خود قائم کر لئے یا اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں سے نقل کر کے بیان کر دیئے۔ اگر لی بان کی اس تصنیف تمدن ہند کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اس کی اپنی کتاب سے اس کے ان خیالات کا ابطال ہو جاتا ہے۔ چنانچہ "اقوام دراویڈ کی خصائص" کے عنوان کے تحت برصغیر کے قدیم باشندے جنہیں مستشرق دراوڑ کا نام دیتے ہیں کے خصائص بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"باوجود اس کے کہ ان دراویڈ اور پروٹو دراویڈ اقوام میں بے انتہا اختلافات ہیں تاہم بعض خصائص ان سب میں عام ہیں مثلاً جلد کا رنگ، بالوں کی کمی اور اس کی سیاہی اور چکنائی، ناک کی موٹائی اور نتھنوں کا پھولا ہونا، قد کی پستی اور کھوپڑی کی لمبائی۔ یہ تو جسمانی خصائص ہیں اور روحانی خصائص میں ان کی پست اعتقادی، پوچ لچر چیزوں کو ماننا اور ذات پرستی ہے جو

ان میں غالباً آریہ اقوام کے ہندوستان میں آنے کے قبل سے موجود ہے۔ رامائن میں جو ان اقوام کا بیان ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آریہ اقوام نے ان پر حملہ کیا تو دراویڈوں میں ایک درجے تک تمدن اور شائستگی موجود تھی۔ یہ فلزات کو کام میں لاتے تھے اور کشتیاں، کپڑا اور مٹی کے برتن بنانا جانتے تھے اور ان میں لکھنے کا فن بھی تھا۔"

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ ذات پرستی برصغیر میں پہلے سے تھی اور رامائن کا حوالہ بتا رہا ہے کہ ان میں زیورات سازی اور دیگر اہم صنعتیں موجود تھیں جو ان کے متمدن ہونے کا کافی ثبوت ہیں۔ یقیناً ان کا تمدن جتنا رامائن میں لکھا ہے اس سے کہیں اعلیٰ تھا کیونکہ آریہ ادب میں ان لوگوں کے بارے میں پائے جانے والے حوالہ جات عموماً منفی ہیں اور اکثر و بیشتر انہیں وحشی و غیر متمدن دکھایا گیا ہے۔

جغرافیے کے بیان میں معدنیات کے عنوان کے تحت لوہے کے متعلق لکھا ہے۔

"لوہا بھی ہند میں بکثرت ہے اور عمدہ قسم کی کانیں سیلم میں ہیں جو صوبہ مدراس میں واقع ہوا ہے۔ زمانہ قدیم سے ملک کے باشندے لوہا بنانے سے واقف تھے اور پرانی یادگاروں میں لوہے کے بنے ہوئے دروازے ملے ہیں جن کا زمانہ بہت ہی قدیم ہے اور ثابت کرتا ہے کہ انسان کے وجود سے تھوڑے ہی دنوں بعد یہ حرفت ہند میں شروع ہو گئی تھی۔ اس وقت تک بھی دیسی چھوٹی چھوٹی بھٹیوں میں کوئلے کے ذریعے سے لوہا بناتے ہیں۔"

(تمدن ہند)

لی بان کی اس آثار یاتی و مشاہداتی تحقیق کے مطابق لوہے کا صنعتی دھات کے طور پر مختلف النوع استعمال انسان کے وجود میں آنے کے بعد سے ہند میں جاری ہے۔ کیا ایک غیر متمدن، وحشی قوم جو جنگلی جانوروں اور درندوں جیسی زندگی بسر کرتی ہو۔ ایسی صنعت کی متحمل ہو سکتی ہے جو صرف اعلیٰ متمدن معاشروں میں پائی جاتی ہو۔ ایک دوسرے مقام پر لی بان نے برصغیر کے لوگوں کی فولاد سازی اور اس سے مختلف اشیاء تیار کرنے کی قدیم صنعت اور یورپ میں لوہے سے اشیاء تیار کرنے کی جدید صنعت کا تقابل کیا ہے اور برصغیر کے لوگوں کی قدیم صنعت کو زیادہ قابل ستائش ٹھہرایا ہے۔" حرفتی فنون۔ لکڑی اور فلزات کا کام، جواہرات کی

صنعتیں" کے عنوان کے تحت لی بان ہندیوں کی فولاد کی صنعت جو اس کے اپنے الفاظ کے مطابق انسان کے وجود میں آنے کے کچھ عرصہ بعد سے ہند میں پائی جاتی تھی، کی توصیف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"ہندو دستکاری صرف سونے، تانبے اور کانسی ہی تک محدود نہیں ہے۔ لوہے کی دستکاری بھی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ ہمیں اس لوہے کی لاٹ سے ہو سکتا ہے جو قطب کی مسجد کے اندر واقع ہوئی ہے اور راجہ دھو کے عہد کی ہے۔ یہ چوتھی صدی عیسوی میں بنی تھی حالانکہ یورپ میں تھوڑے ہی زمانے سے اور وہ بھی پیچیدہ کلوں کے استعمال سے اتنی بڑی فلزی اشیاء کا ڈھالنا ممکن ہوا ہے۔"
(تمدن ہند)

حقیقت یہ ہے کہ کرہ ارض پر جب سے انسان آیا ہے اپنے ساتھ تہذیب و تمدن بھی لے کر آیا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس تہذیب و تمدن کو وہ ترقی دیتا رہا ہے۔ کرہ ارض پر نسل انسانی کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔ وہ اور ان کی بیوی حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت سے زمین پر تشریف لائے۔ ان دونوں سے نسل انسانی چلی۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان بھی تھے اور پہلے نبی بھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعے وہ تمام علوم و فنون حرفے اور پیشے سکھائے تھے انسانی تمدن کے قیام کیلئے ابتداء جن کی ضرورت تھی۔ انہوں نے وہ تمام پیشے، حرفے اور علوم و فنون اپنی اولاد کو سکھائے۔ پھر اپنی اولاد کو زمین کے مختلف خطوں میں پھیلا دیا اور آباد کر دیا۔ ان کی اولاد شہری تمدن کی حامل تھی۔ ایک ایسا تمدن جو وحی الٰہی کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔ چنانچہ ابتدائی انسان متمدن تھا۔ پھر جو افراد مختلف اسباب کی بناء پر اس تمدن سے کٹ گئے یا انہیں جرموں کی پاداش، منفی سرگرمیوں اور دیگر اسباب کی بنیاد پر تمدن سے خارج کر دیا گیا۔ وہ دور دراز جنگلوں، بیابانوں، پہاڑوں کی گھاٹیوں اور ریگستانوں میں جا بسے۔ یوں شہری تمدن کے ساتھ ساتھ وحشی تمدن کی بنیاد بھی پڑ گئی جو جنگلوں، بیابانوں، پہاڑوں کی گھاٹیوں اور دور افتادہ بے آباد علاقوں میں پروان چڑھتا رہا۔ جس سے وحشی قومیں اور قبیلے پیدا ہوئے جو درندوں اور جانوروں جیسی زندگی گزارنے لگے۔ اس طرح کرہ ارض پر ہر دور میں انسانوں کے یہ دونوں گروہ انسانی آبادی والے بڑے بڑے خطوں میں موجود رہے،

متمدن بھی اور وحشی بھی۔ مگر انسانی فطرت چونکہ بنیادی طور پر تمدن پسند ہے اس لئے متمدن اقوام تمدن میں ترقی کے مدارج طے کرتی رہیں اور وحشی قومیں آہستہ آہستہ ابتدائی تمدن کی طرف آتی رہیں۔ تاریخ انسانی میں بہت دفعہ ایسا بھی ہوا کہ متمدن اقوام کسی حادثہ کی بنا پر محروم تمدن ہو کر وحشی طور اطوار پر یا تمدن کے بالکل ابتدائی مدارج پر چلی گئیں اور وحشی اقوام مختلف اسباب سے ہمکنار تمدن ہو کر متمدن بن گئیں۔ جیسے تاریخ کے کسی موڑ پر جز پہ تمدن کی وارث اقوام وحشی آریوں کے حملوں یا دیگر حوادث و انقلابات سے یا وحشی بن گئیں یا بالکل ہی بے نام و نشان ہو کے رہ گئیں۔ جبکہ تاریخ عالم نے یہ طرفہ تماشہ بھی دیکھا کہ عرب مسلمانوں کے سپین جانے کی برکت سے وحشی یورپ تاریخ انسانی کے اعلیٰ تمدن کا وارث بن گیا۔

لی بان کا یہ کہنا کہ انسان کے وجود میں آنے کے کچھ عرصہ بعد سے ہند میں فولاد سازی اور اس کی ڈھلائی سے مختلف اشیاء بنانے کی صنعت موجود رہی ہے اگرچہ یہ اس کا ایک اندازہ ہے مگر حقیقت کے قریب تر ہے کیونکہ اسلامی روایات میں یہ حقیقت صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں تشریف لائے تھے۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق وہ زمین کے جس حصہ پر اترے تھے وہ سرزمین ہند یعنی برصغیر پاک و ہند ہی کا ایک علاقہ تھا۔ بہرکیف حضرت آدم علیہ السلام کا برصغیر پاک و ہند میں تشریف لانا ایک ثابت شدہ امر ہے۔ یقیناً انہوں نے یہاں اپنی اولاد کو بھی آباد کیا ہوگا بلکہ آپ کی اولاد کا ایک بڑا حصہ یہاں آباد ہوا ہوگا اور ایک بڑا گروہ چین میں۔ کیونکہ یہ دونوں ہمسایہ ملک ہمیشہ سے دنیا کی تقریباً آدھی انسانی آبادی کے امین رہے ہیں۔ خصوصاً برصغیر پاک و ہند کہ یہ ہمیشہ سے اپنے قدرتی وسائل کی بناء پر مخلوق خدا کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بچھائے گئے۔ میزبانی کے دسترخوان کی حیثیت سے رہا ہے۔

یہاں چونکہ لوہے کی بہتات تھی اس لئے اغلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کردہ نبویانہ علوم کی بناء پر برصغیر میں آباد ہونے والی اپنی اولاد کو فولاد بنانا اور اس سے مختلف اشیاء تیار کرنا سکھایا ہوگا۔ چنانچہ یہاں پر آباد ابتدائی انسانوں نے انسانیت کے وجود میں آنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سے فولاد سازی اور اس سے اشیاء بنانے کا آغاز

کر دیا ہوگا اور اس میں ان کا اختصاص رہا ہوگا۔ دیگر خطہ ہائے ارض میں آباد بڑی بڑی انسانی معاشرتیں ان کی فولاد کی اس صنعت سے استفادہ بھی کرتی رہی ہوں گی۔ چنانچہ ہمیں تاریخ کے ہر دور میں دنیا کے تمام ممالک میں ہندی فولاد اس سے بنی اشیاء خاص طور پر تلواروں اور دیگر ہتھیاروں کی شہرت سنائی دیتی ہے۔ شرق و غرب میں ہر زمانے میں ہند کے بنے ہتھیاروں اور تلواروں نے اپنا لوہا منوایا ہے۔

لی بان لکھتا ہے۔ "ہندو صنعتوں میں فولادی ہتھیار اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ نہ صرف ان کی ساخت باریک اور پچی کاری عمدہ ہے بلکہ ان کا فولاد بھی اعلیٰ درجہ کا ہے اور قدیم زمانہ سے یہ مشہور و معروف ہے۔ ڈاکٹر برڈووڈ کی رائے ہے کہ دمشق کے تیغے جو پرانے زمانے میں اس قدر مشہور تھے۔ ہند کے فولاد سے بنتے تھے۔ ہند کے فولاد کی تعریف یونانیوں نے بھی کی ہے اور سب سے عمدہ قسم کا فولاد مقناطیسی لوہے سے بنتا ہے۔" (تمدن ہند)

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ہند پر لکھنے والوں کا یہ نظریہ کہ یہاں ماقبل تاریخ دور میں وحشی قبائل کا دور دورہ تھا اور آریاؤں کے آنے سے پہلے یہاں تہذیب و تمدن نے کبھی جنم نہ لیا تھا۔ محض ایک مفروضہ، وہمہ، اندازہ اور بے بنیاد قیاس ہے۔

زمانہ ماقبل تاریخ میں برصغیر پاک و ہند اعلیٰ تہذیب و تمدن کا حامل تھا

۱۹۲۰ء میں آثار قدیمہ کی سروے سوسائٹی آف انڈیا نے ہڑپہ (پنجاب) اور بعد ازاں موہنجو داڑو (سندھ) میں جو کھدائی کروائی اس نے ماضی میں ہند پر لکھنے والوں کے سارے مفروضے غلط ثابت کر دیئے۔ اس کھدائی کے نتیجہ میں ہونے والے انکشافات نے پاک و ہند پر کام کرنے والے مؤرخین کے ذہن کا رخ بدل دیا ہے۔

کھدائی سے جو کھنڈرات ملے ہیں ان سے برصغیر پاک و ہند کی ہزاروں سال پہلے کی جو تصویر سامنے آتی ہے اس کے مطابق قدیم برصغیر پاک و ہند میں آباد لوگ بڑے جفاکش، محنتی، ہنر مند اور اعلیٰ تہذیب و تمدن کے حامل تھے۔ ان کی تہذیب کے نشانات پانچ ہزار سال سے بھی زیادہ پرانے ہیں۔ ان کی تہذیب اس قدر اعلیٰ تھی کہ اسے بجا طور پر جدید تہذیب و تمدن

کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ گرولیئر انسائیکلو پیڈیا مطبوعہ امریکہ میں انڈیا کے عنوان کے تحت برصغیر کے قدیم حالات پر یوں روشنی ڈالی گئی ہے۔

"ملی میں ڈلن بہت سے شہروں کی دریافت جو سندھ میں موہنجو داڑو اور پنجاب میں ہڑپہ کے مقام پر ہوئی ہے اس نے ہندوستان کی تاریخ کو ۲۵۰۰ ق م پر پہنچا دیا ہے۔ یہ یقین سے کہا جاتا ہے کہ سندھ کی وادی کے وسیع علاقہ میں پانچ ہزار سال پہلے سے تہذیب کی روشنی موجود تھی جو مصر، سومر (نینوا) کی تہذیبوں کی ہم عصر تھی"

سرجان مارشل جن کی زیر نگرانی ان شہروں کی کھدائی مکمل ہوئی کا کہنا ہے کہ "اکثر گھروں میں کنوؤں اور غسل خانوں کے آثار موجود ہیں نیز گندے پانی کی نکاسی کا بہترین نظام پایا گیا ہے اس سے وہاں کے باشندوں کی معاشرت کا پتہ چلتا ہے جو یقیناً ان کی ہم عصر تہذیبوں بابل اور مصر میں پائی جاتی تھی۔ موہنجو داڑو میں گھریلو برتن رنگین نقوش والے ظروف، شطرنج کے مہرے اور سکے ملے ہیں جو آج تک دریافت ہونے والے سکوں میں قدیم ترین ہیں۔ یہاں بہترین قسم کے ایسے برتن بھی ہیں جن پر اعلیٰ پائے کے نقش و نگار ہیں۔ دو پہیوں والی گاڑی ہے، سونے چاندی اور جواہرات کے زیورات ہیں جو بڑی عمدگی سے بنائے گئے ہیں اور ان پر کی گئی پالش بڑی عمدہ ہے۔ جو موجودہ دور کے بہترین زیورات جیسی ہے۔ ان کی بناوٹ اور چمک دمک دیکھ کر بالکل پتہ نہیں چلتا کہ وہ پانچ ہزار سال قبل زمانہ تاریخ کے ہیں۔ زراعت یہاں کے لوگوں کا اہم پیشہ تھا۔ آبپاشی کا بہترین نظام تھا، موہنجو داڑو صنعت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں کی ساختہ چیزیں باہر بھیجی جاتی تھیں۔ دستکاروں کے آلات صنعت حیران کن ہیں یہاں پارچہ باف بہترین قسم کا کپڑا بناتے تھے جو بابل اور ایشیا کے دوسرے معروف شہروں میں بھیجا جاتا تھا۔ شہروں کے آباد کرنے کے طریقے بلدیہ کے نظام کی عمدگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ صفائی اور حفظان صحت کے انتظامات دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ موہنجو داڑو مستطیل شکل پر تھا۔ گلیاں بہت وسیع اور سیدھی تھیں جو شمال سے جنوب کی طرف بنائی گئی تھیں۔ دوسری بڑی گلیوں کے ساتھ متوازی تھیں چھوٹی گلیاں بڑی سڑک سے قائمہ زاویہ پر نکالی گئی تھیں، بالکل جدید امریکہ کی طرح۔ بڑی گلیاں تینتیس فٹ چوڑی اور چھوٹی اٹھارہ

نٹ چوڑی ہوتی تھیں۔ فالتو پانی کے اخراج کیلئے نالیاں تھیں جن کو اینٹوں سے ڈھانپا گیا تھا۔ صفائی کیلئے مناسب مقامات پر سوراخ تھے۔ موہنجوداڑو میں پانی کے نکاس کا نظام انیسویں صدی کے یورپ کے تمام نظاموں سے بہتر تھا۔ موہنجوداڑو کے رہنے والے موسیقی اور رقص سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ سانڈوں اور مرغوں کی لڑائی نیز شکاری کتوں کے ساتھ جانوروں کا شکار کھیلنا ان کی بہترین تفریح تھی۔"

(گرولیئر انسائیکلو پیڈیا)

"گوتم بدھ: راج محل سے جنگل تک" از کرشن کمار ترتیب و ترمیم خالد ارمان کے دوسرے حصہ کے پہلے باب میں "ہڑپہ کا شہری تمدن" کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

"سندھ کی تہذیب ماہرین آثار قدیمہ میں ہڑپہ تمدن کی حیثیت سے معروف ہے۔ ہڑپہ حالیہ نام ہے ان دو شہروں میں سے ایک کا جو کہ پنجاب میں دریائے راوی کے بائیں ساحل پر واقع ہے۔ دوسرا شہر موہن جوڈارو دریائے سندھ کے داہنے ساحل پر اس کے منبع سے کوئی ڈھائی سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ان دو شہروں کے علاوہ بہت سے چھوٹے چھوٹے شہر بھی ہیں اور متعدد گاؤں بھی ہیں جو دریائے ستلج کے بالائی حصے روپڑ سے لے کر گجرات میں رنگ پور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے ہڑپہ کے شہری تمدن کی گرفت میں شمال سے لے کر جنوب تک تقریباً ساڑھے نو سو میل کا رقبہ تھا۔"

"مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا" از لیوس مور (مترجم یاسر جواد، سعدیہ جواد) میں قبل از زمانہ تاریخ کے ہند کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے۔

"۱۹۲۰ء سے پہلے قبل از آریائی لوگوں کے بارے میں معلومات کا واحد ذریعہ ابتدائی ہندومت کا ویدی ادب تھا۔ چونکہ یہ آریاؤں کا مذہبی ادب تھا اس لئے ہندوستان کے مقامی لوگوں اور ان کے مذہب کے بارے میں حوالہ جات بنیادی طور پر منفی تھے اور لوگوں کو غیر مہذب اور وحشی کے طور پر پیش کیا گیا۔ تاہم ۱۹۲۰ء میں وادیٔ سندھ میں آثار یاتی کھدائی عمل میں آئی اور کم از کم دو قبل از آریائی شہر دریافت ہوئے۔ وید میں پیش کئے جانے والے تصور کے برعکس یہ کھدائی بتاتی ہے کہ 2600 قبل مسیح میں وادی سندھ میں اعلیٰ ترقی یافتہ تہذیب موجود تھی۔ شہروں میں نالیوں کے انتظام کے ساتھ بہت اچھی گلیاں تھیں۔ انہیں

اردگرد کی جدید زرعی برادریاں خوراک فراہم کرتی تھیں اور ان قبل از آریائی لوگوں کے پاس تحریری زبان موجود تھی۔ بدقسمتی سے ابھی تک اس زبان کا ترجمہ نہیں کیا گیا اور ان لوگوں کی زندگی اور مذہب سے متعلق معلومات کا ایک وسیع خزانہ پوشیدہ ہے۔

ہم قبل از آریائی لوگوں کے مذہب کے بارے میں جو کچھ جانتے ہیں وہ ماہرین آثاریات کو ملنے والے بہت سے مجسموں اور تعویذوں سے پتا چلتا ہے۔ ان میں سے بہت سے اس شبیہ کو ظاہر کرتے ہیں جنہیں زرخیزی کے دیوتاؤں اور دیویوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان میں کچھ جسم کنول آسن میں بیٹھے ہوئے ہیں جسے بعد میں یوگا' ہندومت اور دیگر فرقوں نے اختیار کر لیا لہٰذا اندازہ ہے کہ بربریت سے کہیں دور' قبل از آریائی لوگ نہایت مہذب شہروں میں بسنے والے لوگ تھے اور یہ کہ بعد کے ہندومت نے اپنے کچھ دیوتا اور دستور اسی ابتدائی عرصہ سے حاصل کئے ہیں۔"

مذہبی لحاظ سے یہ لوگ بت پرست تھے۔ مونث دیویوں کی پوجا کرتے تھے۔ مردوں کو جلاتے تھے۔ عقیدۂ تناسخ یعنی آواگون کے قائل تھے۔ ان کے شہر بڑے بڑے اور اعلیٰ تمدن کے حامل تھے مگر ان کے بہت سے قبائل خانہ بدوشی کی زندگی بھی بسر کرتے تھے۔

"گوتم بدھ: راج محل سے جنگل تک" کے دوسرے حصہ کے دوسرے باب میں لکھا ہے۔

"ہندوستان کے قدیم ترین مہذب باشندے ایک دیوی ماتا اور زرخیزی کے دیوتا کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ان کے مقدس درخت اور جانور ہوتے تھے۔ ان لوگوں کی مذہبی زندگی میں اشنان بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ ہڑپہ کے لوگوں کے مذہب کے بارے میں 80 سے زائد باتیں کہی اور لکھی گئی ہیں لیکن قابل فہم کتب کی عدم موجودگی میں اس مذہب کی مزید تعریف و توجیہ کی کوشش محض خیال آرائی ہی ہے۔ ہڑپہ کے لوگوں کے مذہب کی بعض خصوصیات عہد مابعد میں ایک دوسری شکل میں نمودار ہوئیں اور ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مذہب کبھی بھی ختم نہیں ہوا بلکہ کمتر درجہ کے لوگ اس پر عمل کرتے رہے اور اس میں دیگر معتقدات اور فرقوں سے روابط کی وجہ سے تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اتنی قوت فراہم کر لی کہ دوبارہ نمودار ہو گیا اور زیادہ تر ہندوستان کے آریائی حکمرانوں کے مذہب پر اس کو غلبہ حاصل

ہو گیا۔"

اوپر دیئے گئے اقتباسات سے ہند کے تہذیب وتمدن کے پانچ ہزار سال سے بھی زیادہ قدیم ہونے کا پتہ چلتا ہے مگر جدید تحقیقات سے شمالی ہند جہاں ملک پاکستان قائم ہے کے مشہور زمانہ زرخیز وشاداب خطہ پنجاب میں بہنے والے سوان نامی چھوٹے سے خوبصورت دریا کے کنارے دریافت ہونے والے آثار نے برصغیر پاک وہند میں انسانی تہذیب وتمدن کو ماہرین کے مطابق لاکھوں سال زمانہ ماقبل تاریخ پر پہنچا دیا ہے۔اس تمدن کو سوان تمدن کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ آثار کتنے پرانے ہیں تاہم ان آثار کی دریافت سے یہ امر ایک ناقابل تردید حقیقت بن گیا ہے کہ برصغیر پاک وہند میں تہذیب وتمدن اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود انسان۔

"گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک" کے دوسرے حصے کے پہلے باب میں ہندوستان کا ابتدائی انسان کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

"زمانہ ماقبل تاریخ کے یورپ کی طرح شمالی ہند کو بھی برفانی ادوار سے گزرنا پڑا اور دوسرے برفانی دور کے بعد چار لاکھ سال قبل مسیح اور دو لاکھ سال قبل مسیح کے درمیان ہمیں ہندوستان میں انسان کی زندگی کے آثار دستیاب ہوتے ہیں یہ آثار سوان (Soan) تمدن کے سنگی دور کے پتھر کے بنے ہوئے اوزار ہیں۔اس تمدن کو یہ نام اس چھوٹے سے دریا کی وجہ سے دیا گیا جو پنجاب میں ہے جہاں کہ یہ آثار بکثرت پائے جاتے ہیں۔اپنی ساخت کے اعتبار سے یہ اوزار قدیم دنیا یعنی انگلستان سے لے کر افریقہ اور چین تک کے اوزاروں سے مشابہت رکھتے ہیں۔"

آریا قبائل کی آمد

آریا قبائل اپنے اصلی وطن جو غالباً وسطی ایشیا تھا سے نقل مکانی کر کے کوہ ہندوکش کے دروں سے گزرتے ہوئے ہندوستان میں فروکش ہوئے جہاں سندھ ساگر کے وسیع وعریض میدانوں نے اپنا زرخیز دامن پھیلا کر انہیں خوش آمدید کہا۔آریا لوگوں کا اپنا وطن شاید ان کی

بھوک مٹانے کے قابل نہ تھا۔اس لیے وہ اپنی بانجھ زمینوں کو چھوڑ کر ہند کی زرخیز زمینوں کی گود میں پناہ گزین ہوئے۔تاریخ آریاؤں کی بہادری وشجاعت کے قصیدوں سے اٹی پڑی ہے دوسری طرف تاریخ پر ایک عام نظر ڈالنے سے ہند کے قدیم باشندوں کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے وہ ایک ایسی قوم کی تصویر ہے جس کے افراد پست ہمت، تخلیقی صلاحیتوں سے عاری، غلامی کے خوگر...... اور بزدل وکم نگاہ ہیں جبکہ قرائن وشواہد عام تاریخی کتابوں میں پیش کردہ اس تصویر کے بالکل برعکس ہیں۔ہندوستان کے قدیم باشندوں کے شہروں کے کھنڈرات کے مطالعہ نے دنیا کو یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ لوگ انتہائی جفاکش، محنتی، مہذب، متمدن، ذہین اور بہادر وشجاع تھے۔ان کی محنت، ذہانت وفطانت اور اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ان کی تہذیب وتمدن کے وہ زندہ نشانات ہیں جنہوں نے جدید دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔جبکہ ان کی بہادری وشجاعت کا سب سے بڑا ثبوت یہ حقیقت ہے کہ آریا قبائل حملہ آور ہونے کے باوجود ڈیڑھ ہزار سال تک وادئ سندھ کے علاقے ہی میں محدود رہے اور ہند کے باقی علاقوں کی طرف پیش قدمی نہ کر سکے۔اگر دراوڑ بزدل ونا کارہ قسم کے لوگ تھے تو آریاؤں کو چند سالوں میں پورے ہند پر قابض ہو جانا چاہئے تھا۔

دراوڑ ابتداء میں کسی الہامی مذہب ہی کے پیروکار رہے ہوں گے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے مذہب کو بدل ڈالا اور مشرک وبت پرست بن گئے۔ان کے عملوں کا یہ بدلہ تھا کہ تہذیب وتمدن سے ناآشنا ایک وحشی قوم ان کی حکمران بن گئی۔آریہ اگرچہ وحشی اور تہذیب وتمدن سے عاری قوم تھی مگر ان کا مذہبی طبقہ جو برہمن کہلاتا تھا بلا کا ذہین، عیار، ہوشیار اور مکار وچالاک تھا۔آریوں پر اصل حکمرانی برہمن کی تھی وہ صدیوں سے مذہب کا لبادہ اوڑھ کر انسانوں کو اپنا غلام بنانے کے فن میں طاق تھا۔برہمن کی مذہبی اجارہ داری کی بقا آریوں کے ہندوستان کی حکمران قوم کے طور پر کامیاب ہونے میں تھی۔اس کیلئے برہمن نے کئی کھیل کھیلے اور مکر وفریب کے کئی جال بنے۔ہندوستان کی تاریخ کے گہرے مطالعے اور ہندومت پر گہرے غور وخوض سے برہمن کا یہ کردار کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

آریا اصلاً توحید پرست تھے۔انہیں توحید پرستی سے محروم کرنے والا برہمن ہی تھا۔آریا

ہندوستان آنے سے پہلے توحید کو چھوڑ کر بت پرستی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وہ مذکر دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ برہمن اگرچہ توحید کے عقیدہ سے آشنا تھا اور ان کی مذہبی کتب عقیدۂ توحید کی حقانیت پر گواہ تھیں مگر برہمن نے اپنے تفوق اور مذہبی حکمرانی کو قائم رکھنے کیلئے اپنے لوگوں کو نہ صرف توحید سے بے خبر رکھا بلکہ انہیں دانستہ بت پرستی میں مبتلا کر دیا۔ آریا جب ہند میں آئے تو الہامی مذاہب کے پیروکاروں کی طرح اپنے مردوں کو دفن کرتے تھے اور بعث بعد الموت پر یقین رکھتے تھے۔ اعمال کے حساب اور جزاوسزا کا عقیدہ بھی ان کے ہاں پایا جاتا تھا۔ مگر برہمن نے ہندوستان وارد ہونے کے بعد آریائی مذہب میں نئی تبدیلیاں پیدا کیں۔

بالآخر آریائی ویدک دھرم اور دراوڑی ہندی مذہب کی باہم آمیزش سے ایک نیا دھرم وجود میں لایا گیا جو ہندومت کے نام سے مشہور ہوا۔ بت پرستی، جانوروں کی قربانی اور برہمن کا تفوق اس مذہب کی بنیاد تھی۔ مقامی دراوڑی مذہب کی اقدار کو بھی شامل کر لیا گیا۔ مردوں کو دفن کرنے کی بجائے انہیں آگ میں جلانا شروع کر دیا گیا۔ بعث بعد الموت کے عقیدے کی بجائے عقیدۂ تناسخ کو فروغ دیا گیا۔ برہمن نے لوگوں کو فلاح وکامرانی، دنیاوی ترقی اور روحانی کامیابی کیلئے دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی تعلیم دی۔ دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ قربانی کو بتایا گیا۔ قربانی ہندو دھرم کی اہم عبادت بن گئی مگر اس کے آداب بڑے سخت تھے۔ جن سے کما حقہٗ صرف برہمن ہی آگاہ تھا۔ قربانی کے آداب کی باریکیوں کا تقاضہ یہ تھا کہ قربانی دیوتاؤں کی خدمت میں برہمن کے ذریعے پیش کی جائے۔ بصورت دیگر ڈر تھا کہ قربانی پیش کرنے میں کوئی غلطی سرزد ہو جائے اور بجائے فائدے کے الٹا نقصان ہو جائے۔ یوں برہمن کا کردار ہندو دھرم میں اہم تر ہوتا گیا۔ قربانی کی عبادت نے اس پر مالی وسائل کے دروازے کھول دیئے اور وہ ہندوستان کا خوشحال ترین طبقہ بن گئے۔

ہند میں آریوؤں کی آمد کے بارے میں لیوس مور لکھتا ہے۔

''۱۷۵۰ اور ۱۲۰۰ قبل مسیح کے درمیانی عرصہ میں آریا وادی سندھ میں نقل مکانی کر کے آئے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس خطے کی اعلیٰ تہذیب یافتہ شہری ثقافتیں ختم ہو چکی تھیں کیونکہ انہیں آریاؤں نے بہ آسانی فتح کر کے اپنی ثقافت میں جذب کر لیا تھا۔ ابتدائی آریاؤں کے

بارے میں بہت کم علم ہے۔ ویدی ادب میں بکھرے ہوئے حوالہ جات اشارہ کرتے ہیں کہ وہ بنیادی طور پر آوارہ خانہ بدوش تھے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے ریوڑ کے پیچھے جاتے تھے۔ بظاہر ان کی کوئی مستقل بلیادیں یا شہر نہیں تھے۔ اس عرصہ کے آریا قبیلوں کی صورت میں ترتیب دیئے گئے تھے جن کی سربراہی سردار کرتے تھے جنہیں راجہ کہا جاتا تھا۔ آریا لوگ ہند یورپی زبان بولا کرتے تھے جو سنسکرت کیلئے بنیاد بنی اور جو یورپ کی زبانوں کے ساتھ مشترکہ خصوصیات رکھتی ہے۔ یہ چھٹی صدی قبل مسیح میں ہی کہیں آکر ان لوگوں نے وادی سندھ میں شہروں کے اندر آباد ہونا شروع کیا اور کچھ راجوں نے اپنے لئے چھوٹی چھوٹی سلطنتیں جمع اور تعمیر کرنا شروع کر دیں۔

ابتدائی ذرائع کے مطابق آریائی معاشرہ نے تین بنیادی صورتوں میں ترقی کرنا شروع کی۔ مختلف آریائی دیوتاؤں کے مسالک کی خدمت کرنے والے اعلیٰ مرتبت پجاری برہمن کہلاتے تھے۔ سردار اور جنگجو کشتریہ کہلاتے تھے جنہیں معاشرے کے بالائی طبقے سے نزدیک سمجھا جاتا تھا۔ دونوں بالائی طبقات کے خادم سمجھے جانے والے عام لوگ اور تاجر ویش کہلاتے تھے۔ چوتھا طبقہ آریوں کی تسخیر سے پہلے والے لوگوں پر مشتمل تھا جنہیں شودر کہا جاتا تھا۔ شودروں کو معاشرے کے مکمل ارکان کی حیثیت نہ دی جاتی اور عموماً آریوں کے غلاموں یا نوکروں کے درجے پر رکھا جاتا۔ ہندوستانی معاشرے میں یہ تقسیم صدیوں تک قائم رہی اور ان کے نیچے کئی ذیلی تقسیمیں تھیں جو نام نہاد نظام ذات کی بنیاد بن گئیں۔''

(مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا)

کیا ہندومت باقاعدہ مذہب ہے؟

ہندومت کوئی باقاعدہ مذہب نہیں ہے۔ ہر مذہب کی تعریف ہو سکتی ہے مگر ہندومت کی تعریف بطور مذہب قریب قریب محال ہے۔ جو برہمن اور گائے کی عزت کرے ذات پات کے نظام کا قائل ہو اور نظریہ تناسخ پر ایمان رکھے۔ یعنی روح باری باری مختلف جسموں میں داخل ہوتی ہے ہر جسم میں ایک مقررہ مدت پوری کرنے کے بعد موت کے دروازے سے گزر

کراس جسم سے ایک نئے جسم میں چلی جاتی ہے' وہ جسم ضروری نہیں کہ انسان کا ہی ہو۔ بلکہ وہ کسی حیوان مثلاً کتے' بلے' گدھے وغیرہ کا ہو سکتا ہے بلکہ نباتات میں بھی داخل ہو سکتی ہے اگلے جنم میں اس کی حیثیت کیا ہو گی۔ اس کا فیصلہ اس کے اعمال کی بنا پر ہو گا اور آخر مختلف جسموں سے ہوتی ہوئی اپنی آخری منزل پر پہنچ جاتی ہے نیک ہے تو سرگ باش (جنت) ورنہ نرک (دوزخ)' جو کوئی ان باتوں کو مانتا ہو وہ ہندو ہے۔ اگرچہ وید ہندوؤں کی مذہبی کتب کہلاتی ہیں لیکن جو مذہب ہندومت کے روپ میں پایا جاتا ہے۔ وہ ویدوں کے پیش کردہ مذہبی نظام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ (انسائیکلو پیڈیا آف لیونگ فیتھس' ملخصاً)

لی بان تمدن ہند میں "ہند کی اقوام کیوں کر بنی اور ان کی اصل تقسیمیں کیا ہیں" کے عنوان کے تحت لفظ ہندو کی تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"لفظ ہندو قومیت کے لحاظ سے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ہند میں اس سے مراد صرف وہ شخص ہے جو نہ مسلمان ہو' نہ عیسائی' نہ یہودی اور نہ پارسی اور جو ان چار ذاتوں (برہمن' چھتری' ویش اور شودر) میں سے جن کو فی الواقع بدھ مذہب نے جائز رکھا۔ کسی ایک ذات میں شامل ہو۔"

نیوس مور "مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا" میں کہتا ہے۔

"دنیا کے کئی دوسرے بڑے مذاہب کے برخلاف ہندومت کا کوئی قابل ذکر بانی نہیں تھا۔"

ورلڈ سولائیزیشن کے مصنفین نے جو کچھ ہندومت کے بارے میں لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے اہلِ مغرب کی اصطلاح کے مطابق ہندوازم کو مذہب قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ ہر قسم کے عقیدہ کو اپنانے کیلئے تیار رہتا ہے تمام رسم و رواج اپنا لیتا ہے خواہ وہ پرانے وقت کے گھٹے ڈنے رسم و رواج ہوں یا جدید دور کی اقدار ہندومت کے کوئی متعین عقائد و اصول نہیں ہیں جنہیں ماننا اس مذہب کے ہر پیروکار کیلئے ناگزیر ہو۔ اس کے ماننے والے کسی ایک جگہ جمع ہو کر عبادت نہیں کرتے ان کا کوئی مسلمہ کلیسا نہیں۔ البتہ برہمنوں کے متعلق ان کے خاص اعتقادات ہیں۔ مخصوص طریقہ کار ہیں۔ جن کی سارے ہند میں پیروی کی جاتی ہے۔ برہمن اپنے ماننے والوں کیلئے کسی مخصوص عقیدہ پر ایمان لانے کو ضروری خیال نہیں کرتے اور نہ کسی نئی بدعت کے خلاف انہیں اٹھ کھڑے ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کا اصرار صرف اس بات

پر ہوتا ہے اور اس میں وہ کامیاب بھی ہیں کہ ان کا ہر پیروکار یہ بات تسلیم کرے کہ دیوتا اور انسان کے درمیان واسطہ اور ترجمان کا فریضہ صرف برہمن ہی ادا کر سکتا ہے۔ برہمن ازم یعنی ہندومت میں ان باتوں پر زور دیا جاتا ہے۔

۱- برہموں کی تعظیم و تقدس اور ہر معاملہ میں ان کی اعانت۔

۲- حیوانی زندگی کا تقدس (یعنی نہ جانور ذبح کئے جائیں نہ ان کا گوشت کھایا جائے)۔

۳- عورت کا مقام معاشرہ میں مرد سے بہت زیادہ کم ہے۔

۴- ذات پات کی تقسیم کو قبول کیا جائے۔

ان کے ہاں ذات پات کی وجہ سے عورت کا مرتبہ بہت گرا ہوا ہے۔ بیوہ عورت ہر وقت اس غم میں رہتی ہے کہ اس کے کسی گناہ کی وجہ سے اس کا خاوند مرا ہے۔ وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی خواہ ابھی جوان ہی ہو۔ عورت کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اس کی عزت اس میں ہے کہ وہ خاوند کی لاش کے ساتھ جل کر مر جائے۔ ذات پات کے نظام میں شودر کے ساتھ جو غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہے وہ بڑا شرمناک ہے۔ اسے انسان ہی نہیں سمجھا جاتا۔ جنوبی ہند میں حالت یہاں تک گر چکی ہے کہ شودر کا سایہ کنویں پر پڑ جائے تو وہ کنواں ہندوؤں کے نزدیک بھرشٹ (ناپاک) ہو جاتا ہے۔ شودر آبادی سے باہر جھونپڑوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ یہ انسانیت سوز قبیح رسمیں دنیا کی تعلیم یافتہ اور بزعم خویش عقل مند کہلانے والی قوم ہزاروں سال سے اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے۔

ہندوؤں کا نظریہ تخلیق کائنات

ہندوؤں کے ہاں کائنات گردشوں کے لامتناہی سلسلے کا نام ہے۔ بنیادی گردش "کالپا" کہلاتی ہے جس کا مطلب ہے برہما کا دن۔ یہ چار ہزار دو سو ملین زمینی سالوں کے برابر ہے۔ گردشوں کا یہ سلسلہ وشنو دیوتا کی زندگی سے وابستہ ہے۔ ان کی دیو مالائی اصطلاح میں ہر کائناتی دن کے آغاز میں وشنو ایک ایسے شیش ناگ کی گود میں سویا ہوتا ہے جس کے ہزار سر ہیں۔ یہ ناگ لامتناہی زمانہ کی علامت ہے' وہ کائناتی قدیم سمندر میں جھولا جھولتا رہتا ہے پھر

وشنو کی ناف سے کنول کا پھول اگتا ہے اور اس کی لپٹی ہوئی پتیوں سے برہما دیوتا پیدا ہوتا ہے۔ برہما خالق کائنات ہے۔ وہ کائنات کی تخلیق کرتا ہے پھر وشنو پیدا ہوتا ہے اور کائنات پر حکومت کرتا ہے۔ کالپا کے خاتمے پر وشنو پھر سو جاتا ہے اور ساری کائنات اس کے جسم میں ضم ہو جاتی ہے۔ ہمارے اس زمانے کا آغاز تین ہزار ایک سو دو سال ق م میں مہابھارت کی جنگ کے خاتمے پر ہوا۔ اس کی کل میعاد چار لاکھ بتیس ہزار سال ہے۔ اس مدت کی تکمیل پر ساری دنیا آگ اور طوفان سے تباہ ہو جائے گی بعض کا خیال ہے کہ وشنو مجسم صورت میں آ کر جاری کو پرسکون انقلاب سے بدل دے گا۔

نیند سے اٹھ کر وشنو اپنے آسمانی تخت پر بیٹھتا ہے اس کے پہلو میں اس کی ملکہ دیوی لکشمی بیٹھی ہے جب کائنات خطرات سے دوچار ہونے لگتی ہے تو وشنو کبھی مکمل اور کبھی نامکمل صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کائنات کو تباہ ہونے سے بچاتا ہے۔ وشنو کے نامکمل مظاہر بیشمار ہیں اور مختلف رشیوں کی شکل میں اب بھی موجود ہیں اس کے مکمل مظاہر اب تک نو ہوئے ہیں۔ کچھ یہ ہیں مچھلی' کچھوا' سور' شیر۔ (انسانی شکل میں) پاراسو راما۔

اس کے اہم ترین اوتار وہ ہیں جب وہ راما اور کرشنا کے روپ میں ظاہر ہوا اس کی پوجا انہی کی صورت میں کی جاتی ہے۔ رام کی داستان تو ان کے ہاں زبان زد عام ہے البتہ کرشنا کے روپ میں اس کے کئی ظہور ہیں۔

۱- موٹا تازہ شرارتی بچہ۔

۲- ایک بانکا سجیلا نوجوان رادھا جس کی محبوبہ ہے۔ اس کے ساتھ اس کا معاشقہ مشہور و معروف ہے۔

۳- ایک بہادر' لڑاکا' جنگ جو' جس نے مہابھارت کی جنگ میں شرکت کی اور اپنے دوست ارجونا کو بھگوت گیتا کا درس دیا۔

ان تینوں روپوں میں بھارت کے طول و عرض میں اس کی پوجا کی جاتی ہے۔

وشنو کا نواں ظہور' بدھا کی شکل میں ہوا۔ وشنو کا ایسا ظہور جس میں وہ نہ ویدوں کا قائل ہو نہ خدا کا۔ انتہائی تعجب خیز ہے' برہموں نے بدھ مت کو ہڑپ کرنے کیلئے اس کے زوال کے

بعد یہ نظریہ پیش کیا کہ بدھا بھی وشنو کا اوتار تھا۔ اس لیے اس کا بت مندروں میں سجانا اور اس کو پوجنا ہمارا حق ہے یوں وشنو کے اوتار کے نام پر بدھا ان کے مندروں کی سجاوٹ کا سامان بن گیا اور بدھ مت قصہ پارینہ۔ وشنو کا آخری ظہور کالکن کی شکل میں ہوگا۔

ایک تخلیق کائنات کے حوالے سے ایک اہم دیوتا "شیوا" ہے اس کی شکل بہت خوفناک ہے اس کے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کا ہار لٹکا رہتا ہے جب وہ ڈراؤنا ناچ ناچتا ہے تو بدروحیں اس کے گرد حلقہ بنا کر رقص کرتی ہیں۔ کائناتی نظام کے سلسلہ میں اس دیوتا کی اہمیت یہ ہے کہ وہ زمانہ کے اختتام پر ساری کائنات کو بھسم کر دے گا۔ اسے انسانی اور حیوانی افزائش نسل کا دیوتا بھی کہا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں اس کے آلہ تناسل کی پوجا کا رواج بہت زیادہ ہے۔

درگا اور پاراوتی شیوا دیوتا کی بیوی کے نام ہیں۔ یہ لکشمی سے زیادہ اہم ہے۔ جب خوفناک شکل میں ظاہر ہو تو اس کو درگا اور کالی کہتے ہیں اور جب دلکش روپ میں ظاہر ہو تو پاراوتی کہلاتی ہے۔

ہندوازم کا ایک عجیب نظریہ یہ بھی ہے کہ تخلیق کائنات کا عمل مرد و زن کے جنسی ملاپ جیسا ہے یہی وجہ ہے کہ جنسی اختلاط کو جائز صورتوں میں بھی اور کئی ناجائز صورتوں میں بھی وہ اپنی عبادتوں میں شمار کرتے ہیں۔ (انسائیکلو پیڈیا آف لیونگ فیتھ' ماخوذ)

ہندوؤں کے عقائد کے بارے میں البیرونی کی تحقیقات

البیرونی پہلا مسلمان محقق ہے جس نے پورے ہند کی سیاحت کی اور اپنے مشاہدات کو ایک کتاب کی شکل میں منضبط کیا۔ یہاں اس کی کتاب "تحقیق ماللہند" سے چیدہ چیدہ نکات تحریر کئے جاتے ہیں۔

پہلے پہل آریہ توحید پر ایمان رکھتے تھے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ یکتا ہے ازلی ہے' ابتداء اور انتہا سے پاک ہے۔ اپنے افعال میں مختار ہے قدرت کا مالک ہے' دانا ہے' زندہ ہے' سب چیزوں کو زندہ کرنے والا ہے' تدبیر فرمانے والا ہے۔ بقا عطا فرمانے والا ہے۔ اپنی بادشاہی میں اضداد و انداد سے یگانہ ہے نہ کسی چیز کے مشابہ ہے اور نہ

کوئی چیز اس کے مشابہ۔

ان کی مشہور کتاب پاتنجل کے حوالے سے علامہ البیرونی نے لکھا ہے۔

طالب استاد سے پوچھتا ہے۔

''وہ کونسا معبود ہے جس کی عبادت سے اعمالِ حسنہ کی توفیق ملتی ہے۔''

استاد جواب دیتا ہے۔

''وہ اپنے اول و واحد ہونے کے اعتبار سے ہر ماسوا سے مستغنی ہے وہ تمام افکار سے پاک ہے کیونکہ وہ تمام ناپسندیدہ اضداد اور پسندیدہ انداد سے ارفع ہے وہ خود سے ہر چیز کا جاننے والا ہے اور ہمیشہ سے عالم ہے کسی وقت میں اور کسی حالت میں جہالت اور لاعلمی کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جا سکتی۔''

علامہ البیرونی ایک وید کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''سائل نے پوچھا کہ تم ایسی ذات کی عبادت کیسے کر سکتے ہو جو محسوس نہ کی جا سکے مجیب نے کہا کہ جب اس کا ایک نام ہے تو اس کی حقیقت ثابت شدہ ہے۔ کیونکہ خبر ہمیشہ اسی چیز کی دی جاتی ہے جو موجود ہو اور اگر اس کا وجود نہ ہو تو اس کا نام بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ حواس سے غائب ہے مگر عقل کیلئے اس کا ادراک ثابت ہے اور غور و فکر نے اس کی صفات کا پتہ دیا ہے اور غور و تدبر ہی خالص عبادت ہے اور جو شخص ہمیشہ یہ عبادت بجالائے سعادت مند ٹھہرتا ہے۔''

بھگوت گیتا' ہندوؤں کی مشہور کتاب مہابھارت کا ایک حصہ ہے اس میں باس دیو اور ارجن کے درمیان ہونے والے مکالمہ میں باس دیو نے اپنے بارے میں یہ بتایا ہے۔

''میں کل ہوں۔ ولادت سے میری ابتداء نہیں اور وفات سے میری انتہاء نہیں۔ (یعنی ابتداء اور انتہاء سے پاک ہوں)۔

مزید بتایا کہ جو شخص مجھے اس صفت سے پہچانے اور میرے ساتھ اس طرح مماثلت پیدا کرے کہ اس کا ہر عمل طمع سے دور ہو جائے تو اس کی وہ زنجیریں جن میں وہ جکڑا ہوا ہے

ٹوٹ جائیں گی اس کیلئے نجات اور کامیابی آسان ہو جائے گی۔''

مگر بعد میں یہ عقیدہ شرک آلود ہو گیا اور خدائے واحد پر ایمان رکھنے والی قوم ہزاروں بلکہ لاکھوں معبودوں کی پجاری بن گئی۔ اس حوالے سے البیرونی کی تحقیق یہ ہے۔

قدیم یونانی علماء کی طرح ہندوستان کے حکماء کا یہ نظریہ تھا کہ حقیقی وجود صرف خالق اکبر کا ہے۔ باقی جملہ معلولات خیالی اور تصوراتی ہیں۔ کچھ کی رائے یہ ہے کہ جو موجود یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ خالق حقیقی کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرے اور اس کی صفات سے خود کو متصف کرے جب بدن کے حجاب اٹھ جاتے ہیں اور روح بدن سے رہائی پا لیتی ہے تو اس کو کائنات میں تصرف کی قدرت مل جاتی ہے اس بنا پر وہ معبود بننے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس کے نام پر عبادت خانے بنانا اور قربانیاں کرنا انسانی فلاح کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

چنانچہ وہ لوگ ہر اس چیز کو جو جلیل القدر اور شرافت و کرامت کی مالک ہو۔ اسے بے دریغ معبود کہتے تھے فلک بوس پہاڑ بڑے بڑے دریا اور اس قسم کے دوسرے مظاہر ان کے ہاں معبودیت کا درجہ رکھتے تھے۔ البتہ پہلے پہل جو لوگ شرک میں مبتلا ہوئے وہ انہیں معبود حقیقی نہیں مانتے تھے۔ لیکن بعد میں آنے والے لوگوں نے اس تفریق کو ختم کر دیا اور انہوں نے فضل و کمال کے حامل انسانوں اور دوسری نفع بخش اور فائدہ مند چیزوں نیز ضرر رساں اشیاء کو حقیقی معبود سمجھ لیا اور اللہ وحدہ لاشریک کی بجائے ان کی عبادت کرنے لگے اور ان کے نام پر قربانیاں دی جانے لگیں۔

ہندوؤں کے دیوتا

ہندوؤں کے دیوتاؤں کی فہرست بڑی طویل ہے جو ہر لحظہ بڑھتی رہتی ہے۔ بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے دیوتاؤں کی اس طویل فہرست میں ایسے دیوتا بھی ہیں جو یورپین آریاؤں کے دیوتاؤں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ڈائیوس درخشندہ آسمان کے دیوتا کا نام ہے جو یونانی دیوتا زیئس کا ہی دوسرا نام ہے۔ وارونا آسمان کا نمائندہ دیوتا ہے وہ آسمان کی طرح ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اسے آسورا کہا جاتا ہے جو ایران کے اعلیٰ ترین دیوتا اہو

مزدا کا ہم معنی ہے۔ ہندوؤں کے پانچ دیوتا ایسے ہیں جو سورج کے مختلف مظاہر ہیں۔ مترا یہ ایران میں متراس کہلاتا تھا۔ سورج کی زریں قرص کو سوریا کہا جاتا ہے۔ سورج کی جو قوت نباتاتی اور حیوانی زندگی کی افزائش کا ذریعہ ہے۔ اسکی مجسم شکل پوشاں کہلاتی ہے۔ تین چھلانگ میں سارے آسمان کو طے کر لینے والے دیوتا کے پیکر کو وشنو کہتے ہیں ویدوں کے عہد کا سب سے زیادہ طاقت ور اور اہم دیوتا اندرا ہے۔ اس نے ایک بہت زیادہ زہریلے ناگ کو قتل کر کے انسانیت کو نفع پہنچایا۔ اس زہریلے ناگ سے مراد قحط ہے۔ اندرا نے پانی کو جاری کیا جس سے قحط ختم ہو گیا۔ روشنی بھی اسی نے دریافت کی اور سورج کیلئے راستہ بھی اسی نے ہموار کیا یہ جنگ کا دیوتا بھی ہے۔ اس نے جنوں اور عفریتوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور کالی چمڑی والے دراوڑوں کو شکست دی۔ وہ "سوما" شراب کا بڑا رسیا ہے۔ سوما بھی ایک دیوتا ہے اور اگنی بھی۔ "وارونا" دیوتا دریاؤں کو جاری کرتا ہے سورج اور دوسرے سیاروں کو محو گردش رکھتا ہے۔ وہ دیوتاؤں اور انسانوں کو قوانین کا پابند رکھتا ہے اور بدکاروں کو قید کرتا ہے۔

(ورلڈ سولائیزیشن ماخوذا)

آہستہ آہستہ دیوتاؤں کی فہرست اور ان کی عبادت کے طریقے ہر مقام اور ہر آبادی کے لیے الگ الگ ہو گئے۔ قدیم اور اہم دیوتاؤں کی اہمیت وقت کے ساتھ ساتھ گھٹ گئی اور نئے دیوتاؤں نے مندروں میں اہمیت حاصل کر لی۔ اب ان کے معبودوں کی تعداد لاکھوں کروڑوں تک پہنچ چکی ہے۔

بدھ مت اور جین مت کے ظہور کے ساتھ برہمنی مذہب کو زوال آ گیا۔ اوپر مذکور دیوتا زوال پذیر ہو جانے والے اس برہمنی مذہب میں پوجے جاتے تھے۔ یہ برہمنی مذہب ویدوں کی تعلیمات پر مبنی تھا۔ بدھ مت کے زوال کے بعد برہمنی مذہب کو پھر عروج حاصل ہو گیا۔ جس میں تین دیوتاؤں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔

۱- برہمہ: پیدا کرنے والا
۲- وشنو: زندگی دینے والا
۳- شیو: مارنے والا

تخلیق، زندگی اور موت کے یہ تینوں دیوتا تری مورتی کہلاتے ہیں۔ ان سے ہندو تثلیث قائم ہوتی ہے۔

لی بان "ہندوستان کے موجودہ مذاہب" کے زیر عنوان ہندو تثلیث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"اس جدید برہمنی مذہب میں بے انتہا فرقے اور شعبے ہو گئے ہیں لیکن ان سب کا دارومدار بڑی تقسیموں پر ہے جو شیو اور وشنو کی پرستش سے متعلق ہیں۔ یہ دونوں بڑے دیوتا جن کو ہر ہندو مانتا ہے برہما کے ساتھ مل کر ہندو تثلیث قائم کرتے ہیں۔ اگرچہ اس تثلیث میں برہما کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے لیکن خاص طور پر اس دیوتا کی پرستش نہیں کی جاتی اور ہند بھر میں بمشکل دو تین مندر ایسے ہوں گے جو برہما کے نام پر بنے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندو دماغ اس چیز کی پرستش کی طرف مائل ہے جو مادی صورت میں اس کے سامنے رکھی جائے۔ شیو اور وشنو کے ہزارہا مندر ہیں جن میں ان کی مورتیں اور علامتیں نصب کی گئی ہیں اور پوجی جاتی ہیں۔ برخلاف اس کے برہما ایک روح مطلق ہے جو تمام عالم میں سائر و دائر ہے اور ہر ایک ہندو کی اصلی تمنا یہ ہے کہ وہ کسی روز اس روح مطلق میں جذب ہو جائے گا۔

نظام عالم میں ان تینوں روحوں کے الگ الگ حصے ہیں۔ برہما خالق ہے اور وشنو عالم کا باقی رکھنے والا اور شیو عالم کا برباد کرنے والا ہے۔ اگرچہ شیو کے فرائض میں اور دوسرے دو دیوتاؤں کے فرائض میں ظاہرا تضاد معلوم ہوتا ہے۔ لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے کیونکہ ہندو فلسفہ میں موت کوئی چیز نہیں ہے۔ موت سے مراد صرف ظاہری تغیر ہے۔ تمام عالم ہر وقت بدلتا رہتا ہے لیکن اس کے اجزاء تلف نہیں ہوتے پس شیو بھی جو ان تغیرات کا خدا ہے عالم کا محسن ہے اور اس کا وجود بھی لازمی ہے۔

جس وقت ہم شیو کی مہیب صورت کو دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یہ وہی دیوتا ہے جس پر اور اس کی دیوی کالی پر خون میں بھرے ہوئے جانوروں اور قدیم زمانے میں شاید انسانوں کا چڑھاوا دیا جاتا تھا تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شیو کی پرستش بہت زیادہ قدیم ہے اور فی الواقع برہمنی تثلیث میں سب سے بڑا اور قوی جز شیو ہے۔

دنیا کی کسی قوم نے عالم کی ہر وقت بدلتی ہوئی حالت کا ایسا صحیح ادراک نہیں کیا ہے۔ جیسا ہند کے باشندوں نے اس کے نزدیک سارا عالم بالکل وہ چیزیں جو ہم دیکھ رہے ہیں محض دھوکا ہے۔ اشیاء کی حقیقت بالکل ہمارے علم سے باہر ہے کائنات کا ایک سلسلہ تغیرات کا ہے جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا۔ اس غیر متناہی سلسلے میں موت سے زندگی پیدا ہوتی اور زندگی سے موت لیکن یہ کل محسوسات ظاہری ہیں اور ان کے اندر ایک وجود مطلق ہے جو ہر حالت میں ایک ہے لیکن اس کی ظاہری صورت ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ ہزارہا سال سے ہندوؤں نے اس عالم کو دھوکا سمجھا ہے اور معلوم کیا ہے کہ اس دھوکے کی ٹٹی کے پیچھے وہ حق ہے جس کے پیچھے پہنچنا محال ہے۔ اس مسئلے تک وہ ایسے وقت میں پہنچ گئے تھے جس وقت ہمارے مغربی فلاسفر اس گمان میں تھے کہ وجود مطلق ان کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ یہی ہے ہندو خیال کی بلندی اور اس کا عمق۔ ہمارا اعلیٰ درجے کا فلسفہ بھی اس درجے سے آگے نہیں بڑھا ہے البتہ جیسا ہم کہہ چکے ہیں عامہ خلایق کو ان فلسفی مباحث سے کچھ کام نہ تھا۔"

(تمدن ہند)

ہندو کتابیں

ہندوؤں کی مذہبی کتب میں سب سے قدیم وید ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وید قدیم رشیوں کے دلوں پر القاء ہوئے۔ یہ کسی انسان کا نہیں دیوتاؤں کا کلام ہے۔ ان میں دعائیں، بھجن، حمدیہ نغمے اور ان کی نثریہ تشریح ہے۔ ان میں بہت سے منتر بھی ہیں مثلاً قربانی کے وقت پڑھے جانے والے منتر، سانپ کاٹے کے، دشمنوں کو ہلاک کرنے کے اور محبت پیدا کرنے کے منتر وغیرہ۔

وید علم اور دانشمندی کو کہتے ہیں۔ تخلیق کائنات کے بارے میں کوئی واضح نظریہ ویدوں میں نہیں ہے۔ ان کے مطابق ان کے دیوتاؤں کو بھی علم نہ تھا کہ کائنات کی تخلیق کیسے ہوئی۔ رگ وید کے آخری منتر میں کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے انسان کو دیوتاؤں نے قربانی کے طور پر ذبح کر دیا اور اس نے "اپنے کٹے ہوئے اجزاء سے معجزانہ طریقے پر کائنات کی مختلف چیزیں پیدا کیں۔ یوں قربانی ان کے ہاں بہت زیادہ اہمیت حاصل کر گئی ہے۔

وید چار ہیں..... سام وید، یجر وید، اتھروید، رگ وید۔ ان کے بعض منظوم اور بعض نثری

حصے الگ کر کے قربانی کے وقت پڑھے جانے کیلئے مخصوص کر دیئے گئے۔ اتھروید میں زیادہ تر وہ عملیات ہیں جن سے بیماروں کو صحت، رقیب بیویوں سے نجات، جنگ میں فتح، مقدمات میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ جب تک آریا پنجاب کے علاقوں تک محدود تھے اس وقت تک کے ویدوں مثلاً رگ وید میں پنجابی معاشرہ کی عکاسی ہوتی تھی مگر جب وہ گنگا جمنا کے دوآبہ تک پہنچ گئے تو اس کے بعد لکھے گئے ویدوں میں وہاں کے حالات نظر آتے ہیں۔

ان کی مذہبی کتابوں میں ویدوں کے ساتھ "اپنشد" بھی ہیں۔ ان میں ہندومت کی بنیاد یہ چیزیں بتائی گئی ہیں۔

۱- اعلیٰ حقیقت روحانی دنیا ہے۔
۲- مادی دنیا بے حقیقت ہے۔
۳- تناسخ کا عقیدہ۔

ان کی اہم مذہبی کتب میں ایک منو کا ضابطہ بھی ہے جسے منوشاستر کہا جاتا ہے۔ لیوس مور منوشاستر کے بارے میں لکھتا ہے۔

"منو کے ضابطہ قانون کے بنیادی مفروضوں میں سے ایک ذات پات کا نظام ہے جو بظاہر قدیم آریاؤں کے معاشرے کی تقسیم سے پروان چڑھا۔ منو کے ضابطہ قانون میں ذات کی تقسیم کو خدا کی جانب سے منظور شدہ پیش کیا گیا۔

دنیاؤں کی نشوونما کیلئے برہمہ نے برہمن، کشتریہ (جنگجو)، ویش (تاجر) اور شودر (کم درجہ کے خادموں) کو بالترتیب اپنے چہرے، بازوؤں، رانوں اور پیروں سے پیدا کیا۔

(منو کا ضابطہ قانون 1.31)

پہلی تین ذاتوں کو "دوہرے جنم کی حامل" جبکہ چوتھی ذات شودر کو ایک جنم والی کہا جاتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ بلند تر ذاتیں پہلے ہی ایک زندگی کا تجربہ کر چکی ہوتی ہیں اور یہ کہ سب سے کمتر ذات کے افراد نے اپنی پیدائش اور دوبارہ جنم کا ابھی آغاز ہی کیا تھا۔

ہر ذات کے افراد کے مخصوص فرائض (دھرم) اور مواقع ہوتے ہیں اور ان کی اطاعت

کرنا ضروری ہے۔

برہمنوں کیلئے اس نے تعلیم دینے' مطالعہ کرنے' قربانی دینے' قربانی کی نگرانی کرنے' تحائف لینے اور دینے کے وظائف پیدا کئے۔

کشتریوں کے لئے اس نے مختصراً لوگوں کی حفاظت' تحائف دینے' قربانی ادا کرنے' تعلیم حاصل کرنے اور نفسانی مسرتوں سے لاتعلقی پیدا کی۔

ویش کو اس نے مویشیوں کی حفاظت' خیرات' قربانی کی ادائیگی' تعلیم حاصل کرنے' تجارت کرنے' سود پر ادھار دینے اور زراعت کیلئے پیدا کیا۔

قادر مطلق نے شودروں کیلئے صرف ایک پیشہ بنایا۔ اپنے سے بالائی تینوں ذاتوں کی بلا رقابت خدمت۔ (ایضا: 1.88-91)

صریحاً لوگ شودر کے طور پر زندگی کی ابتداء کرتے' خوش دلی اور فرمانبرداری سے خدمت کرتے اور رفتہ رفتہ' جنم در جنم نظام ذات میں ترقی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ برہمن کے اعلیٰ رتبے تک پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس ابتدائی مرحلے میں بھی ہندوستانی معاشرہ متعین ذاتوں پر مطمئن تھا اور ان طبقات میں اوپر کی طرف جانے کا واحد ذریعہ دوبارہ جنم تھا۔

منو کا ضابطہ قانون اس دور میں دوبارہ جنم کی تفہیم کا درجہ بھی پیش کرتا ہے۔ انسان جسم سے سرزد ہونے والی برائی کے نتیجہ میں ساکن اشیاء (پودوں وغیرہ) کی زندگی حاصل کرتا ہے' زبان سے سرزد ہونے والے گناہ کے نتیجے میں پرندوں اور درندوں کی زندگی اور ذہن سے سرزد ہونے والی برائی کے صلہ میں پست ترین جنم کی زندگی حاصل کرتا ہے۔

اگر انسان صرف اچھے اعمال کرے اسے دیوتا بنایا جائے گا۔ اگر وہ ملے جلے اعمال کرے تو وہ ایک انسان پیدا ہوگا اور اگر وہ صرف برے اعمال کرے تو ایک پرندہ یا جانور بنا کر پیدا کیا جائے گا۔ بری زبان کا نتیجہ علم کی جاہی ہے برے ذہن کا نتیجہ اعلیٰ منزل کا کھونا ہے اور گندے جسم کا نتیجہ دیناؤں کا نقصان ہے۔ پس ہر ایک کو تین چیزوں کی حفاظت کرنے دو۔ برا بولنے کی سزا خاموشی ہے' برے ذہن کی روزہ اور برے اعمال کی سانس پر قابو ہے۔

(ایضا: 12.9)

منو کے ضابطہ قانون کی ایک مرکزی تعلیم مختلف درجات ہیں۔ جن میں سے گزر کر ایک شخص سے کامیاب زندگی کی توقع کی جاتی تھی۔ ہندوستانی شخص کو زندگی کے پہلے دور میں طالب علم سمجھا جاتا ہے جو وید کا مطالعہ کرتا اور اپنے استاد کو گہری توجہ دیتا ہے۔ دوسرے دور میں وہ گھر کا سربراہ بن جاتا ہے اور اپنی ہی ذات کی موزوں لڑکی سے شادی کرتا ہے۔ منو کے ضابطہ قانون میں بیان ہونے والی مثالی شادی میں مرد اپنی بیوی سے کافی بڑا ہوتا ہے۔ "مرد جب سربراہ خانہ بنتا ہے اور اس کی عمر تیس برس ہو تو اسے اپنی پسند سے بارہ سالہ لڑکی سے شادی کرنی چاہئے۔ چوبیس سالہ شخص آٹھ برس کی لڑکی سے شادی کرسکتا ہے۔

(ایضا: 9.94)

سربراہ خانہ اور فراہم کنندہ کا کردار نہایت اہم ہے کیونکہ یہ سربراہ خانہ ہی ہے جسے معاشرے کا بنیادی پتھر سمجھا جاتا ہے۔ جب صاحب خانہ کے طور پر فرد کے فرائض مکمل ہو جاتے ہیں اور وہ بوڑھا ہو جاتا ہے تو اسے جنگل میں گوشہ تنہائی میں چلے جانا چاہئے اور کچھ برس ترک دنیا' غور و فکر اور قربانیاں ادا کرنے میں گزارنے چاہئیں۔ آخرکار جب اس کے بن باس کے دن مکمل ہو جائیں تو اسے ایک بھکاری (سنیاسی) بن جانا چاہئے۔ یہ چاروں ادوار صرف دوہرے جنم کے حامل (تین اعلیٰ ذاتوں کے) لوگوں کا معیار ہیں۔ شودر کا تمام تر کردار تمام عمر ان بلند تر ذاتوں کی خدمت کرنا ہے۔" (مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا)

ہندوؤں کا مذہبی مزاج

ہندوؤں کے سلسلہ میں ایک حیرت انگیز اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ کوئی ایک خدا کی عبادت کرتا ہے یا بہت سے خداؤں کی یا وہ کسی کو خدا مانتا ہی نہیں ان کے ہاں اہم بات یہ ہے کہ وہ ہندوانہ طریقہ پر زندگی گزارے اور ہر اس رسم و رواج کی پابندی کرے جو صدیوں سے ان کے ہاں جاری ہے مثلاً شادی' مرگ کی رسوم' ذات پات کی تقسیم وغیرہ۔

وہ بتوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک اپناتے ہیں۔ بت گھر میں ہوں تو انہیں معزز مہمان کا درجہ حاصل ہے' ان کی خاطر مدارات خوب کی جاتی ہے۔ اگر بت مندر میں ہو تو

بادشاہ ہے اس کو اس طرح بیدار کیا جاتا ہے جیسے اس نے اپنی رانی کے ساتھ شب بسری کی ہو۔ اسے تخت پر بٹھایا جاتا ہے۔ تخت کو پہلے دھوتے ہیں پھر خشک کرتے ہیں پھر پھولوں کی نذر پیش کر کے روٹھے دیوتا کو مناتے ہیں۔ عود لوبان جلاتے ہیں۔ روشنی کی جاتی ہے اور اسے کھانا پیش کرتے ہیں جو بڑا لذیذ ہوتا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کھانے کا روحانی حصہ بت کھا لیتا ہے۔ باقی کو پجاری بطور تبرک لے لیتے ہیں اور اس سے لذت کام و دہن کا سامان کرتے ہیں۔ اس پتھر اور دھات کی بے حس مورتی کو پنکھا جھلایا جاتا ہے اور موسیقی سے اس کو بہلایا جاتا ہے۔ رقص کرنے والی لڑکیاں اس کے سامنے رقص پیش کرتی ہیں جس طرح ظاہری بادشاہ اپنی کسی کنیز کو اپنے کسی مہمان کو بطور عزت افزائی دے دیتا ہے اسی طرح دیوتا بھی اپنی دیوداسیوں میں سے کوئی کسی ایسے پجاری کو شب بسری کے لیے دے دیتا ہے جو مناسب فیس ادا کرے۔ مذہب کے نام پر ہونے والی یہ رنڈی بازی ان کے ہاں بہت زیادہ عام تھی خصوصاً جنوبی ہند میں۔ البتہ اب یہ رسم کم ہوتی جا رہی ہے۔

بہت سے دیوتا، جن کی پوجا کرنے کا حکم ویدوں میں مذکور ہے وہ اب متروک ہو چکے ہیں آریوں کا بڑا جنگی دیوتا۔ اندرا' کا درجہ اب بہت گھٹ کر رہ گیا ہے اب اسے صرف بارش برسانے والا کہا جاتا تھا۔ کبھی وہ بڑی شاہانہ شان و شوکت سے اعلیٰ مسند پر بیٹھا کرتا تھا مگر اب اس کے پجاری شاذ و نادر ہی اس کو یاد کرتے ہیں۔

"آریوں کے مذہبی اور فلسفی خیالات" کے تحت لی بان نے عوام کی پرستش تجارتی تھی کا عنوان قائم کیا ہے۔ جس میں لکھا ہے۔

"عوام کے تعلقات دیوتاؤں کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے۔ یعنی دیوتاؤں کی مدح سرائیں کرتے اور ان کو چڑھاوے اور دیوتا اس کے عوض میں انہیں مال مویشی اور دشمنوں پر فتح عطا کرتے۔ جس کسی دیوتا سے وہ التجا کرتے اس کی وہ بے انتہا خوشامد کرتے اور سوم اور دودھ اور شہد کے چڑھاوے اور بعض اوقات زندہ جانوروں کی قربانی کا وعدہ کرتے۔ اس شرط پر کہ وہ دیوتا ان کے خاندان کی حفاظت کرتا اور امراض سے بچاتا۔ ان کے کھیتوں میں پانی برساتا اور ان کی گایوں کو گابھن بناتا۔"

عقیدہ تناسخ

ہر مذہب کا ایک خصوصی شعار ہوتا ہے جس سے اسے دوسرے مذاہب سے ممتاز کیا جاتا ہے مسلمانوں کا شعار کلمہ شہادت ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث اور یہودیوں کا یوم سبت کا تقدس ہے۔ اسی طرح تناسخ کا عقیدہ ہندو مذہب کا مذہبی شعار ہے جو اس کا قائل نہ ہو وہ ہندو دھرم کا ماننے والا نہیں۔ باس دیوارجن کو عقیدہ تناسخ کی حقیقت سمجھاتے ہوئے بتاتا ہے کہ موت کے بعد جسم فنا ہو جاتا ہے لیکن روح باقی رہتی ہے اور وہ اپنے اچھے اعمال کی جزاء پانے یا برے اعمال کی سزا بھگتنے کے لیے کسی دوسرے جسم کا لباس پہن کر اس دنیا میں لوٹ آتی ہے اور یہ چکر غیر متناہی مدت تک جاری رہتا ہے۔

اس مسئلہ کو منو نے بہت تصریح سے بیان کیا ہے۔ "منو لکھتے ہیں۔"

"اگر انسان کا نفس زیادہ تر نیک کام کرے اور برا کام کم کرے تو اس کو جنت میں اپنے عناصر خمسہ (یعنی خمسہ) کے ساتھ خوشی ملے گی لیکن اگر انسان کا نفس زیادہ تر بدی کرے اور بھلائی کم کرے تو وہ اپنے عناصر خمسہ سے علیحدہ ہو کر یم یعنی دوزخ کے عذابوں میں مبتلا ہو گا۔ نفس یم سے عذاب سہنے کے بعد پاک ہو کر پھر انہیں پانچ عناصر میں داخل ہو جائے گا۔ یعنی دوبارہ پیدا ہو گا پس انسان کو چاہئے کہ اس تناسخ کو جس کا دارومدار نیک و بد اعمال پر ہے اپنی عقل سے معلوم کر کے ہمیشہ نیکی کی طرف متوجہ ہو۔ (منو شاستر بارھواں باب 20-23)

"جو لوگ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں وہ مدت دراز تک سخت عذاب جہنم میں رہنے کے بعد مندرجہ ذیل صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ برہمن کا قتل کرنے والا کتے یا سور یا گدھے یا اونٹ یا گائے یا بکری یا بھیڑ یا ہرن یا چڑیا یا چنڈال یا پلکس کی صورت میں پیدا ہو گا۔ وہ برہمن جو کسی برہمن کا سونا چرائے ہزار مرتبہ مکڑی، سانپ، چھپکلی، آبی جانوروں اور خطرناک پشاچ کی صورتوں میں گزرے گا۔ (منو بارھواں باب 55-571)

پس گویا انسان کی عقبیٰ کا دارومدار مذہب عیسوی کی طرح کسی خاص فعل پر نہیں اور نہ انسان کی اخیر حالت اور توبہ پر بلکہ اس کے کل افعال کے مجموعہ پر ہے اور اس مجموعہ میں خفیف

سے خفیف فعل بھی اپنی قیمت اور حیثیت رکھتا ہے۔ منو لکھتے ہیں۔

"وہ افعال جو خیال اور زبان اور جسم سے پیدا ہوتے ہیں ان کے نتائج تو اچھے ہوتے ہیں۔ انہیں افعال سے انسان کی مختلف حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی اعلیٰ' متوسط اور ادنیٰ

(منوشاستر بارہواں باب 3)

یہی اعتقادات ہیں جو ہندو کو سخت ریاضت کا پابند کر دیتے ہیں اور خفیف سے خفیف کام کے کرنے اور چھوٹی چھوٹی حاجت نکالنے کو بھی اس کی مرضی پر نہیں چھوڑتے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ بے احتیاطی یا غلطی بھی شدید نتائج پیدا کرتی ہے اور ان نتائج سے بچنے کیلئے غلطی کے بعد ہی سخت طہارت یا عبادت کے ذریعہ سے اس کو رفع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان غلطیوں ان گناہ صغیرہ کی نسبت انسان کی رائے کچھ کام نہیں آتی۔ نہ اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ گناہ کرتے وقت کسی نے نہیں دیکھا۔ گناہ گار خود اپنے فعل کے نتائج کو سمجھتا ہے اور اس کو مٹانے کیلئے بعض صورتوں میں نہایت سخت کفارہ دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔" (تمدن ہند)

تناسخ کے عقیدہ کے متعلق رگ وید کی شہادت سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ جب آریہ ہندوستان میں آئے تو وہ اس عقیدے کو نہیں مانتے تھے کہ مرنے کے بعد انسانی روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے اور پھر مرنے کے بعد اس دوسرے جسم کو چھوڑ کر کسی نئے جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بلکہ آریہ اس وقت یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جو لوگ گناہ آلودہ زندگی بسر کرتے ہیں انہیں مہا دیوتا۔ "وارونا" زمین کے سب سے نچلے حصہ میں ایک خوفناک جگہ (دوزخ) میں بھیج دیتا ہے اور جو لوگ راستی اور پاکبازی کی زندگی گزارتے ہیں انہیں سکون کی جگہ یعنی جنت میں بھیج دیتا ہے جہاں ابدی خوشیاں حاصل ہوتی ہیں لیکن جب وہ ہندوستان آئے تو یہاں انہوں نے دراوڑوں کو عقیدہ تناسخ کا قائل پایا تو وہ بھی اس پر ایمان لے آئے۔

ہندوؤں کا مردے جلانا

رگ وید سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان آنے سے پہلے آریہ اپنے مردوں کو نذر آتش

نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں دفن کرتے تھے۔ جب وہ ہندوستان میں آئے اور یہاں کے قدیمی باشندوں دراوڑوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مردوں کو نذر آتش کرتے ہیں تو انہوں نے بھی اپنے مردوں کو جلانا شروع کر دیا۔

جنت دوزخ کا تصور

آریہ اگرچہ عقیدہ تناسخ کے قائل ہو گئے تھے اور یہ عقیدہ ہندومت کا شعار بن گیا تھا مگر اس کے باوجود وہ جنت اور دوزخ کے بھی قائل تھے ان کا کہنا تھا کہ عالم تین ہیں اعلیٰ۔ ادنیٰ۔ اوسط۔ عالم اعلیٰ ان کے ہاں سترلوک' یعنی جنت کہلاتا ہے اور عالم اسفل "ناگ لوک" یعنی سانپوں کے جمع ہونے کی جگہ (دوزخ) کہلاتا ہے۔ اس کو پاتال بھی کہتے ہیں جبکہ عالم اوسط یہ دنیا ہے جس میں ہم رہ رہے ہیں۔ ہندوؤں کی ایک مذہبی کتاب بشن پرج کے مطابق جہنم ایک نہیں بلکہ اٹھاسی ہزار ہیں اور ہر جرم کے لیے ایک جہنم مخصوص ہے۔

حیات بعد الموت

اگرچہ قدیم آریہ حیات بعد الموت پر بھی یقین رکھتے تھے آج بھی ہندومت میں کسی نہ کسی شکل میں یہ عقیدہ موجود ہے لیکن اس کے باوجود ان کا عام طرز عمل یہ تھا اور اسی پر وہ زور دیتے تھے کہ اس دنیا میں جتنی عیش کر سکتے ہو کر لو پھر یہ موقع نصیب نہ ہوگا۔

عاقبت کے خیالات

عاقبت کے متعلق خیالات بھی ویسے ہی غیر معین اور بدلتے ہوئے ہیں۔ جو شخص مر جاتا اس کے اجزائے جسمانی عناصر میں مل جاتے اور اس کی روح ایک نئے لباس میں آتی۔ یہ گویا اس مسئلہ تناسخ کی ابتداء ہے جو آگے چل کر ہندوؤں کے مذہبی اعتقادات کا ایک جزو اعظم بن جاتا ہے۔

اس کی آنکھیں آفتاب میں جل جائیں۔ اس کا دم ہوا میں' چلا جاتا اپنے جسم کے مختلف حصوں کے لحاظ سے' زمین یا آسمان پر' اگر مناسب ہو تو پانی میں چلا جا' یا اپنے تمام اعضا سے

درختوں میں گھر کر لے۔

چڑھاوے کا بکرا تیرا حصہ ہے۔ اسے تو دھکا دے اپنی گرمی سے روشن کر دے اسے تو اپنی جوت سے۔ روحات دیدا اپنی سب سے مبارک صورت میں اس آدمی کو نیک بندوں کی دنیا میں پہنچا دے۔ (رگ وید دسواں منڈل سولھواں سوکت 3-4 رچائیں۔)

تیری روح جو یم کے پاس دوسسواں کے بیٹے کے پاس دور چلی گئی ہے اسے ہم تیرے پاس واپس لاویں گے تاکہ تم ہم میں آ کر رہے۔

تیری روح دور آسمان وزمین کو چلی گئی اسے ہم تیرے پاس واپس لاویں گے تاکہ تم ہم میں آ کر رہے۔

تیری روح جو دور چلی گئی جو آفتاب اور شفق سے ملنے گئی۔ اسے ہم تیرے پاس واپس لاویں گے تاکہ تو ہم میں آ کر رہے۔ (رگ وید دسواں منڈل 58 واں سوکت)

توحید اور ہندو

ہندومت کے مطابق ساری کائنات کا حاکم ومالک ایک اور اعلیٰ خدا ہے کائنات کی بقا اور نشوونما کا دارومدار اسی پر ہے وہ چھوٹے درجے کے کچھ دوسرے خداؤں کی امداد سے کائنات پر حکومت کر رہا ہے۔ یہ چھوٹے خدا اصل میں اس کی صفات کے مظہر ہیں۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندومت بنیادی طور پر دین توحید تھا۔ پھر اس میں عیسائیت اور یہودیت کی طرح شرک کی آمیزش ہو گئی اور ایک بڑے خدا اور بہت سے چھوٹے خداؤں کا تصور پیدا ہو گیا۔ تعلیم یافتہ ہندوؤں کے ہاں ان چھوٹے خداؤں کا مقام وہ ہے جو کیتھولک کلیسا میں فرشتوں اور سینٹوں کا ہے یہ چھوٹے خدا بہت سارے معاملات میں آزاد بھی ہیں۔ ان میں باہمی رقابت اور مخالفت بھی پائی جاتی ہے اور یہ آپس میں لڑتے بھی رہتے ہیں۔

"ایک خدائے مطلق کا خیال جو تمام کل فانیوں اور غیر فانیوں کا خالق اور تمام انسان اور چڑیوں اور دیوتاؤں پر حاکم ہے۔ رگ وید میں پایا بے شک جاتا ہے لیکن محض ایک خاکہ کی صورت میں ہر ایک دیوتا جس کی مدح کی جاتی ہے۔ بھجن گانے والوں کی نظروں میں فی

الوقت تمام دیوتاؤں سے بڑا سمجھا جاتا اور بعض وقت تو یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی دیوتا مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔

اسے وہ اندر متر ورن اور اگنی کے نام سے پکارتے ہیں اور وہی پروں والا گرتمن ہے جو ایک ہے۔ اسی کو رشیوں نے بہت سے نام دے رکھے ہیں اور اسے اگنی یم اور ماتیرشوں کے نام سے پکارتے ہیں۔ (رگ وید پہلا منڈل 166 واں سوکت 46 ویں رچا)

پس گویا یہ ایک خدا مختلف صفات رکھتا ہے کبھی وہ آگ ہے کبھی موت اور کبھی اور کوئی قوت۔ رگ وید کے دسویں منڈل 86 ویں سوکت کے تیسری رچا میں یہ خیال کسی قدر واضح معلوم ہوتا ہے۔

"وہ باپ جس نے ہمیں بتایا ہے وہ خالق کی حیثیت سے کل اقوام اور کائنات کو جانتا ہے۔ وہی ایک خدا ہے دوسرے دیوتاؤں کو نام دینے والا سب اسی سے دریافت کرتے آتے ہیں۔"

لیکن اسی سوکت کے ساتویں رچا میں یہ خیال اتنا صاف نہیں رہتا اور ابتدا و انتہائے کائنات کے علم سے انسان کا عاجز ہونا تسلیم کر لیا گیا ہے۔

"تم کبھی نہیں جانو گے اسے جس نے کائنات کو بنایا۔ کوئی اور چیز تمہارے اور اس کے بیچ میں حائل ہے چاروں طرف کہر میں گھرے ہوئے پجاری بھجن گاتے ہوئے اور چڑھاوے چڑھاتے ہوئے بھٹک رہے ہیں۔" (تمدن ہند)

ہندوان بہت سے چھوٹے خداؤں یعنی دیوتاؤں کو بھی مانتے ہیں اور ان سب کو ایک خدا میں سمیٹ دیتے ہیں۔ اس کو شیوا ازم بھی کہا جاتا ہے۔ تامل ان کی ایک مستند کتاب ہے اس میں ایک رباعی درج ہے جس کا ترجمہ یوں ہے۔

تم کسی دیوتا کو اپنا معبود مان لو۔ وہی شیوا معبود اعلیٰ ہے۔

دوسرے دیوتا مرتے اور پیدا ہوتے ہیں تکلیف اٹھاتے ہیں اور گناہ کرتے ہیں۔ وہ تمہیں کوئی جزا نہیں دے سکتے البتہ شیوا جو معبود اعلیٰ ہے۔ تمہارے اعمال کو دیکھے گا اور تمہاری عبادت کی تمہیں جزا دے گا۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب آریا ہندوستان میں داخل ہوئے

تو اس وقت وہ عقیدہ توحید کو چھوڑ کر متعدد خداؤں کے پجاری بن چکے تھے۔ ان کے دیوتاؤں کے ناموں اور اہل یونان۔ روم اور ایران کے دیوتاؤں کے ناموں میں گہری مشابہت پائی جاتی ہے اگرچہ لہجہ میں تھوڑا سا تفاوت ہے مگر وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

ان کے عقیدہ توحید کو چھوڑنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ مذہب خاص لوگوں یعنی برہمنوں کے قبضہ میں آچکا تھا۔ جو من گھڑت عقیدوں کی تبلیغ کرتے تھے۔ برہمنوں نے مذہب کو اپنی روزی کا ذریعہ بنالیا۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے کھشتریوں اور دوسری قوموں کو یہ باور کرادیا کہ ہم ہی تمہارے معبود ہیں ہماری خدمت سے ہی تم کو مکتی حاصل ہوگی۔

سیاسی حالات

موہنجوداڑو اور ہڑپہ ہند کے قدیم ترین شہر ہیں جن کے آثار قدیمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان علاقوں میں ایک اعلیٰ قسم کی تہذیب موجود تھی رہائشی مکانوں کے نقشے' علیحدہ غسل خانوں کی موجودگی۔ جنوباً شمالاً متوازی وسیع شاہراہیں ان سے نکلنے والی چھوٹی گلیاں اور نکاسی آب کا عمدہ انتظام اس بات کی شہادت کیلئے کافی ہے کہ وہاں کا نظام حکومت و سیاست بڑا مثالی تھا۔ مگر اس کی تفصیلات تک پہنچنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔

جب آریا ہند میں وارد ہوئے تو ہڑپہ کا تمدن غالباً اپنے آخری سانس لے رہا تھا۔ ہڑپہ تمدن کے زوال کے بعد آریا ہند کے وارث ٹھہرے۔ آریوں کے پاس کوئی باقاعدہ نظام حکومت و سیاست نہ تھا۔ ہندوستان آنے کے بعد ان کا جو قبیلہ جہاں آباد ہوتا گیا وہاں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوتی گئیں وہ قبائلی نظام کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ اس لیے آریوں کے ابتدائی عہد میں ہندوستان کا ملک ان گنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر قبیلہ کا سردار ان کا راجہ ہوتا تھا۔ ان کے بزرگوں کی ایک کونسل اسے مشورہ دیتی تھی لیکن راجہ مختار مطلق ہوتا تھا اس کے لیے کسی مشورہ کو ماننا ضروری نہ تھا۔ رعایا سے مالیہ اور دیگر ٹیکس وصول کرسکتا تھا لیکن وہ پابند نہیں تھا کہ اپنی قوم یا قبیلہ کو بتائے کہ اس نے ان کے ادا کردہ ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی آمدن کہاں کہاں خرچ کی ہے۔ کوئی اس پر اعتراض نہ کرسکتا تھا۔ ان چھوٹی

چھوٹی ریاستوں میں فوجی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی جو کبھی کبھی قومی جنگ میں بدل جاتی تھی۔

بدھ حکمرانوں میں اشوکا اور ہرش جیسے عالی ہمت راجے ہوئے جنہوں نے ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ایک عظیم مملکت میں تبدیل کردیا لیکن جب ہندومت نے دوبارہ زور پکڑا تو ملک پھر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگیا۔

ذات پات کے نظام کی وجہ سے ہندوؤں میں ایک قومیت کا تصور کبھی نہ پنپ سکا۔ آریہ حملہ آوروں نے ہندوستان کے اصلی باشندوں کے ساتھ ہمیشہ انسانیت سوز سلوک کیا۔ وہ ہندوستان کے قدیم باشندوں کو چوتھے طبقے میں شمار کرتے تھے۔ انھیں بڑی حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا۔ ان کی ترقی اور خوشحالی کی ساری راہیں مسدود کردی گئی تھیں۔ وہ شودر کہے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہندوستان کی طویل تاریخ میں چند خاص صدیوں کے علاوہ کوئی منظم حکومت قائم نہ ہوسکی اور نہ کبھی ان میں ایک قومی نظریہ پروان چڑھ سکا۔

نیز پورے ہند کی کوئی مشترکہ زبان نہ تھی۔ بیسیوں زبانیں بولی جاتی تھیں رہن سہن کے طور طریقے الگ الگ تھے۔ خوشی اور غم منانے کے انداز علیحدہ علیحدہ تھے بلکہ وہ جن بتوں کو پوجتے تھے ان میں بھی کوئی یگانگت نہ تھی۔ ہر گاؤں اور علاقے کا علیحدہ دیوتا ہوتا تھا۔ ان حالات میں اتنے بڑے ملک میں ایک مرکزی حکومت کا قیام کسی طرح ممکن نہ تھا۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے اس ملک کو ایک دو صدیاں نہیں بلکہ قریب قریب ایک ہزار سال تک ایک مرکزی حکومت کے زیر سایہ رکھا۔

معاشرتی حالات

برہمنی تہذیب کے زمانہ شباب میں ہندی معاشرہ کے لیے ایک دستور مرتب کیا گیا جس میں سیاسی' تمدنی اور اخلاقی قواعد و ضوابط بیان کئے گئے ملک بھر میں اسے ایک آئینی اور قانونی دستاویز کی حیثیت سے قبول کرلیا گیا۔ آج تک ہندو دھرم کے پرستار اپنے تمام معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اس دستور کو "منوجی" نے مرتب کیا تھا۔ انھیں کے نام پر اس کتاب کو "منوشاستر" کہا جاتا ہے۔ منو نے یہ دستور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے

تین سو سال پہلے تیار کیا تھا۔ اس دستوری دستاویز میں ہندی معاشرہ کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ برہمن' کھشتری' ویش اور شودر۔

بوشم کی تحقیق یہ ہے کہ وید کے ابتدائی دور میں آریوں کے دو طبقے تھے ایک خواص کا اور دوسرا عوام کا۔ لیکن ویدوں کے آخری دور میں معاشرے کی تقسیم چار طبقات میں کر دی گئی سب سے اعلیٰ برہمن پھر کھشتری' پھر ویش سب سے نیچے شودر۔

(ہسٹری آف ریلیجن ایسٹ اینڈ ویسٹ)

شودر طبقہ ان قبائل کے افراد پر مشتمل تھا جو ہندوستان کے باشندے تھے اور جن کو ان کے ملک پر قبضہ کرنے والے آریوں نے مجبور کر دیا تھا کہ وہ ذلیل قسم کی خدمات انجام دیں۔

ویدوں کے مطابق اس تقسیم کی بنیاد ان کا مذہب تھا یہ بھی کہا جاتا تھا کہ کچھ برہمن آریوں کی اولاد تھے اور کچھ برہمن قبیلے' دیوی کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے تاکہ انسانی شکل میں دیوی کی نمائندگی کریں۔

اہل ہند نے اپنے معاشرہ کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر طبقہ کے لیے فرائض اور حقوق متعین تھے کسی کی مجال نہیں تھی کہ ان میں رد و بدل کر سکے۔ ان چار طبقات میں سب سے اعلیٰ طبقہ برہمنوں کا تھا۔ کیونکہ ان کے زعم باطل کے مطابق ان کی تخلیق برہمہ کے سر سے ہوئی تھی' دوسرا طبقہ کھشتریوں کا تھا جو برہمہ کے کندھوں اور ہاتھوں سے پیدا ہوئے تھے۔ تیسرا طبقہ ویش کا تھا جو براہم کے پاؤں سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کا کام تجارت اور کھیتی باڑی تھا اور سب سے گھٹیا طبقہ شودروں کا تھا مشہور تھا کہ ان کا باپ شودر تھا اور ان کی ماں برہمن' دونوں نے زنا کیا جس سے یہ پیدا ہوئے اس لیے یہ حد درجہ گھٹیا شمار ہوتے تھے۔ مگر منو کے مطابق برہمن برہمہ کے سر سے' کھشتری بازوؤں سے' ویش رانوں سے اور شودر پاؤں سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کو اجازت نہیں تھی کہ وہ شہروں میں عام بستیوں میں رہیں نہ وہ مذہبی کتب ویدوں کو پڑھ سکتے تھے اور نہ ایسی محفلوں میں شرکت کر سکتے تھے جن میں وید پڑھے جاتے۔ مبادا کہ وید کے کلمات ان کے کانوں سے ٹکرائیں۔ ویش یا شودر کا وید پڑھنا یا سننا ثابت ہو

جاتا تو انہیں انتہائی ظالمانہ سزا دی جاتی۔

ان طبقات کا ذکر علامہ البیرونی نے یوں کیا ہے۔

"اسلام تمام انسانوں کو خواہ وہ کسی خاندان سے تعلق رکھتے ہوں مساوی درجہ دیتا ہے صرف تقویٰ کی بنا پر کسی کا درجہ دوسرے سے بلند ہو سکتا ہے۔ اسلام کا نظریہ مساوات ہندوؤں کے لیے ایک بڑا حجاب ہے جس کے باعث وہ اسلام کو قبول نہیں کرتے اور اس کی تعلیمات سے دور بھاگتے ہیں۔"

ذات پات کی تقسیم نے ہندی معاشرہ میں عجیب قسم کے نشیب و فراز پیدا کر دیے تھے صرف برہمن کے لیے وید پڑھنا جائز تھا۔ کھشتری وید نہیں پڑھ سکتا تھا اسے صرف سننے کی اجازت تھی جبکہ شودروں کو یہ اجازت بھی نہ تھی۔ ہزاروں سال تک بھارتی معاشرہ ظلم و ستم اور بے انصافی کی چکی میں پستا رہا اور کسی کو اس معاشرہ کو اس حرماں نصیبی اور محرومی کی زندگی سے نجات دلانے کی ہمت نہ ہوئی۔

عورت کا مقام

ان کے ہاں عورت کسی حال میں آزاد نہ تھی۔ بچی ہے تو باپ کے ماتحت' جوان ہے تو خاوند کے زیر فرمان' بوڑھی ہے تو اولاد کی محتاج۔ زیورات کے علاوہ کسی جائیداد کی مالک نہیں ہو سکتی۔ اس پر فرض تھا کہ ہر حالت میں اپنے خاوند کا انتظار کرے اس کے جاگنے سے پہلے جاگے اس کے سونے کے بعد سوئے۔

ہندو مت میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت تھی۔ عام ہندو چار شادیاں کر سکتے تھے اور راجاؤں کے لیے بیویوں کی کوئی تعداد متعین نہیں تھی۔ وہ جتنی چاہیں بیویاں رکھ سکتے تھے۔ ہندو دھرم ستی کی رسم کو بڑی اہمیت دیتا تھا اور اس کو عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جو بیوہ اپنے خاوند کی چتا میں جل کر خاکستر ہو جاتی۔ اس کی بہت زیادہ تعریفیں کی جاتیں اور اگر وہ ایسا نہ کرتی اور زندہ رہنے کو ترجیح دیتی تو اسے بہت سی محرومیوں کا شکار بننا پڑتا۔ خوبصورت رنگین لباس وہ نہ پہن سکتی' زیورات استعمال نہ کر سکتی۔ دوبارہ شادی کی ا ـ

اجازت نہ تھی۔ اس کیلئے سرمنڈا کر رکھنا ضروری تھا اور اس کیلئے زیب و زینت ممنوع تھی۔ اس کی نندیں اس کے غمزدہ دل پر طعن و تشنیع کے تیر برساتی رہتیں اور اس کا جینا دوبھر کر دیتیں۔

ہندوؤں میں کثرت الشوہری کی رسم بھی رہی ہے یعنی ایک عورت کے کئی خاوند ہو سکتے ہیں۔ کشمیر کے پہاڑی علاقہ میں اب بھی ہندوؤں میں اس قسم کی رسوا کن شادیاں ہوتی ہیں۔ اسلام سے قبل عرب میں بھی اس قسم کی ذلت آمیز شادیوں کا رواج تھا۔ ہندوؤں میں ایک قبیح رسم یہ تھی کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کے لیے مباح کر دیتا اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں اپنی بیوی کو اجازت دیتا کہ وہ اس شخص سے ہم بستری کرے۔ اولاد کی خاطر اپنی بیوی کو کسی دوسرے کے پاس بھیج دیا جاتا کہ وہ اس سے حاملہ ہو اور اولاد پیدا کرے۔

عام رہن سہن

ہندو اپنے جسم کے بال نہیں مونڈا کرتے تھے ان کے ہاں موسم گرما میں سخت گرمی ہوتی اس کی وجہ سے ننگے رہتے تھے۔ سر کو سورج کی تپش سے بچانے کیلئے اپنے بڑھے ہوئے غیر تراشیدہ بالوں سے ڈھانپا کرتے تھے۔ اپنی ڈاڑھی کو مینڈھیوں کی شکل میں گوندھتے تھے۔ زیر ناف بالوں کو صاف نہیں کرتے تھے۔ ناخن نہیں تراشتے تھے۔ بڑھے ہوئے ناخن دولت و ثروت کی علامت تھے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کے سارے کام ان کے نوکر اور نوکرانیاں کرتی ہیں۔ بڑھے ہوئے ناخنوں سے اپنے سروں کو کھجلایا کرتے تھے۔ ان کے بالوں میں جوؤں کا جو لشکر رواں دواں رہتا تھا یہ بڑھے ہوئے ناخن ان کو پکڑنے کے کام بھی آتے تھے۔ وہ کھانا ایسے چبوترے پر بیٹھ کر کھاتے جسے گائے کے گوبر سے لیپا گیا ہوتا۔ مل کر کھانا کھانے کا ان کے ہاں کوئی تصور نہ تھا۔ ہر شخص علیحدہ علیحدہ کھانا کھاتا اور جو بچ جاتا اس کو استعمال نہ کرتے بلکہ باہر پھینک دیتے۔ عموماً مٹی کے برتن ہی استعمال کرتے تھے۔ کھانے کے بعد برتنوں کو بھی وہ باہر پھینکوا دیتے۔ پان کا استعمال عام تھا جس سے ان کے دانت سرخ رہتے تھے۔ خالی پیٹ شراب پیتے تھے اور اس کے بعد کھانا کھاتے تھے۔ گائے کا پیشاب چسکیاں لے لے کر پیتے مگر اس کا گوشت نہ کھاتے۔ سرنگی کی

تاروں سے مختلف راگ پیدا کرتے۔ دھوتیاں باندھتے بعض لوگ صرف دو انگل چوڑی لنگوٹی پر اکتفاء کرتے۔ کچھ لوگ شلوار پہنتے جس میں بہت زیادہ روئی ٹھونسی ہوتی۔ آزار بند پیچھے کی طرف باندھتے ان کے بٹن بھی پشت کی جانب ہوتے ان کی واسکٹیں بھی عجیب قسم کی ہوتیں بہت تنگ جرابیں پہنتے جن کو پہننا ایک مسئلہ بن جاتا غسل میں پہلے پاؤں دھوتے پھر منہ دھوتے۔ پہلے غسل کر لیتے پھر عورت سے صحبت کرتے۔ کھیتی باڑی کا کام عورتیں کرتیں۔ مرد آرام سے گھر بیٹھے رہتے ان کے مرد عورتوں کی طرح رنگین لباس پہنتے نیز کانوں میں بالیاں۔ ہاتھوں میں کڑے۔ انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہنتے اور بغیر زین کے گھوڑوں پر سوار ہوتے۔ کمر کے ساتھ ایک خنجر لٹکائے رکھتے۔ گلے میں زنار پہنتے ولادت کے وقت عورتوں کے بجائے مرد دایا کا کام کرتے۔ وہ چھوٹے بیٹے کو بڑے بیٹے پر فضیلت دیتے۔ گھروں میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب نہ کرتے۔ گھروں سے نکلتے وقت اجازت لیتے۔ مجالس میں چوکڑی مار کر بیٹھتے اور بزرگوں کے سامنے ناک صاف کرنے میں کوئی حرج نہ دیکھتے۔ بھری محفل میں جوئیں مارتے رہتے۔ زور سے ریح خارج کرتے اور اسے برکت کا سبب بتاتے لیکن چھینک مارنے کو برا شگون کہتے۔ پارچہ باف کو گندا اور حجام کو نظیف سمجھتے۔ ان کے کہنے پر جو شخص انہیں غرق کرتا یا جلاتا اسے اجرت دیتے۔ یہ ان کے اطوار اور طرز بود و باش کا نامکمل بیان ہے۔ مکمل بیان سے احتراز اس لیے کیا ہے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے ذکر سے حیا مانع ہے۔ (البیرونی)

قانون

یونانیوں کی طرح اہل ہند کا بھی یہ نظریہ تھا کہ قانون بنانے کا کام علماء اور حکماء سے متعلق ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ صرف اپنے علماء کی طرف ہی رجوع کیا کرتے تھے۔ وہ ایسے قوانین کے قائل نہ تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئیں اور لوگ ان کی پابندی کریں۔ پہلے احکام کو منسوخ کر کے ان کے بجائے نئے احکام کا نفاذ ان کے ہاں قبیح نہ تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بہت سی چیزیں باس دیو کی آمد سے پہلے حلال تھیں بعد میں حرام کر دی گئیں اور ان میں

سے ایک گائے کا گوشت ہے جو پہلے حلال تھا۔ لوگ اسے کھاتے تھے پھر اس کو حرام کر دیا گیا۔

نکاح اور نسب کے معاملات میں بھی کئی تبدیلیاں لائی گئیں تھیں۔ اس وقت تین صورتیں تھیں ایک یہ کہ میاں بیوی سے اولاد پیدا ہو اور انہیں کی شمار ہو جیسا کہ آج کل بھی ہے۔

دوسری یہ کہ باپ اپنی بیٹی کے بیاہ کے وقت شرط لگاتا کہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والا بچہ اس کے داماد کا نہیں اس کا کہلائے گا۔

تیسری یہ کہ کوئی اجنبی کسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرے اس سے جو اولاد پیدا ہو اس کا باپ وہ اجنبی نہیں بلکہ اس عورت کا خاوند کہلائے گا کیونکہ زمین خاوند کی تھی اور اس اجنبی نے زمین کے مالک کی اجازت سے اس میں صرف بیج ڈالا ہے۔ پانڈو شتن کا بیٹا اسی بنا پر کہلاتا ہے۔ شتن بادشاہ کے لیے کسی رشی نے بددعا کی۔ وہ بیوی سے محبت پر قادر نہ رہا۔ اس نے بیاس بن پراشسر سے کہا کہ وہ اس کی بیویوں سے محبت کرے تاکہ اس کیلئے بیٹا پیدا ہو۔ اس کی پہلی بیوی جب بیاس کے پاس آئی تو وہ کانپ رہی تھی چنانچہ اس کے ہاں بیمار اور زرد بچہ پیدا ہوا پھر اس نے دوسری کو بیاس کے پاس بھیجا وہ شرم و حیا سے منہ چھپائے ہوئے تھی۔ اس کے ہاں مادرزاد اندھا بچہ پیدا ہوا۔ جب تیسری رانی کو اس کی طرف بھیجا تو شتن نے اسے کہا کہ وہ نہ اس سے ڈرے اور نہ حیا کرے تو وہ ہنستی مسکراتی اس کے پاس گئی اس سے پانڈو پیدا ہوا جو پرلے درجے کا عیار اور عیاش تھا۔ یہ بھی آیا ہے کہ پانڈو کے چار بیٹوں کی ایک ہی بیوی تھی جو ایک ایک ماہ ہر ایک کے پاس رہتی تھی۔

عدل و انصاف

ہندی معاشرہ میں نظام عدل و انصاف کے خدوخال کچھ اس طرح کے تھے۔

قاضی کے سامنے دعویٰ تحریری طور پر پیش کیا جاتا۔ گواہ بھی پیش کیے جاتے تاکہ دعویٰ ثابت ہو سکے۔ گواہوں کی تعداد کم از کم چار مقرر تھی لیکن اگر گواہ ایسا ہوتا جس کی ثقاہت قاضی کے نزدیک مسلم ہوتی تو پھر اس ایک گواہ کی گواہی سے بھی قاضی مقدمہ کا فیصلہ کر دیتا۔ قاضی راز داری سے بھی حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کرتا اور ظاہری علامات و قرائن سے بھی

استدلال کرتا۔ اگر مدعی گواہ نہ لاسکتا تو پھر مدعا علیہ پر لازم تھا کہ وہ قسم اٹھائے۔ مدعا علیہ مدعی کو قسم اٹھانے کے لیے بھی کہہ سکتا تھا۔ قسم کی کئی صورتیں تھیں جس قسم کا دعویٰ ہوتا اسی انداز کی قسم بھی ہوتی اگر معمولی دعویٰ ہوتا اور مدعا علیہ اس پر تیار ہوتا کہ مدعی ہی قسم کھائے تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پانچ برہمن عالموں کے سامنے یہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو میرے نیک اعمال کا اجر جو اس دعویٰ کے آٹھ گنا کے برابر ہو اس کو دے دیا جائے اگر دعویٰ سنگین ہوتا تو اس کے لیے قسم کی یہ صورت تھی کہ قسم اٹھانے والے کے سامنے زہر کا پیالہ لایا جاتا اور کہا جاتا کہ اگر وہ سچا ہے تو یہ زہر اس پر اثر نہیں کرے گا۔ اس سے بھی سنگین قسم یہ تھی کہ قسم اٹھانے والے کو ایک تیز رفتار اور گہری نہر کے کنارے لایا جاتا یا ایسے کنوئیں کے کنارے کھڑا کیا جاتا جو گہرا ہوتا اور اس میں پانی کثیر مقدار میں ہوتا۔ پھر پانچ آدمی اس کو اٹھا کر اس گہری اور تند رو ندی میں یا گہرے کنوئیں میں پھینک دیتے اگر وہ سچا ہوتا تو نہ ڈوبتا اور اگر جھوٹا ہوتا تو ڈوب جاتا۔

قسم کا ایک طریقہ یہ تھا کہ قاضی فریقین کو اس شہر میں جو سب سے زیادہ قابل احترام بت خانہ ہوتا وہاں بھیج دیتا۔ مدعا علیہ ایک دن پہلے روزہ رکھتا دوسرے دن نیا لباس پہن کر مدعی کے ساتھ مل کر کھڑا ہو جاتا۔ بت خانہ کے خدام بت پر پانی ڈالتے اور اس کو پلاتے اگر وہ جھوٹا ہوتا تو فوراً اس کو خون کی قے ہو جاتی۔

ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ لوہے کو آگ میں تپایا جاتا کہ وہ پگھلنے کے قریب ہو جاتا پھر منکر کی ہتھیلی پر ایک پتہ رکھا جاتا اس کے اوپر یہ گرم ٹکڑا رکھا جاتا۔ اور اسے کہا جاتا کہ وہ سات قدم چلے پھر اس ٹکڑے کو پھینک دے اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا ہاتھ جل جائے گا۔ ورنہ نہیں۔ اور بھی اسی طرح کے کئی ظالمانہ طریقے تھے جن سے قسم اٹھانے والے کی سچائی یا کذب بیانی کا وہ پتہ لگاتے۔

ان کے نظام عدل میں ایک چیز یہ بھی تھی جس سے ان کا نظام عدل نظام جور و ستم بن گیا تھا۔ وہ یہ کہ فیصلہ کرتے وقت دیکھا جاتا کہ ملزم کون ہے اگر وہ اعلیٰ ذات کا فرد ہوتا تو اس کے لیے اور سزا ہوتی۔ اگر ادنیٰ طبقہ کا فرد ہوتا تو اسے اور سزا دی جاتی ہے جو اعلیٰ طبقہ کی سزا سے شدید تر ہوتی۔ قاتل اگر برہمن ہوتا اور مقتول کسی اور طبقہ سے تو برہمن سے قصاص نہ لیا جاتا

بلکہ وہ صرف کفارہ کے طور پر روزے رکھتا۔ صدقہ خیرات دیتا اور پوجا پاٹ کرتا اور اگر قاتل مقتول دونوں برہمن ہوتے تو قاتل برہمن سے کفارہ بھی نہ لیا جاتا بلکہ اس کا معاملہ دیوتاؤں کے سپرد کر دیا جاتا قتل کے علاوہ دوسرے جرائم جن کی سزا قتل تھی' یہ تھے گائے کو ذبح کرنا' شراب پینا' زنا کرنا۔ برہمن اور کھشتری کو سزا نہ دی جاتی بلکہ صرف اس کو مالی جرمانہ کیا جاتا یا ملک بدر کر دیا جاتا۔

اخلاقی حالت

وہ "سوما" کے پودے کو تمام پودوں کا بادشاہ کہتے تھے اور پوجا سے پہلے اس سے بنی ہوئی شراب کو پیتے تھے۔ سوما' ان کے دیوتاؤں میں سے ایک دیوتا بھی تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔

بڑے بڑے مندروں میں دیوداسیوں کے طائفے ہوتے تھے جو مورتیوں کے سامنے رقص کرتیں اور گیت گاتیں۔ مندر کے پروہت کو اختیار تھا کہ وہ کسی پجاری کو شاد کام کرنے کیلئے کسی دیوداسی کو پیسے لے کر اس کے پاس شب بسری کے لیے بھیج دے۔

علامہ البیرونی نے بھی اس قبیح رنڈی بازی کا ذکر کیا ہے۔ مشہور ہندو مورخ مسٹر ودیا لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ تمام مندروں میں پیشہ ور عورتیں ناچنے کے لیے اپنی زندگی وقف کیے ہوئے تھیں۔ خاص کر شیو جی کے مندروں میں یہ رسم عام تھی اور راجے ان مندروں سے خاص آمدنی حاصل کرتے تھے۔"
(مسلم ثقافت ہندوستان میں)

آج بھی ان کے قدیم مندروں کے باہر اور اندر عورتوں کی ننگی تصویریں اور برہنہ مجسمے جگہ جگہ نظر آتے ہیں مہادیو کے عضو تناسل کی پوجا عام ہوتی ہے۔ مرد وزن پیر و جواں سب اس میں شریک ہوتے ہیں اور اس کی شبیہ گلے میں لٹکاتے ہیں۔ سوامی دیانند اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں بیان کرتے ہیں۔

"حقیقت میں ہندوؤں کی خرابی کے آثار مہا بھارت کی جنگ سے ایک ہزار سال

پیشتر ہی رونما ہو چکے تھے ..... مہابھارت کی جنگ کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جوا' دھڑلے سے کھیلا جاتا تھا۔ جس میں بیویاں اور سلطنتیں تک داؤ پر لگا دی جاتی تھیں۔ اچھی خاصی عالی خاندان کی عورتیں پانچ پانچ خاوند کر لیتی تھیں۔" (مسلم ثقافت ہندوستان میں)

سوامی دیانند کا ایک اور حوالہ ملاحظہ کیجئے۔

"اب ان خودغرض مذہبی پیشواؤں نے ایسے باطل مذہبوں کی تلقین شروع کی جس سے کوئی بداخلاقی گناہ نہ رہی۔ زنا کاری کی نہ صرف عام اجازت دے دی گئی بلکہ ایک خاص موقع "بھیرویں چکر" پر شراب خوری اور زنا کاری مذہبا فرض قرار دے دی گئی۔ اس موقع پر مرد و عورت سب ایک جگہ جمع ہوتے۔ مرد ایک ایک عورت کو مادر زاد برہنہ کر کے پوجا کرتے اور عورتیں کسی مرد کو ننگا کر کے پوجتیں۔ اس موقع پر شراب پی جاتی اور بدمست ہو کر کوئی کسی کی عورت کو' کوئی اپنی یا کسی دوسرے کی لڑکی کو' کوئی کسی اور کی یا اپنی ماں بہن بہو وغیرہ کو جو وہاں موجود ہوتی پکڑ لیتا اور جس کے ساتھ چاہتا بدفعلی کر سکتا تھا۔" (مسلم ثقافت ہندوستان میں)

"اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر ایک ایسا مذہب پیدا ہو گیا تھا جو صرف خواہشات نفسانی پر مبنی تھا اس میں شراب کی پوجا کی جاتی اور ایک برہنہ مرد کے ہاتھ میں تلوار دے کر اس کو مہادیو کہہ کر اور ایک ننگی عورت کو دیوی قرار دے کر ان دونوں کی پوجا کی جاتی۔"
(مسلم ثقافت ہندوستان میں)

ان کی مذہبی کتابوں میں لکھی یہ حکایت ان کی اخلاقی باختگی پر بڑی اچھی طرح روشنی ڈالتی ہے کہ پراشسر جو بڑا زاہد اور پارسا تھا وہ ایک دفعہ ایک کشتی میں سوار تھا۔ اس کشتی میں ملاح کی بیٹی بھی تھی۔ یہ اس پر عاشق ہو گیا اس کو بہلانا پھسلانا شروع کیا تا کہ وہ اسے اپنے ساتھ بدکاری کرنے دے۔ آخر وہ اس کام پر تیار ہو گئی۔ کشتی کنارے لگی تو وہاں کوئی اوٹ نہیں تھی جس کے پردے میں وہ یہ قبیح حرکت کرتے۔ چنانچہ اسی وقت ایک دھند اٹھی اور بڑی ہو گئی کہ اس کے پردے میں انہوں نے اس مکروہ کام کو انجام دیا۔ اس زنا سے بیاس پیدا ہوا جو ان کے نامور فضلاء میں سے ایک تھا۔

تمدن ہند میں لی بان نے ہندوؤں کے اخلاق کی ان الفاظ میں وارد کی ہے۔

"ہندوؤں کی نسبت اگر کہا جائے کہ وہ تمام عالم کی اقوام میں سب سے زیادہ مذہبی ہیں تو ہمارے یورپی خیالات کے مطابق یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ تمام عالم کی اقوام میں ہندو اخلاق کے لحاظ سے سب سے کم درجے میں ہیں۔

دیوتاؤں کو خوش کرنا اور انہیں اپنے پر مہربان بنانا یہ وہ نتیجہ ہے جس کو ہندو اپنے ادنیٰ سے فعل میں ملحوظ رکھتا ہے اور کبھی اس سے قطع نظر نہیں کرتا لیکن اسے سخت تعجب ہوگا کہ اس پر ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ ان دیوتاؤں کو اس کے ذاتی افعال سے اس کی ایمانداری' اس کی عفت' یا راستبازی سے کچھ بھی دلچسپی ہے۔ نہ اسے اس بات کا یقین آئے گا کہ یہ زبردست دیوتا اس سے ناراض ہو جائیں گے۔ اگر وہ اپنے ہمسایہ کا مال لوٹ لے یا اپنی نوتولد لڑکی کو زندہ زمین میں گاڑ دے یہ بات البتہ اس کی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر وہ پوجا میں غفلت کرے یا روز کی طہارت سے غفلت کرے مثلاً کھانے سے پہلے ہاتھ نہ دھوئے یا کھانے کے بعد منہ صاف نہ کرے تو یہ دیوتا اس سے سخت ناراض ہو جائیں گے اور اس پر شاید عذاب نازل کریں گے۔"

(تمدن ہند)

معاشی حالت

آریوں کے کسب معاش کے دو طریقے تھے۔ ایک جانوروں کا شکار کرنا دوسرا گلہ بانی اور مویشی پالنا۔ لیکن ہندوستان میں آنے کے بعد انہوں نے زراعت کو اپنا پیشہ بنالیا۔ پنجاب کے زرخیز میدان' گنگا اور جمنا کے درمیان کا زرخیز علاقہ۔ ان کے تسلط میں تھا جہاں وہ کھیتی باڑی کرتے تھے جو اناج پیدا ہوتا اس کا کچھ حصہ حکومت کو خراج میں دیتے اور بقیہ سے اپنی ضروریات پوری کرتے۔ اس وقت عالی شان محلات اور بڑے بڑے شہروں کو آباد کرنے کا رواج ان میں نہ تھا۔ لوگ کچے مکان یا سرکنڈے کی جھونپڑیاں بنا کر زندگیاں بسر کرتے۔ لباس میں دھوتی پہنتے اور بعض دو بالشت چوڑی لنگوٹی پر قناعت کرتے۔

ہند میں انسانی تاریخ کے تقریباً ہر دور میں شہری تمدن اگرچہ موجود رہا ہے مگر ہزارہا سال سے اس کی آبادی کا بیشتر حصہ دیہی زندگی گزارتا رہا ہے اور ان کی معیشت کا انحصار زراعت پر

رہا ہے۔ زرعی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار کاشتکار ادا کرتا ہے۔ گاؤں اور گاؤں کے کاشتکار کی حالت ازمنہ سابقہ سے کیسی رہی ہے۔ اس کا ہلکا سا خاکہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

"اس قدیم زمانے سے جب کہ ہندوستان کی تاریخ شروع ہوئی ہے۔ ہند کا گاؤں بجائے خود ایک کامل سیاسی جز ہے جس کے اوپر صرف ملک کی حکومت ہے اصل میں ہندو کا سچا وطن گاؤں ہے۔ یہ اس کی معاشرتی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ یہی گاؤں اس حکومت کا مرکز ہے جس کی حفاظت میں وہ رہتا ہے۔ یہیں وہ قاضی ہے جو اس کو اپنے حقوق دلاتا ہے' یہیں وہ واعظ ہے جو اس کی روحانی صحت کا ذمہ دار ہے اور یہیں وہ طبیب ہے جو اس کی جسمانی بیماریوں کو چنگا کرتا ہے۔ اسی گاؤں میں شاعر اور ناچنے گانے والیاں ہیں جو اس کے دماغ اور آنکھوں کو لطف بخشتی ہیں۔ یہیں اس کے ہمسایہ اور ہم وطن ہیں وہ اسے چاروں طرف سے عزیز و اقرباء کی طرح گھیرے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد پھر اس بیچارے ہندو کو اس بڑے اور فرضی وطن کی کب ضرورت باقی رہی جو اکثر اس کیلئے بنا کر کھڑا کیا ہے۔ اسے ایسے وطن سے نہ تو کچھ توقع ہے اور نہ وہ اسے جانتا ہے۔ اگر اس وطن کا اسے کوئی خیال بھی ہے تو یہ ہے کہ اسے ہمیشہ ایک بھاری خراج دینا پڑتا ہے۔ کوئی فاتح کیوں نہ ہو جس نے اس وطن کو بزور شمشیر قائم کیا خواہ وہ دیسی ہو یا مسلمان یا نصرانی۔ وہ ہمیشہ نہایت سختی کے ساتھ اس خراج کو وصول کرتا ہے اور چونکہ بے چارہ گاؤں والا بجز اس کے کچھ نہیں جانتا کہ وہ اطاعت کرے اور روپیہ دے اسے مطلق پرواہ نہیں کہ حکومت کون کرتا ہے اور خراج کون لیتا ہے۔

ہزارہا انقلاب ہو گئے ہیں لڑائیاں ہوئی ہیں' حکومتیں قائم ہوئی ہیں اور اٹھ گئی ہیں لیکن اس بیچارے گاؤں والے پر ان کا کچھ اثر نہیں ہوا ہے۔ اس کے حکام نے ہمیشہ اس سے زر مانگا ہے مگر اس کی رسوم و عادات اور طرز معاش میں دست اندازی نہیں کی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہند کے گاؤں کے باشندے آج بھی وہی ہیں جو تین ہزار سال قبل تھے۔ ہند کا گاؤں اس وقت بھی قدیم آریہ معاشرت کی زندہ تصویر ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ کل ابتدائی انسانی معاشرتوں کی یہ مثال ہے۔ ہند کے گاؤں سے مراد نہ صرف مجمع مکانات کا ہے بلکہ اس ساری زمین کا بھی جو اس گاؤں سے متعلق ہے۔ گاؤں کے رہنے والوں کی ملک ہے۔ گاؤں کی

زمینات اکثر مجموعی ملک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تمام دنیا میں مجموعی ملکیت شخصی ملکیت سے مقدم رہی ہے لیکن اور ممالک میں اجتماعی ملکیت کے بعد ہی شخصی ملکیت قائم ہوگئی ہے۔ برخلاف اس کے ہند میں اب بھی وہی اجتماعی ملکیت موجود ہے اور زیادہ تر عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت بھی شخصی ملکیت اجتماعی ملکیت میں متبدل ہو رہی ہے۔" (تمدن ہند)

یہ بھی کہ

"یہ اجتماعی ملکیت دہری ہے ایک تو ہر ایک خاندان کے لحاظ سے اور دوسری مجموعی گاؤں کے لحاظ سے۔ گاؤں کی اجتماعی ملکیت خاندانی ملکیت سے نکلی ہے کیونکہ گاؤں خاندان کی توسیع سے پیدا ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں یہ تعریف لفظاً صحیح ہوتی ہے کیونکہ گاؤں کے کل رہنے والے ایک ہی جدِ اعلیٰ کی اولاد ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں سارا گاؤں گویا ایک خاندان ہے۔ بعض صورتوں میں گاؤں کے باشندے تین یا چار اجداد کی اولاد ہیں جن میں تھوڑے بہت بیرونی اشخاص شامل ہو گئے ہیں۔ کبھی کبھی تو یہ جدِ اعلیٰ جس کی گاؤں والے اپنے کو اولاد بتاتے ہیں محض فرضی ہوتا ہے لیکن فرضی ہو یا اصلی اس پر ہم جدی کا اثر مساوی ہے۔"

(تمدن ہند)

"اسی طرح جتنی زمینات کسی گاؤں کے باشندوں کی ملک ہیں اور وہ مل کر انہیں جوتتے بوتے ہیں۔ ان کے محاصل سے متمتع ہوتے ہیں گویا گاؤں کی اجتماعی ملکیت ہیں۔ جب فصل کاٹنا ختم ہو گیا اور غلہ کے ڈھیر لگا دیئے گئے اور اس میں سے ایک بڑا ڈھیر حکومت کیلئے علیحدہ کر دیا گیا تو گاؤں والے کے فرائض جو اس کے وطن سے متعلق ہیں ختم ہو گئے نہ اس کو دوسرے وطن کی ضرورت ہے نہ خواہش۔

جب حکومت اپنا شیئر کا حصہ لے چکی تو پھر گاؤں کے کاروباریوں میں تقسیم ہوتی ہے ایک معقول حصہ پٹواری کو جاتا ہے۔ ایک حصہ برہمن کو جاتا ہے اور اسی طرح گرداور کو۔ پانی تقسیم کرنے والے کو، حجام کو، کمہار کو، بڑھئی کو، لوہار کو، دھوبی کو، چمار کو، نجومی کو، حکیم کو اور بھاٹ اور ناچنے والیوں کو حصے تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ کل کاروباری اور ان کے علاوہ اور بھی کیونکہ ان کی تعداد گاؤں کی وسعت اور تمول پر موقوف ہے۔ گاؤں کے خرچ سے رکھے جاتے ہیں۔ ان

میں سے ہر ایک اپنے فرائض کے لحاظ سے ایک خاص ذات رکھتا ہے اور اسی کے اندر وہ شادی کر سکتا ہے اور انہیں کے ساتھ وہ کھا پی سکتا ہے لیکن یہ مختلف ذاتیں جو اس قدر سخت اور ایک دوسرے کو علیحدہ کرنے والی ہیں۔ گاؤں والوں میں کوئی رقابت نہیں پیدا کرتیں چونکہ ان سب کا اعتقاد یہ ہے کہ ایک ہی جد کی اولاد ہیں اس لئے وہ ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے ہیں۔ ان کی آپس میں ایک قسم کی مساوات ہے اور وہ اشخاص بھی جو نیچے درجے کا کام کرتے ہیں اپنی خدمات کے لحاظ سے اپنے ہم وطنوں کی نظروں میں ذلیل نہیں ہوتے۔

جس وقت کاروباری اپنا حصہ پا چکے تو پھر غلہ گھروں میں جاتا ہے اور ہر ایک کا حصہ بہت ہی کم رہ جاتا ہے۔ ہندو رعیت یعنی کاشت کار کو سخت خراج دینا پڑتا ہے اور جوان سے سبک دوش ہو جائے اور اس کے بعد بھی اس قدر بچ جائے کہ بال بچوں کو پال لے اور آئندہ فصل کیلئے بیج رکھ لے تو وہ بڑا خوش نصیب شخص ہے۔ بنگالے میں اگر کسی خاندان کو ڈھائی آنے یا تین آنے روز کے حساب سے بچ جائے تو وہ اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہے۔"

(تمدن ہند)

ہر ایک گاؤں کا حاکم ایک شخص ہے جس کو سب مل کر حاکم قرار دیتے ہیں۔ ان کی تحت میں ایک مجلس ہے جس کے ارکان عموماً پانچ ہوا کرتے تھے اور اسی وجہ سے اس کا نام پنچائت تھا لیکن اب ان کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے اور ان میں اکثر وہ کاروباری جن کا ذکر اوپر ہوا شامل ہیں۔ یہ بھی انتظام اس قدر قدیم ہے اور یہ ملک کے رسم و رواج میں اس درجہ شامل ہو گیا ہے کہ اسے کوئی بادشاہ محض اپنے حکم سے بدل نہیں سکتا تھا۔ کل فاتحین جو وقتاً فوقتاً ہند پر حکومت کرتے رہے اس انتظام کو قائم رکھتے رہے یہ انتظام غایت درجہ مفید بھی تھا کیونکہ گاؤں کی مالگذاری وصول کرنے کی ذمہ داری گاؤں کے حاکم پر تھی اور وہ رعایا سے وصول کر کے خزانہ شاہی میں داخل کرتا تھا۔" (تمدن ہند)

اصلاحی تحریکیں

"چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندومت کے خلاف دو اجتماعی تحریکیں ابھریں۔ یہ دونوں

مخالفین جین مت اور بدھ مت تھے اور انہوں نے ویدک ادب اور برہمن گرو کی تعلیم میں پیش کیے جانے والے نروان کو متبادل معنی دیے۔ جین مت اور بدھ مت دونوں نے وید کی قطعیت کو بحیثیت الہامی صحائف مسترد کر دیا اور ہندوستانی ذات پات کے نظام کی مذہبی اہمیت سے انکار کیا۔ ان دونوں نئے مذاہب (یا ہندومت کی نئی صورتوں) میں سے جین مت غالباً پہلا ہے۔" (مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا)

ویدوں کی بنیاد پر تشکیل پانے والے ہندومت نے معاشرے کو انتہائی ذلت آمیز طبقاتی تقسیم میں منقسم کر دیا تھا۔ منو کا قانون اس طبقاتی تقسیم کا محافظ تھا۔ اس تقسیم کی رو سے شودر سب سے زیادہ کم ذات تھا۔ وہ خواہ کتنا ہی ذہین، عقلمند اور باصلاحیت کیوں نہ ہو ذلت و رسوائی کی زندگی اس کا مقدر تھی۔ وہ معاشرے میں ترقی کا کوئی درجہ طے نہ کر سکتا تھا بلکہ آواگون کے چکر اور جنم جنم کے فلسفے کی شکل میں اسے یہ افیون کھلا دی گئی تھی کہ یہ اس کا پہلا جنم ہے۔ اس جنم میں وہ اپنی اس ذلت بھری حالت سے قطعاً ترقی نہیں کر سکتا اور عزت کا کوئی مقام اس کے مقدر میں نہیں ہو سکتا۔ اس ابتدائی زندگی میں وہ نہایت خوشدلی اور فرمانبرداری سے اوپر والی تینوں ذاتوں کی خدمت کرتا رہے۔ زندگی کی آخری سانس تک اسے یہی کرنا ہے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو مرنے کے بعد اوپر والی کسی ذات میں جنم لے گا۔ اوپر والی تینوں ذاتوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ دوہرے جنم والی ہیں۔ برہمن نے اپنے تفوق کو قائم رکھنے کیلئے ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی تھی کہ ترقی کا ذریعہ فقط آواگون ہی ہے۔ وہ کہتے انسان شودر پیدا ہوتا ہے پھر جنم در جنم کے چکر کے ذریعے ترقی کرتے کرتے برہمن کا رتبہ پالیتا ہے۔ جنم در جنم کے ذریعے ہی بالآخر وہ نروان حاصل کر کے ابدی نجات حاصل کرتا ہے۔ تاریخ، آواگون یا جنم جنم کا فلسفہ برہمن کا ایسا ہتھیار تھا جس کے ذریعے اس نے ہندو ذہن کو ذات پات کے نظام کی ذلت آمیز جکڑ بندی میں جکڑ رکھا تھا۔ معاشرے کی اکثریت شودر بن کر حیوانوں سے بھی بدتر زندگی گزار رہی تھی۔ مگر اس ظلم اور جبر کے خلاف وہ اف تک نہیں کر سکتے تھے۔ اچھی زندگی یا ترقی کرنے کی خواہش بھی ان کے لئے گناہ کبیرہ تھی۔ ان کی بھلائی اسی میں تھی کہ وہ چپ چاپ اوپر والوں کی خدمت کرتے رہیں۔ غلاموں جیسی زندگی گزاریں،

پستی اور ذلت کو قبول کریں، اوپر والے انہیں جس طرح رکھیں اسی طرح رہیں وگرنہ ڈر تھا کہ اگلے جنم میں وہ کسی جانور کی شکل میں پیدا نہ ہو جائیں۔ ویش، شودر کی نسبت تھوڑی سی بہتر حالت میں تھے جبکہ برہمن اور کھشتری کی عیش تھی۔ سب سے نچلی ذات کیلئے فلاح دارین ان کی ہر خدمت بجالانے میں تھی جبکہ اس سے کچھ اوپر والا درجہ رکھنے والی جاتی یعنی ویش کا کام زراعت و تجارت کے ذریعے برہمن اور کھشتری کو عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے کا ہر سامان مہیا کرنا تھا۔ چند لوگ عیش و آرام کی زندگی گزار رہے تھے جبکہ انسانوں کی عظیم اکثریت غربت و افلاس اور ذلت و پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اس نظام ذات کے خلاف وقتاً فوقتاً آوازیں اٹھتی رہیں مگر انہیں کوئی پذیرائی حاصل نہ ہوئی۔ اس کی بڑی وجہ غالباً برہمن، کھشتری گٹھ جوڑ تھا جو دونوں اعلیٰ ذاتوں کے مفادات کا محافظ تھا۔ مگر برہمن کو جو کچھ حاصل تھا اس کا سبب کھشتری کی عسکری اور انتظامی خدمات تھیں۔ کھشتری بجا طور پر یہ سمجھتا تھا کہ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے کہ برہمن کا سارا پندار اس کے سبب سے ہے مگر باوجود اس کے اسے دوسرے درجے کی مخلوق سمجھا جاتا ہے اور برہمن پہلے درجے پر فائز یقین کیا جاتا ہے۔ یوں دروں خانہ کھشتریوں میں برہمن مخالفت کے جذبات پائے جاتے تھے۔ بالآخر کھشتریوں ہی کے دو طاقتور خاندانوں کے چشم و چراغ مہاویر اور گوتم مذہبی پیشوائی کا لبادہ اوڑھ کر برہمنی نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی آواز کو پورے ہند میں توجہ سے سنا گیا۔ خصوصاً مؤخر الذکر کی تعلیمات کو جو پذیرائی پورے ہند میں حاصل ہوئی اس نے اسے نہ صرف پورے ہند کے محروم طبقات کا رہبر بنا دیا بلکہ کھشتریوں کی طاقتور جاتی اور ان کے راجے مہاراجے بھی اس کے پیروکار بن گئے۔ نظام ذات کا قلعہ مسمار ہو گیا اور برہمن کے تفوق کا محل زمین بوس۔ مہاویر کی تعلیمات جین مت اور بدھا کی بدھ مت کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ان دونوں رہنماؤں خاص طور پر گوتم بدھ نے لوگوں کو بتایا کہ اگر وہ اس کی تعلیمات پر عمل کریں تو نظام ذات کی سختیوں اور جنم در جنم کے چکروں میں پڑے بغیر اسی زندگی میں وہ نروان اور نجات ابدی کا مقام حاصل کر لیں گے۔ عوام کی عظیم اکثریت جو آج تک برہمنوں کے پڑھائے ہوا اس سبق پر چل رہی تھی کہ ان کی

نجات نظام ذات پر موقوف ہے اور انہیں جنم در جنم اس نظام کی سختیوں سے گزرنا پڑے گا۔ اس زندگی میں ان کیلئے نروان حاصل کرنا ممکن نہیں جب اس کے کانوں نے گوتم بدھ کی رس بھری آواز کو سنا اور یہ جانا کہ وہ اسی زندگی میں نجات اور نروان حاصل کر سکتے ہیں تو انہوں نے برہمن ازم کو چھوڑ کر گوتم کی پیروی اختیار کر لی۔

برہمن نے نجات کو ذات اور قربانی کے نظام سے منسلک کیا تھا۔ ذات برہمن کے تفوق کو قائم رکھنے کی ضامن تھی جبکہ قربانی اس کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ۔ دونوں اصلاحی تحریکوں نے ذات اور قربانی کو نجات کے ذرائع کے طور پر مسترد کر دیا اور نجات کے حصول کی متبادل راہیں متعارف کروائیں۔

لیوس مور لکھتا ہے۔

"جین مت اور بدھ مت دونوں قربانی کے نظام کو زندگی سے نجات حاصل کرنے کے ذریعہ کے طور پر مسترد کرتے ہیں۔ جیسا کہ وید میں سکھایا گیا ہے وہ دونوں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ زندگی سے نجات دیوتاؤں کے حضور قربانی کرنے یا کسی دوسری عبادت سے نہیں بلکہ فرد کی اپنی ہی زندگی کے کارناموں سے ملتی ہے۔ ان دونوں نے وید کو مقدس صحیفہ ماننے سے انکار کر دیا اور تعلیم دی کہ کسی بھی ذات کا کوئی بھی فرد جو اچھی زندگی گزارے نجات پا سکتا ہے۔

(مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا)

بدھ مت کو جین مت کی نسبت زیادہ کامیابی ملی کیونکہ جین مت کا پرچار گوتم بدھ کے ظہور سے پہلے ہو چکا تھا مگر وہ عوام میں زیادہ مقبول نہ ہو سکا تھا۔ گوتم بدھ نے جین مت کے تجربے سے بہت سے سبق حاصل کئے اور اپنی تعلیمات کو ان باتوں سے پاک رکھا جن کی موجودگی جین مت کے ایک عوامی تحریک بننے کے آڑے آئی تھی۔ جین مت نے اپنے پیروکاروں پر رہبانیت اور عدم تشدد کو ان کی انتہائی شکل میں مسلط کرنے کی کوشش کی۔ یہ بوجھ ایک عام آدمی کی ہمت سے باہر تھا۔ جینیوں کے ہاں اعلیٰ ترین مقام کا حصول زیادہ سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے میں تھا۔ وہ خود کو اتنا زیادہ بھوکا رکھتے کہ بھوک کی شدت سے ہلاک ہو جاتے۔ ان کی یہ روش ایسا حجاب تھی جس نے جین مت کو ایک عوامی تحریک بننے سے روک دیا

تھا۔ بدھا نے اپنے فلسفے اور پیغام میں ایسی رہبانیت اور ریاضت کی انتہا کو کوئی جگہ نہ دی جس نے بدھ مت کو ایک عوامی تحریک بنا دیا۔ لیوس مور کا کہنا ہے۔

"جب جین مت اپنی مقبولیت کے دور میں تھا تو اس نے عام آدمی سے اتنا زیادہ کچھ تقاضہ کیا کہ کبھی عوامی تحریک نہ بن سکا۔ جین مت کے نقطہ نظر کے بعد آنے والی صدیوں میں ہندومت نے اس کے رہبانیت اور اہنسا (عدم تشدد) کے نظریات کو اپنا لیا اور آج جین مت ہندوستانی باشندوں کی صرف ایک معمولی اقلیت ہے۔

بدھ مت بہت سی ایسی خواہشات اور عقائد میں سے ابھرا جنہوں نے جین مت کی بنیادیں تشکیل دی تھیں تاہم یہ تعلیم دیتا ہے کہ جب فرد پجاریوں اور قربانی کے نظام کے بغیر زندگی سے الگ ہو سکتا ہے تو رہبانیت کی انتہا ضروری نہیں۔ ایک دور میں بدھ مت اپنے زیادہ معتدل رویوں کے ساتھ ہندوستان کے مذہب کے طور پر ظاہر ہوا حتیٰ کہ ایک تبلیغی مذہب بن گیا اور دیگر ایشیائی اقوام کی طرف اپنے مبلغین بھیجے تاہم ہندومت نے انجام کار خود کو دوبارہ منوایا اور بدھ مت کے امتیازی خواص جذب کر لئے۔ بدھ مت کے بانی گوتم بدھ کو ہندو دیوتاؤں کے گروہ کا رکن بنایا گیا اور اس کی تعلیمات ہندومت کا ایک حصہ بن گئیں۔ پندرھویں صدی عیسوی کے آتے آتے ہندوستان میں چند ایک بدھی ہی رہ گئے۔"

(مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا)

یہاں جین مت اور بدھ مت دونوں کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا تاکہ قارئین دونوں تحریکوں کے اس اجمالی تعارف کے ساتھ کچھ تفصیلات سے بھی آگاہ ہو جائیں۔

جین مت

جین مت کے نقطہ آغاز کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے حالانکہ مہاویر (وردھمان) کو اس کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ مہاویر کی زندگی حکایتوں سے بھری ہوئی ہے۔ درحقیقت راسخ العقیدہ جین مت میں مہاویر بانیوں کے طویل سلسلہ میں سب سے آخری تھے۔ مہاویر سے قبل جین مت کی تشکیل میں تیس لوگ گزرے ہیں۔ مہاویر سمیت ان لوگوں کو تیرتھنکر

کہا جاتا ہے۔ انھیں ایسے مثالی انسان سمجھا جاتا ہے جنہوں نے اس زندگی اور نروان کے درمیان پل قائم کیا۔ مجموعی طور پر چوبیس تیرتھنکر اپنے معبدوں میں جین پرستوں کی عقیدت حاصل کرتے ہیں۔ (مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا)

جین مت کے سب سے بڑے مبلغ "مہاویر" کا یہ نظریہ تھا کہ انسان' حیوان' شجر' حجر ہر چیز ذی روح ہے روح جب بدن کی قید میں ہو تو اس کی نجات کی واحد صورت یہ ہے کہ وہ بدن کی قید کو توڑ کر اس سے آزاد ہو جائے۔ وہ دعاؤں اور پوجا پاٹ کو بے سود کہتا تھا۔ اخلاقی اور ذہنی نظم وضبط کی اہمیت پر اس کے ہاں بڑا زور تھا۔ بدن کے سارے تقاضوں کو نظر انداز کرنے میں وہ نجات کا راز بتاتا تھا۔ جین مت کے مذہبی رہبروں نے فنائے ذات پر اتنا زور دیا کہ کھانے پینے سے بھی رک گئے حتیٰ کہ بھوک پیاس کی شدت سے دم توڑ گئے۔ ایسی موت ان کے ہاں بڑی شاندار موت تھی۔ جین مت کا دوسرا اصول "اہنسا" یعنی عدم تشدد تھا۔ کسی انسان یا حیوان کی جان لینا تو دور کی بات ہے کیڑوں مکوڑوں' جڑی بوٹیوں کو تلف کرنا بھی ان کے نزدیک گناہ کبیرہ تھا۔ کھیتی باڑی بھی منع تھی کہ اس سے کیڑے مکوڑے اور جڑی بوٹیاں مر جاتی تھیں۔ پسندیدہ پیشہ صرف تجارت تھا۔

"مہاویر کے حالات زندگی کی تفصیلات بہت حد تک بدھ کی زندگی سے مشابہ ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ یہ تفاصیل بدھ مت سے لی گئی ہیں۔ بدھ کی طرح مہاویر چھٹی صدی قبل مسیح میں کشتریہ گھرانے میں پیدا ہوا اور اس کا باپ ایک معمولی حکمران تھا۔ دو بیٹوں میں سے مہاویر دوسرے نمبر پر تھا۔ داستان کے مطابق خاندان وافر دولت کا مالک تھا اور پر آسائش زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ شمالی ہندوستان میں مگدھ کے دارالحکومت ویشالی میں رہتے تھے۔ مناسب عمر میں مہاویر کی شادی ہو گئی اور اس کی ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اپنے مقام اور دولت کے باوجود وہ خوش نہ تھا' وہ اپنی اس خاموشی کا مذہبی حل چاہتا تھا۔ جب گھومتے پھرتے جوگیوں کا ایک گروہ اس کے گاؤں میں آ کر ٹھہرا۔ مہاویر نے ان کے فرقے میں شامل ہونے کی خواہش کی۔ تاہم ایک فرمانبردار بیٹا ہونے کے ناطے اس نے اپنے والدین کی موت کا انتظار کیا اور جب اس کے بڑے بھائی نے کامیابی سے خاندان کے معاملات سنبھال لئے تو پھر اس نے

اپنے خاندان بیوی اور بچے کو الوداع کہا' اپنی دولت اور آسائشوں سے پیٹھ پھیری' اپنے بالوں اور داڑھی کو منڈوایا اور مکتی کی تلاش میں مرتاضوں (جوگیوں) کے ساتھ جا ملا۔

مہاویر کو مرتاضوں کے اس گروہ میں اپنی مکتی نہ ملی جس کی اسے توقع تھی۔ اس کی بجائے اسے یہ یقین ہو گیا کہ روح کو اس زندگی سے نجات دلانے کی خاطر اور بھی زیادہ سخت ریاضت کی ضرورت ہے۔ مہاویر نے شدید ریاضت میں اپنی دلچسپی کے علاوہ انجام کار محسوس کیا کہ حصول نجات کیلئے اہنسا (عدم تشدد) کی پابندی بھی لازمی ہے لہٰذا وہ اپنے راستے پر چلتا چلا گیا۔

مہاویر کے حالات زندگی کے اس دور سے متعلقہ داستانیں اس کی اپنے اوپر عائد کردہ شدید ریاضت پر زور دیتی ہیں۔ چونکہ وہ لوگوں یا اشیاء کے ساتھ تعلق قائم نہیں رکھنا چاہتا تھا لہٰذا وہ جہاں بھی گیا وہاں ایک جگہ پر ایک سے زیادہ رات بھی قیام نہ کیا۔ برسات کے موسم میں وہ سڑکوں پر نکلنے سے پرہیز کرتا تاکہ کہیں نادانستہ طور پر اس کے قدموں کے نیچے کوئی کیڑا نہ آ جائے۔ خشک موسم میں وہ کیڑے مکوڑوں کے کچلے جانے سے محفوظ رہنے کیلئے چلتے ہوئے اپنے سامنے سڑک پر جھاڑو دیتا جاتا۔ وہ اپنے پینے والے پانی کو چھان لیتا تاکہ اس کے اندر موجود کسی بھی کیڑے وغیرہ کو نگلنے سے محفوظ رہ سکے۔ کسی بھی حقیقی مرتاض کی طرح وہ کھانے کیلئے بھیک مانگتا لیکن وہ بغیر پکا کھانا کھانے سے انکار کر دیتا اور صرف کسی دوسرے شخص کی چھوڑی ہوئی خوراک کھانے کو ترجیح دیتا تاکہ وہ خوراک کی موت کا باعث نہ بن جائے۔ اپنے جسم کو زیادہ بہتر طور پر اذیت دینے کیلئے وہ سردیوں میں سرد ترین اور گرم موسم میں گرم ترین مقامات کی طرف نکل جاتا اور ہمیشہ ننگا رہتا۔ جب بھی ناراض یا غصیلے لوگ اپنے کتوں کو مہاویر کے پیچھے بھیجتے تو وہ احتجاج کی بجائے انہیں کاٹنے کی اجازت دے دیتا۔ داستانیں ایسے وقت کے بارے میں بھی بتاتی ہیں جب مہاویر مراقبے میں تھا اور بعض لوگوں نے اس کے قریب آگ لگا دی تاکہ دیکھ سکیں کہ آیا وہ احتجاج کرتا ہے یا نہیں۔ اس نے ایسا نہ کیا۔ ریاضت کے بارہ مشکل ترین سالوں کے بعد اس نے جنم' موت اور دوبارہ جنم کے غیر مختتم چکر سے موکش (نجات) حاصل کر لی۔ اس طرح وہ اپنے پیروکاروں کے لئے جین (فاتح) بن گیا کیونکہ اس نے زندگی کی قوتوں کو بہادری سے فتح کیا تھا۔ اگرچہ مہاویر موکش حاصل کر چکا تھا'

وہ تیس برس مزید زندہ رہا اور بہتر سال کی عمر میں مر گیا۔

''دیگر ہندوستانی مذاہب کی طرح جین مت زندگی کو غیر مختتم تجسیم تو سمجھتا ہے۔ لوگ پیدا ہوتے' اپنی زندگیاں گزارتے اور مر جاتے ہیں اور دوبارہ جنم لیتے ہیں۔

جین مت کا فلسفیانہ نقطہ نظر دوئی ہے۔ جین مت کے مطابق دنیا دو اجزاء اور روح (جیو) اور مادہ (اجیو) سے بنائی گئی ہے۔ روح زندگی ہے' یہ ابدی اور اہم ہے۔ مادہ بے جان' حقیر اور برائی ہے۔ ساری کائنات کو روح یا مادہ کے طور پر شناخت کیا جا سکتا ہے۔ تمام لوگ مادے میں لپٹی ہوئی روح نظر آتے ہیں۔ جب تک روح مادے میں سمائی ہوئی ہے آزاد نہیں ہو سکتی اور زندگی کے غیر مختتم چکر میں رہنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ روح کو مادہ سے آزاد کرنا جین مت کا مقصد ہے۔ (مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا)

روح مادے یا جسم سے اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتی جب تک جسم کو سخت اذیت نہ دی جائے۔ چنانچہ جین مت کے پیروکار ہر طرح سے اپنے جسم کو تکلیف دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہی ان کیلئے سامان نجات ہے۔

''جینیوں کے صحائف کو آگم (ہدایت نامے) یا سیدھانت یعنی ''مقالے'' کہا جاتا ہے۔ راسخ العقیدہ جینی یقین رکھتے ہیں کہ یہ آگم مہاویر کے اپنے شاگردوں کو دیے گئے حقیقی وعظ یا تعلیمات ہیں۔ کئی جینی فرقے حقیقی اور ہا اعتماد آگم کی تعداد میں اختلاف رکھتے ہیں۔ متعدد کم مشہور آگم ابھی تک انگریزی میں ترجمہ نہیں کئے گئے۔''

(مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا)

جین فرقے

''80 عیسوی کے لگ بھگ جین اس مسئلے پر وسیع پیمانے پر تقسیم ہو رہے تھے کہ جین مت کا حقیقی مفہوم کیا تھا اور' وہ دو فرقوں میں بٹ گئے جو آج بھی قائم ہیں۔ جینی تعلیمات کی وضاحت میں نسبتاً زیادہ غیر جانبدار نقطہ نظر کا حامل فرقہ شویتامبر (سفید لباس) ہے۔ آج یہ گروہ مرکزی طور پر ہندوستان کے شمالی حصے میں آباد ہے۔ وہ کپڑے پہن کر مہاویر کی

تعلیمات کی اپنی وضاحت میں زیادہ آزاد رو ہیں اور ''سفید لباس'' کہلاتے ہیں کیونکہ وہ برہنگی کی ضرورت کو مسترد کرتے اور اپنے سنیاسیوں کو سفید لباس پہننے کی اجازت دیتے ہیں۔ وہ مذہب اور آشرم میں عورتوں کے داخلے کی بھی اجازت دیتے ہیں اور عورت کے نروان پا لینے کے امکان کو قبول کرتے ہیں۔ دونوں فرقوں سے شویتامبر زیادہ مقبول ہے۔

دوسرا فرقہ ''دیگامبر'' (آسمانی لباس) دونوں میں سے زیادہ انتہا پرست ہے اور اس کے ارکان مرکزی طور پر ہندوستان کے جنوبی علاقے میں آباد ہیں۔ دیگامبر قدیم نظریات سے منسلک ہیں اور اپنے سنیاسیوں سے تقریباً برہنہ ہونے کا تقاضا کرتے ہیں مکمل برہنگی عظیم رتبے کے حامل افراد کیلئے مخصوص ہے۔ مزید برآں وہ یقین رکھتے ہیں کہ عورتوں کو مکتی پانے کا کوئی موقع حاصل نہیں ہے اور وہ مرد کیلئے سب سے بڑی تحریص ہیں لہٰذا عورتوں کو آشرم اور معبد میں داخل ہونے سے منع کیا گیا۔ دیگامبر تو یہ بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ مہاویر نے شادی کی تھی۔

1973ء میں شویتامبر سے ایک تیسرا فرقہ گروہ کی حیثیت سے ابھرا۔ یہ گروہ ستھانک واسی کے طور پر پہچانا جاتا ہے اور معبدوں اور بتوں سے اپنی مخالفت کی بنا پر نمایاں ہے۔ یہ دیگر جین فرقوں سے اس لئے بھی مختلف ہے کہ یہ صرف 33 آگموں کو تسلیم کرتا ہے جبکہ دیگر چوراسی آگموں کے قائل ہیں۔ (مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا)

جین مت' ہندو دھرم کے نظریات سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ متاثر ہوتا رہا۔ آخر انہوں نے بھی کئی دیوتاؤں کی پوجا شروع کر دی۔ مہاویر کو بھی ایک دیوتا بنا لیا اور باقاعدہ اس کو پوجنے لگ گئے۔ ان کے اہم پیشوں میں سے ایک بھاری شرح سود پر قرضے دینا تھا۔ جس سے جین مت کے پیروکار بہت زیادہ دولت مند بن گئے۔ موجودہ دور میں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ ہندوستان کے ایک چھوٹے سے اقلیتی فرقے کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

بدھ مت

بہت زمانہ پہلے ہندوستان کے سرحدی علاقہ نیپال میں شاکیا قوم آباد تھی جس پر راجہ

شدھودھن حکومت کرتا تھا۔ وہ ہندوستان کے خودمختار راجوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے ہاں ۵۶۳ ق م میں گوتم یا گوتما پیدا ہوا جس نے آگے چل کر بدھ یعنی روشن ضمیر کے نام سے پوری دنیا میں شہرت پائی۔ گوتم اگرچہ شاہانہ ماحول میں پلا تھا مگر اپنی رعایا اور معاشرہ کے عام حالات اسے گہرے غوروخوض میں ڈبوئے رکھتے تھے۔ بدھ مت کی روایات کے مطابق ایک روز اس نے ایک بوڑھے کو دیکھا جس کی قوتیں جواب دے چکی تھیں بڑھاپے کی ناتوانیوں نے اس کو جکڑ لیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے چل رہا تھا۔ پھر اس نے ایک بیمار کو دیکھا جو ایک موذی اور انتہائی تکلیف دہ بیماری میں پھنسا ہوا تھا اور کراہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی نظر ایک مردہ کی لاش پر پڑی اس کے ورثاء اسے جلانے کیلئے مرگھٹ لے جارہے تھے۔ ان مناظر نے اسکی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ پھر اس نے ایک تارک الدنیا جوگی دیکھا جو بڑے اطمینان سے سڑک پر چلا جارہا تھا۔ گوتم اس سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے کہا کہ یہ جوگی ہر فکر و غم سے آزاد ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی شاہانہ شان وشوکت کی زندگی کو چھوڑ کر اس جوگی جیسی زندگی اپنائے گا۔ ایک رات جب اس کی جواں اور خوبرو بیوی محوِ خواب تھی اور اس کا کمسن بچہ اس کے پاس لیٹا ہوا تھا۔ گوتم نے ان دونوں پر الوداعی نظر ڈالی اور اپنے مقصود کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ اپنے جسم کی قیمتی پوشاک جس میں ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے اتار کر اپنے باپ کی طرف بھیج دی سر کے بال منڈا دیے۔ سالہا سال سیاحت میں گزارے لیکن گوہر مقصود نہ مل سکا۔ وہ انسانیت کے دکھوں کا سبب اور ان کا علاج دریافت نہ کر سکا۔ اس نے برہمن فلسفیوں کے حلقہ درس میں طویل عرصہ گزارا اور ان سے فلسفہ کا علم حاصل کیا پھر ریاضت شروع کی اور لگاتار چھ سال تک شدید قسم کی ریاضتیں کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن گیا پھر اس نے غوروفکر کے لیے مراقبہ کرنا شروع کیا۔ وہ پہروں مراقبہ میں مشغول رہتا۔ آخر ایک روز جب وہ شکستہ دل اور تھکا ماندہ بڑ کے ایک بڑے درخت کے نیچے مراقبہ کی حالت میں بیٹھا غوروفکر میں کھویا ہوا تھا۔ یکایک اس کے دل میں ایک روشنی پیدا ہوئی۔ اس روشنی سے اس پر وہ اسرار کھل گئے جن کی تلاش میں وہ سالہا سال سے مارا مارا پھر رہا تھا۔

یہ روشنی اسے ''گیا'' میں حاصل ہوئی۔ ''گیا'' صوبہ بہار کا ایک شہر ہے اور دریائے گنگا

میں آکر ملنے والے ایک چھوٹے دریا ''نیرنجارا'' کے کنارے آباد ہے۔ اس روشنی میں اس نے خیر اور شر کی حقیقت کو جان لیا۔ بدھ مت میں اس روشنی کو گیان کا نام دیا جاتا ہے۔ وہ اس روشنی کے دیدار میں یوں محو رہا کہ چار ہفتے مزید اسی مراقبہ میں گزر گئے۔ بجائے اس کے کہ وہ عمر بھر خود ہی اس روشنی سے لطف اندوز ہوتا رہتا۔ اس نے یہ مناسب سمجھا کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس راستہ کی خبر دے تاکہ انہیں بھی یہ روشنی نصیب ہو۔ چنانچہ چالیس سال تک تادم واپسیں وہ اپنے شاگردوں اور چیلوں کو جو حقیقت اس پر منکشف ہوئی تھی۔ اس کی تعلیم دیتا رہا۔ یہاں تک کہ اسی سال کی عمر میں اس نے وفات پائی۔ اس طویل عرصہ میں وہ بھیک مانگ کر اپنا پیٹ بھرتا رہا اور اپنے مشن کی تکمیل میں روز و شب مصروف رہا۔

گوتم کی تبلیغی مساعی

گوتم بدھ نے جس معاشرتی ماحول میں آنکھ کھولی اور شعور کی منزلیں طے کیں۔ اس میں برہمن کو مرکزی کردار حاصل تھا۔ مذہب' سیاست' معاشرت' معیشت' قانون اور اخلاق غرض زندگی کا ہر شعبہ برہمن کی گرفت میں تھا۔ گوتم کھشتری تھا۔ حاست ان کے خاندان کی میراث تھی مگر برہمن کا رسوخ اتنا بڑھ چکا تھا کہ کھشتری سیاسی اقتدار حاصل ہونے کے باوجود برہمن کے دست نگر تھے۔ وہ برہمن کے بغیر چل نہ سکتے تھے۔ وہ حکمران تھے مگر پھر بھی معاشرے میں دوسرے درجہ کے لوگ تصور کیے جاتے تھے جبکہ پہلے درجے کی حیثیت کا حامل فقط برہمن تھا۔ نتیجتاً کھلے بندوں نہ سہی مگر اندرونی طور پر کھشتری بھی برہمن مخالف تھا اور اس کے کردار کو محدود کرنا چاہتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ برہمن استبداد کے خلاف اٹھنے والی دونوں تحریکوں جین مت اور بدھ مت کے بانی کھشتری تھے۔ دونوں نے کوئی نیا مذہب پیش نہیں کیا۔ نئے دیوتا متعارف نہیں کروائے۔ نہ ہی ان کی تعلیمات کو الہامی کہا جا سکتا ہے بلکہ ان دونوں کی تعلیمات کا نکتہ ارتکاز برہمن مخالفت تھا۔ خاص طور پر قربانی کی رسم جو برہمن کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ تھی۔ انہوں نے اس پر ضرب کاری لگا کر اس راستے سے برہمن کی آمدنی کے امکانات کو قریب قریب مسدود کر دیا۔

برہمن کی اصل پہچان ان کا مذہبی کردار تھا مگر اپنی بدکرداری اور انسان دشمنی کے باعث وہ مذہبی اعتبار سے بانجھ ہو چکے تھے۔

زندگی کا قیام کس سے ہے؟

روح کیا ہے؟

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

دکھ' تکلیف' مصیبت اور پریشانی کی اصل کیا ہے؟

دنیا اور آخرت کی حقیقت اور ان میں کامیابی کا طریقہ کیا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جو انسانی ذہن میں فطری طور پر اٹھنے والے ہیں۔ دنیا کا ہر مذہب اپنے پیروکاروں کو ان حوالوں سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کامیاب مذہب کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو اس نوعیت کے سوالات پر مکمل اطمینان بخش جواب عطا فرمائے۔ برہمن اپنے اس مذہبی کردار میں ناکام تھا۔ عام لوگوں کو مذہبی لحاظ سے مطمئن کرنا اس کے بس میں نہ رہا تھا۔ لوگ مذہبی لحاظ سے پریشان تھے۔ سیاست' معیشت اور اخلاق و معاشرت میں برہمن کے منفی کردار نے انہیں برہمن بیزار بنا دیا تھا۔ عوام کی اکثریت برہمن سے متنفر ہو چکی تھی۔ عوام الناس کی عظیم اکثریت ویشوں اور شودروں کے محروم طبقات پر مشتمل تھی۔ وہ ذہنی طور پر برہمن کے باغی تھے مگر برہمن کھشتری گٹھ جوڑ کے سامنے بے بس و لاچار اور مجبور و مقہور خاموش زندگی گزار رہے تھے۔ جب گوتم بدھ کی شکل میں ایک حکمران کھشتری خاندان کا چشم و چراغ برہمن مخالفت کا نقیب بن کر اٹھا تو لوگوں کے باغی جذبات کو زبان مل گئی۔ صدیوں کا سفر عشروں میں طے ہوا۔ لمحوں میں دنیا بدل گئی۔ لوگوں نے برہمن کی پیروی ترک کر دی۔ گوتم ان کا پیشوا ٹھہرا۔ اسے بدھا (روشن ضمیر) کے عظیم لقب سے سرفراز کیا گیا۔ پہلے وہ ایک ریاست کا ولی عہد تھا۔ اب ہندوستان بھر کے محروم طبقات کا امام بن گیا۔

لی بان بدھ مت اور اس کی کامیابی پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"بدھ مذہب اور برہمنی مذہب میں اولاً بڑا فرق اخلاق اور رواداری اور نیکی کا ہے اور ثانیاً اس مذہب میں انسان کا درجہ اتنا بڑا رکھا گیا ہے جو کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔

فطرت نے اپنے بوقلموں تغیرات کے سلسلہ میں کم و بیش کامل صورتیں پیدا کیں۔ یہاں تک کہ انسان بنا اور یہ انسان اپنی نیکی اور قوت ارادہ کے زور سے اخیر میں چل کر نہ صرف خدا بن جا سکتا ہے بلکہ خدا سے بھی درجہ میں زیادہ یعنی وہ بدھ کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ وہ وجود کامل بن سکتا ہے۔ وہ وجود جس کا مثل کوئی نہیں جو عالم کی ابتدا ہے اور انتہا کل ہے اور کچھ نہیں غیر متناہی ہے اور پھر فنائے مطلق غرض عالم کا عرفان اور وجدان ہے جس طرح عالم دھوکے سے بنا ہوا ہے۔ اسی طرح یہ وجود بھی دھوکا ہے اور کچھ ایسا عظیم الشان اور اس کے ساتھ ہی غیر متعین ہے کہ ہم مغربی جن میں ہندو متکلمین کی نہ جرأت ہے اور نہ وہ بے باک متخیلہ جو صورت وحدہ کی پابندیوں سے برتر ہے اس کی تعریف ہی سے عاجز ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں یہ فوق القیاس بحث جو ہمارے مغربی دماغوں کو گھبرا دیتے ہیں۔ بدھ مذہب کے پیرووں میں کروڑوں اشخاص کے خواب و خیال میں بھی نہیں گزرے ہیں۔ وہ کروڑہا عام مخلوق جس نے سینکڑوں صدیوں کے اندر نیچے کے طبقے سے نکل کر اس مذہب کو قبول کیا اور جس کی غرض صرف یہ تھی کہ وہ بدھ پرستش گاہوں میں مغرور برہمنوں کے ساتھ کندھے لڑائیں اور ایک ہی جگہ بدھ کی مورت کے سامنے سجدہ میں جائیں۔ یا اس کی نشانیوں اس کے جام گدائی کی پرستش کریں۔ انہیں صرف بدھ مذہب کی رواداری اور مہربانی سے کام تھا اور وہ ہمیشہ اس روایت کو یاد کرتے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ شاکیامنی کے ایک ساتھی نے کسی نہایت کم ذات سے پانی مانگا۔ وہ بیچاری لرز گئی اور یہ خیال کر کے کہ اعلیٰ ذات والے کو مرنا قبول ہے لیکن کم ذات کے ہاتھ سے پانی پینا قبول نہیں کہنے لگی۔ سائیں جی آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں چنڈال ہوں۔ سائیں نے جواب دیا میں تجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ تو چنڈال ہے یا نہیں مجھے پیاس لگی ہے۔ اس لئے تجھ سے پانی مانگتا ہوں۔ اس واقعہ میں کس قدر سادگی کیوں نہ ہو۔ بغور دیکھا جائے تو ایک ہندو کے لئے یہ گویا معجزہ تھا اور ذات کی مصیبتوں سے نجات کی خوش خبری تھی۔

اصل بدھ مذہب یہ تھا گرچہ آگے چل کر اس کا فلسفہ بیہودہ خیالات سے بھر گیا اور اس کی پرستش میں برہمنی اعمال اور کریا کرم شدت سے شریک ہو گئے لیکن اس مذہب کی اصل نیکی اور

خیر و برکت نے وہ انقلاب عظیم دنیا میں پیدا کر دیا جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں پائی جاتی۔"

(لی بان' تمدن ہند)

"کسی مذہب میں ایسے خالص اخلاق کی تعلیم نہیں ہے۔ کسی میں اس قدر شیریں کلامی ہے اور نہ بندگان خدا کے ساتھ رحم دلی ہے۔ شاکیامنی نے ان ذرائع کو معلوم کر لیا جن سے انسان اپنے دنیوی مصائب کو برداشت کر سکے اور ساری خلقت اس پر آ لوٹی۔ یہ بادشاہ کا بیٹا جس نے صرف خلق اللہ کی مصیبت اور دکھ بٹانے کیلئے گدائی اختیار کی۔ جس نے ان کو نیکی اور خیرات کی تعلیم دی۔ فی الواقع دنیا کو اپنا فریفتہ بنا لینے والوں میں ایک بہت بڑا شخص ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں اس کا مذہب پھیلا ہے وہاں اس نے خلایق کے دلوں پر اپنی حکومت قائم کی ہے اور یہ حکومت صرف اس مذہب کے مشنریوں کے شیریں اخلاق اور نیکی اور ایثار نفس سے حاصل ہوئی ہے۔"

(لی بان' تمدن ہند)

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے۔

"بدھ مت' ایک صدائے احتجاج تھی جو ہندوستان میں پھیلے ہوئے رسم و رواج کے خلاف بلند ہوئی اس نے ویدوں کو مسترد کر دیا۔ طبقاتی تقسیم کا انکار کر دیا۔ ویدوں میں مذکورہ سارے دیوتاؤں کی خدائی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور اس سے نجات کا ایک آزاد طریقہ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔"

گوتم نے سخت ریاضتیں کی تھیں۔ پنڈتوں کے پاس رہ کر طویل عرصہ ہندو فلسفہ اور براہمی علوم سیکھنے میں گزارا تھا۔ اس کے فکر و نظر میں وسعت تھی۔ مراقبہ اور غور و فکر نے اس کی ذہنی صلاحیتوں کو باکمال بنا دیا تھا۔ افکار و نظریات کے بہت سے دریچے جن تک اس کا طائر تخیل پہنچا تھا دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ وہ بلا کا ذہین اور صاحب طرز خطیب تھا۔ اپنی بات انتہائی دلنشیں انداز میں دوسروں تک پہنچا سکتا تھا۔ درویشانہ زندگی گزارتا تھا۔ سادگی کی تعلیم دیتا تھا۔ بھیک مانگ کر گزارا کرتا تھا۔ عوام کی زبان کو ذریعہ اظہار بناتا تھا۔ سب کی سنتا تھا۔ سب سے کہتا تھا۔ انسانوں میں فرق پیدا کرنا اس کے دھرم سے خارج تھا۔ اس نے عالمی محبت کا نظریہ پیش کیا۔ خدمت خلق اور مصیبت زدوں کی امداد اس کا دستور عبادت تھا۔ وہ

زندگی کے تمام مسائل پر بات کرتا تھا۔ گھریلو زندگی' کاروباری معاملات اور عام زندگی کے مسائل اس کے وعظ کا موضوع ہوا کرتے تھے۔ لوگوں کو ہر معاملے میں افراط و تفریط سے بچنے کی تاکید کرتا تھا۔ دوسروں کی دلآزاری سے خود بھی بچتا اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا۔ اس کا پہلا تبلیغی خطاب سارناتھ شہر میں ہوا تھا۔ وہ کم و بیش چالیس سال تک بستی بستی گھوم پھر کر اپنے نظریات کا پرچار کرتا رہا۔ بالآخر اس کی تبلیغی مساعی رنگ لائیں۔ عوام کی اکثریت نے اس کے نظریات کو قبول کر لیا۔ بہت سے حکمران بھی اس کے پیروکار بن گئے۔ ہسٹری آف ریلیجن کے مطابق ہندوستان کی آبادی کی اکثریت نے بدھ مذہب کو قبول کر لیا۔ چند سال قبل جہاں ہندومت اور برہمنوں کی برتری کا طوطی بول رہا تھا۔ اب وہاں بدھ مت کے چرچے ہونے لگے۔ اس مذہب کی خوش قسمتی تھی کہ اسے اشوک' کنشک اور ہرش جیسے عالی ہمت مہاراجوں کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ انہوں نے اس مذہب کو پھیلانے کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں ایسی چٹانیں اور فولادی ستون پائے جاتے ہیں جن پر بدھ مت کے بنیادی اصول کندہ ہیں۔ جو شخص بھی ان چٹانوں یا ان فولادی لاٹوں کے پاس سے گزرتا وہ بدھ کی تعلیمات کا مطالعہ کرتا ان سے متاثر ہوتا اور اس کا مذہب قبول کر لیتا۔ اشوکا نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے مختلف ممالک میں تبلیغی وفد بھیجے۔ چنانچہ کشمیر' لنکا' ہمالیہ کے علاقوں' مغربی ہند' جنوبی ہند اور ساٹرا سمیت بہت سے علاقوں اور قریبی ملکوں میں بدھ مت کا پیغام عام ہو گیا۔

"حکومت روما میں جس وقت قسطنطین نے مذہب عیسائی اختیار کیا۔ اسی وقت یہ مذہب تمام ملک کا مذہب بن گیا۔ اسی وجہ سے مورخین نے شاہنشاہ اشوک کو بدھ کا قسطنطین کہا ہے اور یہ نام اس کے لئے ہر طرح موزونیت رکھتا ہے۔ وہ بیش بہا دستاویزات جن کو اشوک نے کتبوں کی صورت میں جو ستونوں اور چٹانوں پر کندہ ہیں چھوڑا ہے۔ اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ اس نے کس مستعدی کے ساتھ اس نئے مذہب کی اشاعت کی۔ ان احکام کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مذہب کی جس تعلیم نے عوام الناس کے دلوں پر اثر ڈالا اور شودر چنڈال و برہمن ہر ایک کے دل کو گرویدہ کر دیا وہ اس کا اخلاق اور محبت اور خیرات تھی۔"

(لی بان' تمدن)

پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں۔

"اشوکا نے خود تخت شاہی پر بیٹھنے کے چھ سال بعد بدھ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر بدھ مت کو قبول کیا۔ وہ اس سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے شاہی خزانوں کے منہ عوام کی فلاح و بہبود کیلئے کھول دیئے۔ اس وجہ سے اس مذہب کو ہندوستان میں مزید مقبولیت حاصل ہوئی حتیٰ کہ کئی برہمنوں نے بھی بدھ مت کو بطور مذہب قبول کر لیا۔" (ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

گوتم کی تعلیمات کے مطالعہ سے آشکار ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات مذہبی نوعیت کی نہ تھیں بلکہ معاشرتی اور اخلاقی نوعیت کی تھیں۔ اس نے دیوتاؤں کا انکار نہیں کیا مگر انہیں ماننے پر زور بھی نہیں دیا۔ اگر کوئی شخص دیوتاؤں کا کلیۃً انکاری اور خالق کائنات تک کے وجود سے منکر ہوتا تو بھی وہ بدھ مت میں داخل ہو سکتا تھا اور گوتم کی تعلیمات سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ خدا کے وجود کے اقرار و انکار کے اعتبار سے گوتم کے افکار قریب قریب لاادری نوعیت کے تھے یعنی میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ روح کے وجود کو نہیں مانتا تھا۔ نہ روحانی ترقی و ارتقاء کا اس نے کوئی پروگرام پیش کیا۔ وہ صرف مادے کو مانتا تھا۔ یوں اس کا نظریہ صرف مادی نظریہ تھا۔ روحانی حقائق کیلئے اس میں کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ کہتا تھا کہ کسی شخص کی ذات کا کوئی وجود ہی نہیں۔ چند صفات اور خصوصیات کے مل جانے سے ایک ذات تشکیل پا جاتی ہے اور ان کے بکھر جانے سے وہ فنا ہو جاتی ہے۔ باوجود اس کے وہ تناسخ کا بھی قائل تھا حالانکہ اس نظریہ میں روح کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ روح کے مختلف قالبوں میں پھرتے رہنے کو تناسخ یا آواگون کا چکر کہتے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک اس چکر میں انسان ہمیشہ مبتلا رہتا ہے مگر گوتم دعویٰ کرتا ہے کہ جو میری راہ پر چلے گا وہ ایک ہی جنم میں نروان حاصل کر کے آواگون کے چکر سے چھٹکارا پا جائے گا۔ اس کی تعلیمات کا یہ تضاد ایک ناقد کے ذہن کو اس جانب متوجہ کرتا ہے کہ اس کا نظریہ بنیادی طور پر برہمن مخالفت کے گرد گھومتا تھا۔ وہ کسی خاص مذہب کا بانی نہیں تھا اور نہ کوئی الہامی تعلیم لے کر دنیا میں آیا تھا۔

بدھ مت اور مسئلہ تناسخ کے بارے میں لی بان نے لکھا ہے۔

"یہ عالم جو کہ ہمیشہ رہے گا بدھ مذہب میں ایک نیستی مطلق مانا گیا ہے جو بالکل غیر متناہی ہے۔ بعض اوقات خواہش کی وجہ سے اس میں ایک شکل کا ایک شخص پیدا ہوتا ہے جس میں حس، علم اور ارادہ ہوتا ہے۔ یعنی وہ جینے لگتا ہے پھر تو زندگیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ نیستی مطلق جس نے شکل پکڑی ہے۔ اس وقت سے برے اور بھلے افعال پر قادر ہو جاتی ہے اور اپنی اصلی حالت سکون پر صرف نیک افعال کے ذریعہ سے عود کرتی ہے۔ کسی اعلیٰ درجہ میں یا کسی اور ادنیٰ درجہ میں پیدا ہونا یہ صرف کرم پر موقوف ہے جس سے مراد ان افعال و اقوال و خیالات کا مجموعہ ہے جو اس شخص سے کسی ایک زندگی میں سرزد ہوں۔ اس کرم کے لحاظ سے بالآخر وہ انسان کی صورت میں آتا اور اس کے بعد وہ راہب بنتا اور پھر بودھی ستو کے درجہ کو طے کرتا ہوا بدھ کے درجہ کو پہنچ کر بالآخر اسی نیستی مطلق میں عود کرتا جس سے خواہش نے اسے نکالا تھا۔ جب تک وہ زندہ تھا۔ خواہش اس پر غالب تھی اور اس کو انواع و اقسام کے دکھ درد میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔ پس ہر ایک بدھسٹ کا مآل زندگانی یہی ہے کہ وہ خواہش کو مارے تاکہ سنسار کے جنجال سے نجات پا کر سکون مطلق حاصل کرے۔ اس نتیجہ کو حاصل کرنے میں اسے نیکی سے مدد ملتی ہے یعنی نیک کام، نیک ارادہ، نیک گفتگو اور نیک خیالات سے اس کی آخری نجات میں ان سب کا حصہ ہے اور کوئی ان میں سے بے اثر اور بیکار نہیں ہو جاتا۔ یہ کرم کا مسئلہ جس کی رو سے ہر شخص اپنی زندگی ماقبل کے اعمال کے مطابق دوسری زندگی میں جنم لیتا ہے خود برہمنی مذہب کا بھی جزو اعظم تھا۔ فرق اسی قدر ہے کہ مذہب بدھ کا اخلاق بہت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اس میں اندرونی زندگانی کے افعال کا بھی لحاظ کیا جاتا تھا اور انسان کی نیت دیکھی جاتی ہے۔ انجیل کی طرح بدھ مذہب میں بھی جو کوئی اپنی بنی نوع کو نقصان پہنچاتا۔ وہ بمنزلہ قاتل کے خیال کیا جاتا اور جو کوئی ممنوعات کی خواہش کرتا وہ عیاش سمجھا جاتا۔ علاوہ بریں اس مذہب میں توبہ سے گناہ دھلتا نہیں تھا۔ کسی قسم کے کفارہ سے خواہ بالارادہ ہو یا بلا ارادہ کسی فعل کے برے نتائج رک نہیں سکتے تھے اور سب سے بڑا فرق ان دونوں مذاہب میں یہ تھا کہ بدھ مذہب نے اعلیٰ درجہ کی خیرات اور فروتنی اور نیکی اور شیریں اور عام رواداری کی تعلیم کی تھی جس کا وجود تک برہمنی مذہب میں نہیں تھا۔" (لی بان' تمدن ہند)

سابق میں گزر چکا ہے کہ جب آریا وارد ہند ہوئے تو مردوں کو دفناتے تھے۔ الہامی مذاہب کے پیروکاروں جیسا عقیدہ آخرت رکھتے تھے۔ تناسخ یا آواگون کے قائل نہ تھے۔ مردوں کو آگ میں جلانا اور تناسخ کا قائل ہونا آریوں کی آمد سے قبل یہاں پر آباد ہندی اقوام کا شیوہ تھا۔ آریاؤں نے قدیم ہند کے باشندوں پر حکمرانی قائم کرنے اور یہاں اپنی جگہ بنانے کیلئے جو اقدامات کئے ان میں یہ بھی تھا کہ خود کو قدیم ہندیوں کے رنگ میں رنگنے کیلئے ان کے مذہبی شعار کو اپنالیا۔ یعنی مردوں کو جلانے لگے اور تناسخ کے قائل ہو گئے۔ آہستہ آہستہ آریاؤں اور قدیم ہندیوں کے ملنے سے موجودہ ہندومت تشکیل پایا جس میں برہمن کو روحانی قوتوں کا نمائندہ مان لیا گیا۔ یوں سماج میں مرکزی مقام برہمن کو حاصل ہو گیا۔ آریا اگرچہ ہندی سماج میں اپنے لیے ایک اچھی جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے اور حکمران قوم بھی بن گئے مگر قدیم ہندی باشندے ان کے مقابلے میں عظیم اکثریت میں رہے۔ لہٰذا قدیم ہندیوں کو اپنی غلامی میں جکڑے رکھنے کیلئے مردوں کو جلانا اور آواگون کو ماننا ضروری قرار پایا تاکہ قدیم ہندی یہ باور کئے رہیں کہ برہمن ازم اور ہمارا مذہب الگ الگ نہیں ہے۔ سب لوگ ایک ہی مذہب کے پیروکار متصور ہوں اور برہمن کو دیوتاؤں کی اولاد اور روحانی قوتوں کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے اپنا رہبر و پیشوا تسلیم کیے رہیں اور اس کے پڑھائے ہوئے سبق پر چلتے رہیں۔

برہمن کے طاقتور مذہبی کردار کو ختم کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ یہ تھا کہ روح اور روحانی قوتوں کا سرے سے انکار کر دیا جائے۔ جب روحانی قوتوں اور روح ہی کو تسلیم نہ کیا جائے گا تو ان کا نمائندہ بھی خود بخود بے حیثیت ہو جائے گا۔ گوتم نے یہی کیا اس نے روح کا انکار کر کے برہمن کے کردار کو غیر اہم بنا دیا۔ مگر عوام خصوصاً قدیم ہندیوں کی حمایت حاصل کرنے کیلئے آواگون کو مانتا رہا۔ عوام میں اس کی مقبولیت بڑھتی چلی گئی۔ برہمن کا کردار ختم ہوتا گیا مگر گوتم کی تعلیمات کا یہ تضاد آنے والے ناقدین پر اس حقیقت کو منکشف کرنے کا وسیلہ بن گیا کہ گوتم کوئی الہامی تعلیم لے کر نہیں آیا تھا بلکہ اس کا نظریہ اس کے اپنے تشکیل دیے ہوئے فلسفے پر قائم تھا۔ جس کی بنیاد برہمن مخالفت پر رکھی گئی تھی۔ یہ مخالفت برہمن کھشتری مخاصمت کا شاخسانہ تھی یا سماج سدھار کی خواہش کا ثمرہ۔ اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

البتہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بدھا کی شخصیت ایک عہد ساز اور انقلابی شخصیت تھی۔ اس نے ویدک دیوتاؤں کی اہمیت کو یکسر ختم کر دیا۔ قربانی ممنوع ٹھہری۔ ذات پات کی تقسیم منسوخ ہو گئی۔ تمام انسان برابر تصور ہونے لگے۔ ہندی عوام کی اکثریت اس کے ساتھ ہو گئی۔ اس کی مقبولیت نے برہمن کی بالادستی کو خاک میں ملا دیا۔

بدھا نے تعلیمات کی بنیاد چار باتوں پر رکھی جنہیں بدھ مت والے چار مقدس سچائیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

۱- زندگی مصائب و آلام سے بھری ہے۔

۲- مصائب خواہشات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

۳- جس نے اپنی خواہش کو ختم کر دیا وہ مصائب سے آزاد ہو گیا۔

۴- خواہش سے نجات پانے کیلئے بدھا کی راہ پر چلنا ضروری ہے۔

بدھا نے جو راہ بتائی وہ تین مرحلوں پر مشتمل ہے۔

پہلا مرحلہ اچھائی کا ہے۔

اچھائی سے مراد اچھا عمل ہے یعنی کسی زندہ کی جان تلف نہ کی جائے۔ جھوٹ نہ بولا جائے چوری نہ کی جائے۔ جنسی بے راہ روی سے بچا جائے۔ نشہ سے مکمل طور پر پرہیز کیا جائے۔

دوسرا مرحلہ غور و فکر یا دھیان گیان کا ہے۔

اسے مراقبہ بھی کہتے ہیں اس میں کسی ایک چیز پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کی مشق کی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ ارتکاز توجہ یا یکسوئی کا اعلیٰ درجہ حاصل کیا جاتا ہے۔ ارتکاز توجہ کے بلند مقام پر پہنچ کر بندہ حکمت یا گیان کی منزل کو پا جاتا ہے اور اس پر وہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے جس کے بارے میں بدھا نے خبر دی۔ یہی نروان ہے۔ نروان تک پہنچنا یہ بدھ کی بتائی ہوئی راہ کا تیسرا مرحلہ ہے۔

تحریف اور فرقہ بندی

بدھا کی زندگی میں اس کی تعلیمات میں مذہبیت کا کوئی عنصر نہ تھا۔ اس کے مرنے کے

بعد ایک صدی یا دو صدیوں کے اندر اندر بدھ مت کے پیروکاروں نے اپنی مخصوص مذہبی رسوم، راہبانہ علامات، مافوق الفطرت عناصر وضع کر لیے۔ رفتہ رفتہ ہندوستان میں بدھ مت، راہبوں اور راہبات کے طبقہ کا نام بن گیا۔ اس طبقہ میں ہر کس و ناکس کو شریک نہیں کر لیا جاتا تھا۔ بلکہ داخلہ کے امیدواروں کو پہلے طویل ریاضتیں کرنا پڑتیں۔ تربیت کی تکمیل کے بعد امیدوار اپنا سر منڈوا دیتا۔ زرد رنگ کا لباس پہنتا اور قسم کھا کر یہ وعدہ کرتا کہ وہ افلاس اور پاکیزگی کی زندگی بسر کرے گا۔ بدھ راہب موسم برسات کے تین ماہ اپنی اپنی خانقاہوں میں بسر کرتے باقی نو ماہ وہ شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں گھومتے رہتے۔ لوگوں سے بھیک مانگتے اور اس سے اپنا پیٹ بھرتے۔

بدھ مت بہت جلد فرقہ واریت کا شکار ہو گیا۔ ہر فرقے نے اپنی عبادت گاہیں اور خانقاہیں الگ بنالیں۔ ان کی عقیدت کا مرکز تو گوتم ہی رہا مگر تعلیمات میں بُعد المشرقین پیدا ہو گیا۔ ان تمام فرقوں میں سب سے زیادہ مقبولیت دو فرقوں کو حاصل ہوئی۔ ایک کو ہنایانہ اور دوسرے کو مہایانہ کہتے ہیں۔

ہنایانہ فرقہ ہندومت سے کافی بُعد رکھتا ہے۔ یہ لوگ قدیم بدھوؤں کی طرح ریاضتیں کرتے اور مشقتیں اٹھاتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ تین انسانی زندگیوں میں مسلسل محنت اور ریاضت کے ذریعے بندہ نروان کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نروان حاصل کرنے کے بعد گوشہ نشینی اختیار نہیں کرنی چاہئے بلکہ بدھا کی طرح لوگوں میں رہ کر ان میں خیر کا فیض بانٹنا چاہئے۔ یہ لوگ اگرچہ گوتم کو ایک انسان ہی سمجھتے ہیں مگر ساتھ ہی ایک دیوتا کی طرح اس کی پوجا بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ گوتم کی عدم تشدد کی تعلیمات پر بھی قائم ہیں۔

دوسرا بڑا فرقہ مہایانہ ہے جو اپنی اصل چھوڑ کر مکمل طور پر ہندوانہ رنگ میں رنگ چکا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں اس فرقہ کے بارے میں یوں اظہار رائے کیا گیا ہے۔۔

"بدھ مت کو ہندو مت کے رنگ میں رنگنے کا دوسرا نام "مہایانہ" ہے۔ یہ فرقہ بدھا کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اس کی قوت، دانشمندی کی کوئی حد نہیں۔ یوں تو بدھا نروان بہت جلدی حاصل کر سکتا تھا لیکن انسانی مصائب سے شفقت اور ہمدردی

کے اظہار کیلئے اس نے اس مقام پر پہنچنے میں دانستہ تاخیر کی۔ جین مت سے متعلق بھی یہ بات واضح ہے کہ انہوں نے رامائنا کو اپنا لیا اور اسے اپنا مقدس مذہبی صحیفہ مان لیا ان باتوں سے یہ شہادت ملتی ہے کہ ان نئے اٹھنے والے مذہبوں نے اس رغبت کا اظہار کیا کہ وہ خود کو ہندوؤں کے عقائد میں مدغم کرنے کیلئے بے تاب ہیں۔"

بدھ مت کو ہند میں کس قدر عروج ملا اس کا پتہ جن دستاویزات سے چلتا ہے۔ ان میں سے ایک مشہور دستاویز چینی سیاح ہیون سانگ کا سفرنامہ ہے۔ اس نے تقریباً پندرہ برس ہندوستان میں گزارے اور اپنے سفرنامے میں یہاں کا آنکھوں دیکھا حال لکھا۔ وہ راجہ ہرش (۶۰۶ تا ۶۴۷ء) کے زمانہ میں ہندوستان میں آیا۔ وہ خود بھی بدھ مت کا پیروکار تھا۔ مولانا عبدالمجید سالک اس کے سفرنامے کے حوالے سے لکھتے ہیں: "اس وقت ہندوستانیوں کی اکثریت بدھ مت کو اختیار کر چکی تھی۔ کابل، بدخشاں، بلخ میں بدھ مت اور بدھوں کی حکومت تھی۔ پنجاب، سندھ، گجرات، مالوا، متھرا، تھانیسر، قنوج، بنارس، پٹنہ، بنگال، کامروپ، اڑیسہ، کالنگہ (مدراس) اھر ا مہاکوشل (سی پی) مہاراشٹر کوکن، مدورا (تراون کور) غرض جہاں کہیں ہیون سانگ گیا اس کو بدھوں کی حکومت اور بدھ مت کا چرچا ہی نظر آیا۔" (مسلم ثقافت ہندوستان میں)

مگر بدھ مت کا عروج زیادہ دیر پا ثابت نہ ہوا۔ برہمن جو گوتم کے عروج کے ساتھ ہی دب گیا تھا۔ اس نے دوبارہ سر اٹھا لیا۔ بدھ مت والے یہ سمجھے ہوئے تھے کہ برہمن کا قدیم مذہبی کردار ہمیشہ کیلئے ختم ہو چکا ہے مگر ہوا یہ تھا کہ برہمن نے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا تھا۔ پہلے وہ مذہبی پیشوائی کے ذریعے معاشرے میں معزز ترین اور اہم ترین مقام کا مالک تھا اور قربانی کی عبادت اس کے معاشی تحفظ کی ضامن تھی۔ مگر بدھ مت کے عروج نے اس کی مذہبی حکمرانی کو خاک میں ملا دیا۔ جانوروں کی قربانی ممنوع ٹھہری۔ گوشت خوری کے بجائے سبزی خوری کو فروغ ملا۔ چنانچہ برہمن معاشی اعتبار سے بھی تباہ ہو گیا۔

بدھ مت کے عروج کے دوران لوگ غیر ویدک دیوتاؤں کی پوجا کرنے لگے۔ انہیں فروغ حاصل ہو گیا۔ برہمن نے حالات کا رخ بھانپتے ہوئے ان چھوٹے دیوی دیوتاؤں کی خود بھی پوجا شروع کر دی۔ نیز انہیں سنسکرت کے ناموں سے موسوم کر کے اپنے مندروں میں

سجالیا۔ چھوٹے طبقات کے لوگ جو ہندوستان بھر میں اکثریت میں تھے۔ ان کیلئے یہ ایک قابل فخر امر تھا۔ لوگ پوجا پاٹ کیلئے برہمنوں کے بتکدوں میں آنے لگے۔ یوں برہمن کا مذہبی پیشوائی کا پندار کسی حد تک قائم رہا۔ معاشی حالات کو سنبھالا دینے کیلئے برہمن نے لوگوں کو اپنے علوم اور سنسکرت زبان سکھائی شروع کردی جبکہ پہلے کوئی ان علوم کو سیکھ نہیں سکتا تھا۔ لوگوں نے یہ اقدام بھی پسند کیا۔ عام لوگوں نے شوق سے ان علوم اور سنسکرت زبان کو سیکھنا شروع کردیا۔ یوں برہمن کا معاشی مسئلہ بھی حل ہوگیا اور وہ پڑھے لکھے لوگوں کا استاد بھی بن گیا۔
اس طرح خواص اور عوام دونوں میں برہمن کا عزت و وقار قائم رہا۔ جونہی اس نے دیکھا کہ طاقتور بدھ حکمران دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ تو اس نے اپنی مکارانہ سازشوں کے ذریعے بڑی سلطنتوں کو دوبارہ چھوٹی چھوٹی راجدھانیوں میں منقسم کردیا۔ پھر سے چھوٹے چھوٹے راجوں' مہاراجوں کا دور آ گیا۔ حکمرانی کھشتری کرنے لگے اور مذہبی پیشوائی برہمن۔ ذات پات کی تقسیم دوبارہ نافذ کردی گئی۔ جانوروں کی قربانی کا سلسلہ پھر سے شروع ہوگیا۔ بدھ مت کی حکمرانی ختم ہوگئی۔ عوام کو مطمئن رکھنے اور بدھ مت کو ہمیشہ کیلئے ہندو دھرم کے اندر مدغم کرنے کیلئے برہمنوں نے بدھا کو برہما کا نانواں اوتار قرار دے دیا۔ لوگوں میں اس عقیدے کو خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔ یوں بدھا اور بدھ مت ہمیشہ کیلئے ہندو دھرم کا حصہ بن گئے۔ بدھ پیشواؤں نے جب یہ حالات دیکھے تو بستر بوریا لپیٹ کر دوسرے ممالک جہاں تک بدھ مت پہنچ چکا تھا۔ وہاں جا ڈیرے لگائے۔ برہمن جیت گیا اور بدھ دھرم ہمیشہ کیلئے ہندوستان بدر ہوگیا۔ یہ تبدیلی اتنی غیر متوقع تھی کہ مورخین آج بھی اس پر حیران و پریشان ہیں۔ چنانچہ اس حوالے سے مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں۔

''ہندوستان کا یہ مذہبی نقشہ (یعنی بدھ مت کا عروج) ہرش کے زمانہ میں تھا یعنی محمد بن قاسم کے سندھ پر حملہ سے صرف اسی نوے برس پہلے یہ کیفیت تھی۔ ہرش کے آنکھ بند کرتے ہی خدا جانے کیا انقلاب آیا کہ یکدم ملک کے تمام حصوں میں راجپوتوں کی سلطنتیں قائم ہوگئیں اور بدھ مت اور جین مت کی خاک اڑ گئی۔'' (مسلم ثقافت ہندوستان میں)

☆☆☆

باب سوم

اسلام کے ظہور اور دعوت و تبلیغ

اسلام کے ظہور کے وقت ہندوستان کے حالات کیسے تھے۔ اس کا مفصل بیان سابق میں گزر چکا ہے۔ یہاں ہم اسلام کے عقائد وعبادات اور قوانین واخلاق کو بیان کریں گے تاکہ قارئین کا ذہن ہندومت تھا اور اس وقت کے ہندوستان کے حالات سے اس کا تقابل کرکے اس حقیقت تک پہنچ سکے کہ جب اسلام کی تعلیمات عرب تاجروں' عرب میں آباد ہندی اقوام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تبلیغی مساعی اور جہادی حملوں کے ذریعہ اس خطہ ارض تک پہنچیں تو لوگ جوق در جوق نہ صرف ان سے متاثر ہوئے بلکہ انہیں قبول کرکے ہمیشہ کیلئے اس کے دامن رحمت میں آ گئے۔

توحید

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قابل پرستش اور عبادات کے لائق فقط ایک ذات ہے۔ وہی معبود برحق ہے۔ اس کا نام اللہ ہے' اس کے بہت سے صفاتی نام بھی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ۔ (بنی اسرائیل:۲۳)

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ۔

ترجمہ: وہ اللہ ہے تمہارا رب ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔ (غافر:۶۲)

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔

ترجمہ: اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور خدا بھی ہوتے تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے۔(انبیاء:۲)

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔ (ذاریات:۵۱)

ترجمہ: اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود مت بناؤ۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے۔ (انبیاء:۱۰۸)

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

ترجمہ: پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔(محمد:۱۹)

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔

ترجمہ: اور تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ رحمٰن ہے رحیم ہے۔ (بقرہ:۱۶۳)

توحید کے عقیدہ کے برعکس کئی خداؤں کو ماننا شرک کہلاتا ہے۔شرک ایک لایعنی اور غیر فطری عقیدہ ہے۔شرکیہ عقیدہ انسانیت کی تذلیل کا باعث ہے۔شرک کی وجہ سے انسان مختلف مخلوقات اور مظاہر فطرت کو معبود ماننے کے گورکھ دھندے میں پھنس جاتا ہے۔اسلام نے شرک کی مذمت کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

ترجمہ: کیا تمہیں شک ہے اللہ میں جو بنانے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔(ابراہیم:۱۰)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں معاف فرمائے گا اس کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور معاف فرما دے گا اس کے علاوہ سارے گناہ جس کیلئے چاہے۔ (نساء:۴۸)

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔

ترجمہ: بلاشبہ کہ جو شرک کرے اللہ کے ساتھ تو یقیناً حرام کر دی اللہ نے اس پر جنت اور ٹھکانہ ہے اس کا آگ اور نہیں ہے ظالموں کا کوئی مددگار۔ (مائدہ:۷۲)

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى۔

ترجمہ: نہیں ہے شان نبی کی اور ایمان والوں کی کہ کریں استغفار مشرکوں کیلئے اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔ (توبہ:۱۱۳)

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔

ترجمہ: بے شک مشرک ناپاک ہیں۔ (توبہ:۲۸)

ہندو دھرم توحید سے نابلد تھا۔وہ کئی خداؤں کی پوجا کی تعلیم دیتا تھا۔اگر اس کی تعلیمات میں کہیں پوشیدہ ذکر توحید کا ملتا بھی تھا تو وہ اتنا پیچیدہ اور الجھا ہوا تھا کہ عام انسان کی نگاہ سے اوجھل رہتا تھا بلکہ بہت سے خواص بھی اس کے ادراک سے خالی تھے۔ان کے ہاں معبودوں کی تعداد متعین نہ تھی۔ان کے معبودان باطل کا شمار کروڑوں تک پہنچا ہوا تھا۔ہندو ذہن شرک پرستی سے اس قدر آلودہ تھا کہ وہ ہر وقت ہر چیز کو خدا بنانے کیلئے تیار رہتا تھا۔شرکیہ عقائد نے ہندوؤں کو اس مقام رذالت تک پہنچا دیا تھا جہاں اسے بہت سی ادنیٰ مخلوقات انسان سے اعلیٰ نظر آتی تھیں۔مذہب اور عبادات کے تصورات اتنے گھٹیا ہو گئے تھے کہ جنسی اعضاء کو بھی قابل پرستش قرار دے دیا گیا تھا اور باقاعدہ طور پر مرد و عورت ایک دوسرے کے جنسی اعضاء کی پوجا کرتے تھے۔

علاقہ بدلنے سے ان کا خدا بھی بدل جاتا تھا بلکہ ہر گاؤں کا الگ دیوتا ہوتا تھا جس کی پوجا اس گاؤں کے لوگ کرتے تھے۔اسلام کا عقیدہ توحید جہاں صرف اور صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیتا ہے وہاں تمام انسانوں کو ایک خدا کا بندہ ہونے کی وجہ سے آپس میں بھائی بھائی بن کر پیار و محبت سے رہنے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔مگر ہندوؤں کے کثیر دیوتاؤں نے انہیں

کبھی ایک دوسرے کے قریب نہ آنے دیا تھا۔ کثرت پرستی نے ہندوؤں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا رکھا تھا۔ ذات پات کا نظام بھی اسی کثرت پرستی کے شاخسانے کے طور پر وجود میں آیا تھا۔ بہت سے معبودوں کے ماننے سے اگر ایک طرف ہندوستان میں جوگی جیسا اور بدھ بھی نظر آتے تھے جو ایک چیونٹی کو مارنا بھی گناہ کبیرہ سمجھتے تھے تو دوسری طرف شیوی مسلک کے پجاری تھے جن کی سب سے بڑی عبادت قتل و غارت گری اور خونریزی تھی۔

رسالت

اسلام کے بنیادی عقائد میں ایک رسالت کا عقیدہ ہے۔ رسالت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے انسانوں ہی میں سے کچھ کو اپنی نمائندگی اور نیابت کا منصب عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ نمائندے نبی اور رسول کہلاتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا کلام وحی کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ نبیوں اور رسولوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات وحی کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں جنہیں وہ عام لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ نبی اور رسول انسان اور بشر ہی ہوتے ہیں مگر عام انسان اور بشر کسی نبی اور رسول جیسے نہیں ہو سکتے۔ نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے بزرگی عطا کی ہوتی ہے ان پر اللہ تعالیٰ وحی نازل فرماتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے جو کسی دوسرے یعنی غیر نبی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان والے ہو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر۔

(نساء:۱۳۶)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔

ترجمہ: فرمایئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کے آیا ہوں۔

(اعراف:۱۵۸)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام انسانوں کیلئے بشیر و نذیر بنا کر لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (سباء:۲۸)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (کہف:۱۱۰)

ترجمہ: کہیے کہ بے شک میں وصف بشریت میں تمہاری طرح ہوں وحی کی گئی ہے میری طرف' بے شک تمہارا معبود وہ معبود واحد ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔

ترجمہ: ہر امت میں گزرا ہے ڈر سنانے والا (یعنی ہادی مرسل) (فاطر:۲۴)

ہندوؤں میں رسالت کا کوئی تصور نہ تھا بلکہ جب وہ کسی انسان کو برگزیدہ سمجھتے تھے تو اسے الوہیت کے مقام پر فائز کر کے اپنا معبود اور دیوتا بنا لیتے تھے اور اس کی پوجا شروع کر دیتے تھے۔ ان کے مذہبی رہنما برہمن تھے جن کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ وہ دیوتاؤں کی اولاد ہیں' ان پر دیوتاؤں کا کلام القاء ہوتا ہے جس کی روشنی میں وہ ہندو دھرم کے سارے تار و پود بنتے ہیں۔ چنانچہ ہندو دھرا کی چھوٹی بڑی ساری گمراہیاں اسی برہمن کے ہاتھوں کی ساختہ تھیں۔ عقیدہ رسالت سے نابلد ہونا ہندوؤں کی گمراہیوں کا دوسرا بڑا سبب تھا۔

آخرت

اسلام کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ زندگی صرف یہی دنیوی زندگی نہیں' مرنے کے بعد انسان ختم نہیں ہو جاتا بلکہ موت کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ جسے اخروی زندگی کہتے ہیں۔ اس میں انسان کو کئے ہوئے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اس کے اعمال کے مطابق اسے جزا یا سزا ملے گی۔ مرنے کے بعد قبر کی زندگی ہے۔ اسے برزخی زندگی کہا جاتا ہے۔ اس میں حساب کتاب کے مختصر اور ابتدائی مدارج سے گزر کر انسان جنتی یا جہنمی قرار پائے گا۔ برزخی زندگی جاری رہے گی یہاں تک کہ قیامت بپا ہوگی۔ صور اسرافیل پھونکا جائے گا۔ ساری دنیا اور زمین و آسمان کی وسیع کائنات تباہ و برباد ہو جائے گی۔ دوسری دفعہ صور اسرافیل پھونکا جائے گا تو اللہ کے حکم سے سب کچھ آموجود ہوگا۔ میدان حشر لگے گا' اولین و آخرین تمام

انسان وہاں جمع کئے جائیں گے۔ لوگ اپنے جسموں کے ساتھ دوبارہ زندہ کر کے لائے جائیں گے۔ اسے بعث بعد الموت کا عقیدہ بھی کہتے ہیں یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا' پھر میدان حشر میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔ نیک و بد اعمال کو میزان پر تولا جائے گا۔ نیکیوں کا پلڑا بھاری ہونے پر اللہ تعالیٰ خوش ہوگا اور اپنی رحمت سے نواز کر جنت میں بھیج دے گا۔ برائیوں کا پلڑا بھاری ہونے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا' ایسے بندے پر غضب فرمائے گا اور اسے جہنم میں ڈالے گا۔ کافروں کیلئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم ہوگی۔ نیک مومن شروع ہی سے جنت کے مستحق ہوں گے جبکہ برے کام کرنے والے مسلمان جن سے گناہ سرزد ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے بخش دے گا جبکہ بہت سے نبیوں اور نیک بندوں کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ بہت سے نیک مومن ایسے بھی ہوں گے جو بلا حساب اللہ کے فضل سے جنت میں چلے جائیں گے۔ قیامت کا دن ہمارے حساب سے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔

ترجمہ: اور ہم نے نہیں بنایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر (یعنی عبث اور بے مقصد نہیں بنایا) (دخان:۳۸)

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (قیمۃ:۳۶)

ترجمہ: کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اسے یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ (یعنی اپنے اعمال کا بدلہ نہ پائے گا)

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔

ترجمہ: کیا تم نے گمان کیا کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے اور یہ کہ تمہیں ہماری طرف سے واپس لوٹنا نہیں ہوگا۔ (مومنون:۱۱۵)

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ۔

ترجمہ: کیا ہم بنادیں گے ان کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔ زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کیا ہم پرہیزگاروں اور بدکاروں سے ایک سا سلوک کریں گے۔ (ہرگز نہیں) (ص:۲۸)

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ۔

ترجمہ: کیا ہم ماننے والوں کو مجرموں (نہ ماننے والوں) کے برابر کر دیں گے؟ (ہرگز نہیں)۔ (قلم:)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔

ترجمہ: کیا یہ سمجھ رکھا ہے ان لوگوں نے جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا کہ ان کے ساتھ ایمان والوں اور نیکوں جیسا سلوک کریں گے کہ ان کی زندگی اور موت باہم برابر ہے۔ بہت برا ہے جو انہوں نے سمجھا۔ (جاثیہ:۲۱)

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ قَالُوْا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ۔

ترجمہ: بلکہ کہا انہوں نے مثل اسی کے جو کہا تھا پہلوں نے۔ کہا انہوں نے کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم پھر اٹھائیں جائیں گے۔ (مومنون:۸۱'۸۳)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ۔

اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ کیا جب ہم اور ہمارے آباؤ اجداد مٹی ہو جائیں گے تو پھر کیا ہم (قبروں سے) نکالے جائیں گے۔ (نمل:۶۷)

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔

(یٰس:۸۱'۸۲)

ترجمہ: اور کیا وہ جس نے بنایا آسمانوں کو اور زمین کو نہیں ہے قادر اس بات پر کہ پھر بنائے

ان جیسے' بلاشبہ وہ اس پر قادر ہے اور وہ ہے بہت زیادہ بنانے والا اور علم والا۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب کسی شئی کے بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ط وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

ترجمہ: اور وہی ہے جو بناتا ہے مخلوق کو پہلی بار پھر بنائے گا اسے دوسری بار اور یہ اس کیلئے بڑا آسان ہے اور اس کی شان آسمانوں اور زمین میں سب سے زیادہ بلند ہے اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ (روم: ۲۷)

عقیدہ آخرت انسان کو فوری مادی منفعت کی بجائے اخروی انعامات کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ وہ انسان کو سکھلاتا ہے کہ اس کا مقصود دنیا نہیں آخرت ہے۔ اس عقیدے سے انسان میں حرص و ہوا اور بغض و عداوت کی بجائے ایثار و قربانی اور محبت و اخوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ آخرت اور رضائے الٰہی کے حصول کیلئے وہ نقد جان تک پیش کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ بڑی سے بڑی تکلیف اور سخت سے سخت مشکل اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ آخرت کا عقیدہ اسے ایک نئے جذبہ عمل سے مزین کرتا ہے جس سے باطل مذاہب کے پیروکار یکسر محروم ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ خدا پر ایمان اور اس کی محبت کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے جس سے اقدار حیات کو پاکیزگی ملتی ہے۔ یہ انسان کو حیات دوام کا پیغام دیتا ہے۔ اس کو ابدی زندگی کی نوید سناتا ہے۔ اسے احساس تحفظ عطا کرتا ہے۔ وہ اب ہر عمل کی جزا کا دنیا میں طالب نہیں ہوتا بلکہ کسی بھی عمل پر جزا اور انعام کیلئے آخرت پر امید لگاتا ہے۔ وہ اس ڈر سے بے نیاز ہو جاتا ہے کہ وہ موت کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ اس طرح عقیدہ آخرت سے افراد کی ایک ایسی جماعت جنم لیتی ہے بلکہ ایک ایسی قوم دنیا میں ابھرتی ہے جو موت سے اتنی ہی محبت کرتی ہے جس قدر باطل پرست زندگی سے محبت کرتے ہیں۔ اس عقیدے سے انسان کو یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ کارزار حیات میں اس کی سعی و کاوش اگر بے ثمر بھی رہ جائے تو آخرت میں اسے صلہ ضرور ملے گا۔

ہندومت عقیدہ آخرت کے اعتبار سے بانجھ تھا اس کے پاس آخرت' معاد' برزخی زندگی'

مر کر جی اٹھنے' حساب دینے اور جزا و سزا پانے کے کوئی واضح تصورات نہیں تھے۔ اسلام نے ایک واضح تصور دیا تھا کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ مر کر ختم نہیں ہو جاؤ گے بلکہ اپنے اعمال کی جزا یا سزا کیلئے دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔ ہندومت اس سلسلے میں الجھے ہوئے تصورات پیش کرتا تھا۔ فرد کو آواگون کے چکر میں ڈال کر مایوسی و قنوطیت کا شکار بنا دیتا تھا۔ وہ اپنے ماننے والوں کو نہ راہ عمل دیتا تھا اور نہ انہیں جذبہ عمل سے آراستہ کرتا تھا کیونکہ ان کے ہاں خدا اور معبود حقیقی کا کوئی واضح تصور نہیں تھا۔ دیوتا تھے' جو مر بھی جاتے تھے کمزور بھی ہو جاتے تھے۔ ان کی اہمیت گھٹ یا بڑھ بھی جاتی تھی۔ وہ دوسرے دیوتاؤں اور حالات کے سامنے بے بس بھی ہو جاتے تھے۔ ایسے دیوتا جو خود جیتے مرتے رہتے تھے اور بے بس ہو جاتے تھے۔ کسی انسان کو کیسے دوبارہ زندہ کر سکتے تھے۔ ہندومت نے نروان کے نام سے ایک ایسی آخری منزل سے اپنے لوگوں کو روشناس کرایا تھا جس تک پہنچنا کسی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں تھا۔ جن لوگوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ نروان حاصل کر چکے ہیں۔ وہ زیادہ تر خیالی اور تصوراتی ہستیاں تھیں جن کا حقیقی وجود کبھی نہیں پایا گیا تھا یا پھر وہ ان کے گزرے ہوئے مشہور حکمران یا سپہ سالار یا مذہبی مصلح اور استاد تھے۔ جن کو عوام میں بہت زیادہ پذیرائی حاصل تھی۔ برہمنوں نے ان کی شہرت اور عوامی مقبولیت کو دیکھ کر آہستہ آہستہ ان کیلئے مافوق الفطرت باتوں کے اثبات کو شہرت دی اور انہیں نروان کا حامل قرار دیا۔ بعد میں انہیں نروان کے رتبے سے ترقی دے کر دیوتاؤں کا اوتار اور پھر دیوتا اور معبود بنا دیا۔ یوں ہندوؤں کا نروان اور آواگون کا عقیدہ اور دیگر معاد سے متعلق الجھے ہوئے تصورات ایک گورکھ دھندا بن کے رہ گئے۔ عوام کیلئے ان میں کوئی کشش اور امید نہ تھی۔

کتب

اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ہے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو کلام الٰہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی طرف وحی کیا۔ رسولوں نے ان کتابوں کو لوگوں تک پہنچایا۔ یہ کتابیں ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ تمام تر دینی احکام ان میں موجود ہیں۔

نبیوں اور رسولوں کے اہم فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ان کتابوں کو اپنی امتوں پر پڑھیں۔ اپنی اپنی امت کو ان کے احکام سکھائیں۔ ان کی تشریح و توضیح کریں' نبی کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد اس پر نازل شدہ کتاب امت میں موجود رہتی اور ان کی رہنمائی کرتی۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہتا ان کتب کو دنیا میں اصل حالت پر قائم رکھتا۔ بعد میں لوگ اپنی بدبختی کے باعث ان میں تحریف اور تبدیلی کر دیتے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء مبعوث کرتا جو لوگوں کو پرانی کتابوں سے ان کی اصل تعلیمات کے ساتھ روشناس کرواتے یا اللہ تعالیٰ ان پر نئی کتب نازل فرماتا۔ آخری کتاب قرآن مجید ہے جو ہدایت کا سرچشمہ' روحانی و جسمانی امراض کی شفا اور انسانیت کے نام اللہ رب العزت کا آخری پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ اس کتاب کے دوسرے امتیازات کے ساتھ ایک بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ چنانچہ اس میں قیامت تک کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْكِتَابِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتَابِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۔

ترجمہ: اور (ایمان لاؤ) اس کتاب پر جو نازل کی اس نے اپنے رسول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اتاری پہلے۔ (نساء:۱۳۶)

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ۔

ترجمہ: الم۔ وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں' ہدایت ہے ڈر والوں کو۔ (البقرہ:۲'۱)

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ

ترجمہ: بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔ (بنی اسرائیل:۹)

یَهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ۔ (الجن:۲)

ترجمہ: (یہ کتاب) ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔

ترجمہ: (یہ قرآن) ہدایت ہے اور خوشخبری ہے ایمان والوں کیلئے۔ (نمل:۲)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا۔ (بنی اسرائیل:۸۲)

ترجمہ: اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کیلئے شفاء اور رحمت ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

ترجمہ: بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (الحجر:۹)

قرآن پاک دینِ اسلام کا ماخذ ہے۔ شریعت مطہرہ کا سرچشمہ اور تمام زمانوں کیلئے سامان ہدایت۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تشریح و تفسیر ہے۔ قرآن پاک غیر متبدل ہے۔ اس کے الفاظ' اس کی تعلیمات اور اس کی زبان کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ لوگوں کی تفہیم اور آسانی کیلئے اس کے تراجم کیے گئے ہیں مگر اس کے متن کو چھوڑ کر فقط اس کے ترجمہ کو مروج نہیں کیا جا سکتا۔

ہندو دھرم کسی بھی ایسی بنیادی کتاب سے خالی ہے جسے اس کا مآخذ قرار دیا جا سکے۔ مختلف ادوار میں مختلف کتابیں اس کا مآخذ رہی ہیں مثلاً وید ان کے ہاں قدیم ترین مقدس کتب ہیں مگر آج کا ہندومت ویدوں کی بنا پر تشکیل نہیں پایا۔ موجودہ ہندومت کے بنیادی تشکیلی عناصر غیر ویدی ہیں۔ حتیٰ کہ ہندو منادر میں آج جن بڑے بڑے دیوتاؤں کی پوجا ہو رہی ہے وہ بھی غیر ویدی ہیں۔ اس صورتحال میں ہندوازم کی بیچارگی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اسلام جیسے ٹھوس بنیادوں اور مستحکم تعلیمات پر مبنی دین کے سامنے ہندو دھرم ایک تہی دامن مذہب ہے۔ اس کی بناوٹی' ہر لحظہ متبدل اور بے بنیاد تعلیمات اسلام کی فطری' قائم و دائم اور مستحکم تعلیمات کے مقابلے میں بے حیثیت ہیں۔

ملائکہ

ملائکہ یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی مخلوق ہیں جنہیں اس نے نور سے تخلیق کیا ہے۔

یہ ایک غیبی مخلوق ہیں۔ نظام کائنات کے چلانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف فرائض سونپے ہیں۔ یہ اس کے حکم کے پابند ہیں۔ ان میں نر مادہ نہیں ہوتے اور نہ ہی ان میں اولاد کا سلسلہ ہوتا ہے۔

اسلام سے پہلے فرشتوں کے متعلق بہت سے غلط اعتقادات مشہور تھے۔ کافر اقوام میں سے بہت سی ایسی تھیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اسلام نے اس غلط عقیدے کی نفی کی۔ بعض لوگ انہیں کائنات میں موثر حقیقی مانتے تھے حالانکہ ایسا کہنا شرک ہے۔ موثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے جبکہ فرشتے جو کچھ کرتے ہیں اس کے اذن سے کرتے ہیں۔

اسلام نے ان کے بارے میں بڑے واضح انداز میں تعلیم دی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں۔ ہر وقت اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ وہ جو حکم دیتا ہے اسے فوراً بجالاتے ہیں اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اس سے ہمیشہ ڈرتے ہیں۔ زمین والوں خاص طور پر نیک مومنوں کیلئے دعا کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں اور بدکاروں پر لعنت بھیجتے ہیں۔ یہی انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے اذن سے برکت یا عذاب نازل کرتے ہیں۔ موت کے وقت روح بھی فرشتے قبض کرتے ہیں' رزق کی تقسیم' بارش کا برسنا' نفع و نقصان وغیرہ انسانی و کائناتی امور انہی کے ہاتھوں انجام پذیر ہوتے ہیں۔ مگر یہ کچھ بھی خود سے اور اپنی طاقت سے نہیں کرتے بلکہ جو کچھ بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی عطا کی ہوئی طاقت سے کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے ہاں فرشتوں کا کوئی تصور نہ تھا۔ گمان یہ ہے کہ ان کے بہت سے دیوتا جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ وہ ملائکہ کے بارے میں ان کے بگڑے ہوئے عقیدت کا شاخسانہ تھے۔ آہستہ آہستہ ان کے مذہبی پیشواؤں نے فرشتوں کے ذکر ہی کو ختم کر دیا اور صرف دیوتاؤں کا تذکرہ باقی رہ گیا۔

ہندو مظاہر کائنات کی پرستش کرتے تھے اور ان کیلئے مختلف دیوتا مانتے تھے۔ جب اسلام کی یہ تعلیم ان کے سامنے آئی کہ دینے والا فقط خدا ہے۔ البتہ وہ انتظام اپنی ایک مخلوق ملائکہ کے ذریعے کرتا ہے تو ان کے لئے اصل حقیقت آشکار ہوگئی اور دیوی دیوتاؤں کے گورکھ دھندے سے نجات پانے ہی میں انہیں نے اپنی عافیت سمجھی۔

تقدیر

اسلام نے قدر یعنی تقدیر کا عقیدہ عطا کیا ہے۔ عقیدہ تقدیر سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ انسان مجبور محض ہے بلکہ اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ کوشش بندے کے بس میں ہے اور نتیجہ رب کے پاس ہے۔ چنانچہ بندے کو کبھی کوشش کو ترک نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں بھرپور اور عمدہ ترین کدوکاوش کرنے کے بعد نتیجہ رب پر چھوڑ دینا چاہئے۔ کبھی یہ نہ کہنا چاہئے کہ میں یہ کروں گا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ میں انشاء اللہ یہ کروں گا۔ یعنی کوشش پوری کروں گا۔ آگے اللہ نے چاہا تو کام ہو جائے گا وگرنہ نہیں ہوگا جب کوئی کام ہو جاتا ہے خواہ انسان کے حق میں ہو یا اس کے خلاف تو اسلام کہتا ہے کہ یہ ہو گیا ہے۔ اس نے اسی طرح ہونا تھا کیونکہ تقدیر یہی تھی اب اس پر بیٹھ رہنے کی بجائے جو نہیں ہوا اس کیلئے کوشش کرو۔

اسلام کا عقیدہ تقدیر انسان کو مایوسی اور قنوطیت سے بچاتا ہے اور اسے ہمہ وقت کارزار حیات میں سرگرم رکھتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ ہر وقت اپنا حصہ اور نصیبہ تلاش کرتے رہو اور کبھی اس سے رو گردانی مت کرو۔ تمہاری کوشش تمہیں اپنے حصے تک پہنچاتی رہے گی۔

وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔

ترجمہ: اور تلاش کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے۔ (بقرہ:۱۸۷)

ہندومت ایسے کسی عقیدے سے یکسر خالی ہے جو ناکام ہونے والے آدمی کو دوبارہ عمل کے قابل بنائے جبکہ ایک مسلمان ناکام ہونے کے بعد بجائے مایوس ہونے کے اسے اپنے حق میں تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر قبول کرتا ہے اور اگلی کامیابیوں کیلئے سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔

عبادات

اسلام کا نظام عبادت سادہ اور اچھوتا ہے اس میں تنوع اور استحکام ہے۔ انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ یہ طبیعت میں اکتاہٹ اور تھکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔ ایمان لانے کے بعد دن کے مختلف متعینہ اوقات میں پانچ نمازوں کی ادائیگی ہر آدمی کے ذمہ فرض ہے۔ صاحب نصاب پر سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ' سال میں ایک ماہ کے روزے اور صاحب مال پر عمر بھر میں

ایک دفعہ حج فرض ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله و ان محمداً عبده ورسوله و اقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة والحج و صوم رمضان (متفق علیہ)

ترجمہ: "اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے۔ اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔"

عبادات کے سلسلے میں بھی ہندو الجھاؤ کا شکار تھے۔ کوئی اہم عبادت سوائے اس کے نہ تھی کہ مندر جایا جائے۔ برہمن کو نذرانہ پیش کیا جائے اور پتھر کی مورتی کے سامنے سجدہ کر کے واپس آ جایا جائے۔ دیوتاؤں کے نام کی جاپ خواہ وہ کسی بھی حالت میں اور کہیں بھی کی گئی ہو ان کیلئے بہت بڑی عبادت تھی۔

اخلاق

اسلام اخلاق پر بہت زیادہ زور دیتا ہے اور ایک مسلمان کیلئے لازم ہے کہ وہ اچھے اخلاق اپنائے اور برے اخلاق سے پرہیز کرے۔

قرآن پاک حسن خلق کا داعی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔

ترجمہ: اور بے شک آپ خلق عظیم کے رتبے پر فائز ہیں۔ (القلم: ۴)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔

"مجھے حسن اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہے۔" (موطا)

"مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔"
(ترمذی)

"اللہ کے بندوں میں سے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔" (طبرانی)

"لوگوں کو جو سب سے اچھی چیز دی گئی ہے وہ اچھا اخلاق ہے۔" (نسائی۔ ابن ماجہ)

اسلام میں اچھے اخلاق دین کا تقاضا ہیں جس کے اخلاق اچھے نہ ہوں وہ خواہ کتنی ہی عبادت کیوں نہ کرے اسے اسلام میں اچھا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انسان کی زندگی کا نصب العین اسلام کے نزدیک اخلاقی کمال کا حصول ہے۔ اخلاق حسنہ اپنانے اور اخلاق سیۂ سے بچنے کیلئے اسلام نے اتنی کامل' جامع اور معتدل تعلیم عطا کی ہے کہ جب انسان مسلمانی کے تقاضے کے پیش نظر اور رضائے الٰہی کے حصول کیلئے اس پر عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ اہل زمین کیلئے انسان کی شکل میں رحمت کا فرشتہ بن جاتا ہے۔ فلسفہ اخلاق کی کامیابی' اسلام کی حقانیت کی ایک معجزانہ دلیل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی انسانی سہارے کے اعلیٰ اخلاق کی ایسی کامل تعلیم عطا کی جس تک قوموں کے بڑے بڑے معلم اور فلسفہ اخلاق کے بڑے بڑے رہبر نہ پہنچ سکے۔ ایک ایسی قوم کو جو تہذیب و شائستگی سے ناآشنا' اخلاق و مروت سے عاری اور سلیقہ و شعور سے بیگانہ تھی۔ اپنی تعلیم و تربیت سے صیقل کر کے اخلاق عالیہ کی ایسی جلا بخشی۔ جس کے جلوؤں سے آج بھی دنیا ششدر و حیران ہے۔

اسلام نے نیکی کا ایسا تصور دیا ہے جس کے تحت مذہب اور اخلاق میں دوئی باقی نہیں رہتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ	نیکی یہ نہیں کہ تم پھیر لو اپنے چہرے مشرق کی
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ	طرف یا مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ	(انسان) ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخر پر
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ	اور فرشتوں پر اور کتب پر اور نبیوں پر اور دے
عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى	مال اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو
وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ	اور مسکینوں کو اور مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور
وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ	گردنیں چھڑانے میں اور قائم کرے نماز اور

الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط وَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔

ادا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے ہوں وہ اپنے عہد کو جبکہ عہد کرلیں اور صبر کرنے والے ہوں وہ مصائب میں اور مشکلات میں اور جنگ کے وقت اور یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔ (بقرہ:۱۷۷)

یہاں عقائد وعبادات کے ساتھ حسن معاملت اور صبر کو بھی نیکی میں شامل کیا گیا ہے جو کہ اعلیٰ اخلاق سے ہیں بلکہ اخلاقِ عالیہ کی بنیاد ہیں۔

اسلام کے برعکس ہندوؤں میں اعلیٰ اخلاق کا کوئی تصور نہ تھا ان کے ہاں مذہب اور اخلاق جدا جدا تھے۔ مذہبی ہونے کیلئے با اخلاق ہونا ضروری نہ تھا۔ ایک شخص بہت بڑا مذہبی اور عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑا جھوٹا' فریبی' مکار' دغاباز اور بدکار بھی ہوسکتا تھا۔ اس کے اخلاق رذیلہ اس کے اعلیٰ مذہبی مقام کو متاثر نہیں کرسکتے تھے۔ ان کے ہاں پراسشر کا واقعہ بہت مشہور ہے بلکہ ان کی مذہبی کتابوں میں ایک بڑے حوالے کے طور پر درج ہے۔ جس کے مطابق پراسشر نے باوجود اس کے کہ وہ بہت بڑا زاہد وعابد تھا۔ ایک ملاح کی بیٹی کے ساتھ زنا کیا جس سے بیاس پیدا ہوا۔ بیاس بھی ان کا ایک قدآور مذہبی آدمی تھا۔ اس ولدالزنا بیاس کے واقعہ میں ہے کہ اس نے راجہ شنتن کی رضامندی بلکہ اس کے کہنے پر اس کی رانیوں سے زنا کیا جن سے راجہ کے بچے ہوئے ان میں سے ایک پانڈو تھا جو ہندوؤں کا مشہور راجہ ہوا ہے۔

غرضیکہ ہندو اعلیٰ اخلاق سے عاری تھے ان کے ہاں اخلاق رذیلہ کا ارتکاب بڑی جرات سے کیا جاتا تھا بلکہ ان کے ہاں فحش کاری' بدکاری اور اس جیسے اور گھناؤنے کام' عبادت اور مذہب کا حصہ سمجھ کر کئے جاتے تھے۔

شرفِ انسانیت

اسلام نے انسان کو شرافت وعظمت کا پیکر قرار دیا ہے۔ اسلام کے مطابق انسان اللہ

تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہے اور تمام مخلوقات پر فوقیت اور فضیلت رکھتا ہے اس کیلئے ساری کائنات کو مسخر کردیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر اس کی حکمرانی کو قائم کیا ہے تمام مظاہر فطرت اور جمیع مخلوقات اس کی خدمت گزاری کیلئے بنائی گئی ہیں۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور قوتوں سے کام لے کر کائنات کی تمام مخلوقات اور مظاہر سے خدمت کام لے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔

ترجمہ: بے شک ہم نے آدمی کو احسن تقویم پر بنایا۔ (تین:۴)

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ (بقرہ:۳۰)

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:۷۰)

ترجمہ: اور تحقیق ہم نے بنی آدم کو فضیلت عطا کی ہے۔

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ○۔

ترجمہ: (اور اللہ تعالیٰ نے) مسخر کردیا ہے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سارے کا سارا۔ (جاثیہ:۱۳)

اسلام کے اس انسانی عظمت وفضیلت کے نظریہ کا ہندوؤں کے ہاں کوئی نام ونشان نہ تھا بلکہ ان کے نظریات وعقائد ایسے تھے کہ ہندو دھرم نے اپنے پیروکاروں کیلئے حیات انسانی کو سب سے بڑی مصیبت اور دکھ بنادیا تھا۔ ان کے نزدیک دنیا کی زندگی سب سے بڑا دکھ تھا جبکہ اس زندگی سے نجات پاجانا سب سے بڑا سکھ تھا اسی لئے وہ لوگوں کو اجرت دے کر خود کو قتل کرواتے تھے۔

جبکہ اسلام نے لوگوں کو یہ امید افزا نظریہ عطا کیا تھا کہ یہ دنیا اگلی زندگی کیلئے زادراہ ہے۔ کھیتی ہے یہاں انسان بونے کیلئے آیا ہے آگے جا کر کاٹے گا۔ لہٰذا اسے بونے کے عمل سے

کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھنا چاہئے۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔

الدنیا مزرعة الاخرة۔

ترجمہ: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

ایک موقع پر کسی کے سوال کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے اچھا وہ آدمی ہے جس نے لمبی عمر پائی اور نیک کام کئے۔

ہندوؤں کے پاس وقنوطیت پر مبنی نظریہ نے انہیں ذلت و پستی کی عمیق گہرائیوں میں گرا دیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ ان چیزوں کے پجاری بن گئے تھے جو ان کی خدمت کیلئے بنی تھیں۔ سورج، چاند، ستارے، دریا، پانی، پہاڑ، ہوا اور آگ سب ان کیلئے قابل پرستش تھے۔

سودخوری کی ممانعت

اسلام ہمیشہ سے سودخوری کے خلاف رہا ہے۔ اس کے نزدیک یہ سخت شنیع اور حرام فعل ہے۔ اسے اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنے سے بھی زیادہ برا اور گھناؤنا کام قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود دوگنا چوگنا اور ڈرو اللہ سے تا کہ فلاح پاؤ۔

(آل عمران:۱۳۰)

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔

ترجمہ: ''وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت کے دن) مگر اس طرح جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے مخبوط الحواس بنا دیا ہو شیطان نے چھو کر۔ یہ سزا اس بنا پر ہے

کہ انہوں نے کہا کہ تجارت بھی سود کی مانند ہے حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے تجارت کو اور حرام کیا ہے سود کو۔'' (البقرہ:۲۷۵)

سود ہندوؤں کے ہاں نہ صرف جائز تھا بلکہ سود کی نحوست نے ہند کے بے شمار لوگوں کو نسل در نسل اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ یوں تو دنیا بھر میں سود کے ہاتھوں نسل انسانی ذلیل و رسوا ہو رہی تھی مگر ہندوؤں کے ہاں اس کی ہلاکتیں دیگر اقوام کی نسبت کہیں زیادہ تھیں۔ ان حالات میں اسلام کا ظہور ہوا اور اس نے انتہائی زوردار طریقے سے نہ صرف سود کی ممانعت کی بلکہ اپنے معاشرے سے اسے یکسر ختم کر دیا اس کے مثبت اثرات دنیا کی بہت سی دوسری اقوام پر بھی پڑے جن میں ہندو بھی شامل تھے۔

مساوات

اسلام کا ایک بلند پایہ اصول مساوات انسانی ہے۔ انسان ہونے کے ناطے اس کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی شرف وفضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔

یعنی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (حجرات:۱۳)

ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک نر اور مادہ سے اور ہم نے بنایا تمہیں مختلف گروہ اور قبیلے تا کہ تم پہچانے جاؤ۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔''

ہندوؤں میں مساوات کا کوئی تصور نہ تھا ان کے ہاں ذات پات کا قبیح ترین نظام پایا جاتا تھا۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شودر۔ یہ چار ذاتیں تھیں چھوٹی ذات کا آدمی خواہ کتنا ہی نیک اور پرہیزگار کیوں نہ ہو بڑی ذات کے کسی فرد کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ ہمیشہ کمتر اور ذلیل ہی

سمجھا جاتا اس کے مقدر میں تھا۔ جبکہ بڑی ذات کا کوئی فرد خواہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو وہ بڑا اور معزز ہی سمجھا جاتا تھا۔

غرضیکہ انسانی مساوات، والدین کے ساتھ حسن سلوک، اہل و عیال سے نیک برتاؤ، بیوگان، یتیموں، رشتہ داروں، محتاجوں، پڑوسیوں، مسافروں، مہمانوں، بیماروں، عام لوگوں حتیٰ کہ جانوروں تک کی خبر گیری اور انسانیت کی فلاح اسلام کی تعلیم و تربیت کے اہم اجزا ہیں۔ سچائی، امانت، دیانت، سخاوت، ایثار، توکل، شرم و حیا، رحم، انصاف، عہد کی پاسداری، عفو و درگزر، نرمی، عاجزی، اعتدال، استقامت، بہادری، حق پرستی اور صلح جوئی وہ صفات حسنہ ہیں جن سے اسلام نے اپنے پیروکاروں کو آراستہ کیا۔

اسلام نے ہر قسم کے اخلاق ذمیمہ، صفات شنیعہ اور انسانیت کش کاموں سے منع کیا چنانچہ جھوٹ، بہتان، غداری، خیانت، ناپ تول میں کمی، چغلی، غیبت، ایک دوسرے کی جاسوسی، بدگمانی، حسد، بغض، کینہ، غرور، غصہ، حرص، دکھاوا، قتل، جھگڑا، تمسخر، فتنہ و فساد، خود پسندی، بخل، فضول خرچی، چوری، حرام کمائی، سود، شراب، جوا، بتوں کے چڑھاوے، بھیک مانگنے کا پیشہ، زنا، فحاشی، عریانی، رشوت، احسان جتلانا اور ان جیسے دوسرے برے کام اسلام کے ہاں سخت ممنوع اور حرام ہیں۔

دعوت و تبلیغ اسلام

اسلام اپنے ماننے والوں کو کس قدر پاکیزہ زندگی عطا کرتا ہے اور اخلاق کے کیسے بلند مقام پر پہنچاتا ہے۔ باطل ادیان خاص طور پر ہندومت جیسے دھرم میں اس کا کوئی تصور نہ تھا۔ ہندومت کے ماننے والوں کی اکثریت انتہائی ذلت اور مصیبت کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ ایسے میں اسلام کی تعلیمات ان کیلئے ابر رحمت کی برسات ثابت ہوئیں۔

اسلام نے نہ صرف اعلیٰ تعلیمات اور اخلاق و احکام پر مشتمل کامل ضابطہ حیات عطا فرمایا بلکہ دعوت و تبلیغ اسلام کا کام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر زوردار اور اثر آفرین طریقے سے کیا کہ بے شمار مشکلات، مصائب و آلام اور کٹھن حالات کے باوجود مختصر سے عرصہ

میں اسلام کا پیغام چہار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے عہد مبارک میں تبلیغ اسلام کے کام کو اسی زوردار اور اثر انگیز طریقے سے جاری رکھا چنانچہ دنیا کے دوسرے بڑے بڑے ممالک کی طرح ہند بھی تعلیمات اسلام سے منور و شاد کام ہوا۔ بعد والی صدیوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے اس تبلیغی کام کو ان کے پیروکاروں خصوصاً صوفیاء کرام نے اسی زور و شور سے جاری رکھا۔ نتیجتاً کفرستان ہند وہ خطہ بن گیا جہاں اسلام کے ماننے والوں کی تعداد دنیا کے کسی بھی دوسرے خطے سے کہیں زیادہ ہے۔

یہاں ہم دعوت و تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مساعی جمیلہ کا مختصراً ذکر کریں گے تاکہ یہ حقیقت خوب آشکار ہو جائے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم کے نزدیک لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دینا ہر چیز سے زیادہ محبوب تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اپنی جان اور مال تک کی پرواہ نہ کرتے تھے، ان کے دل میں سب سے زیادہ تڑپ اور خواہش اس بات کی تھی کہ تمام لوگ ہدایت پا جائیں اور اللہ کے دین میں داخل ہو جائیں۔

تبلیغ دین وہ مقدس فریضہ ہے جسے انجام دینے کے لیے رب ذوالجلال نے انبیاء کرام اور مرسلین عظام کو دنیا میں بھیجا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا گیا

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ-

ترجمہ: "اے رسول! جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہ پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔" (المائدۃ: ۶۷)

اسی فریضہ تبلیغ کی انجام دہی کے لیے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ O قُمْ فَاَنْذِرْ O وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ O-

ترجمہ: "اے بالاپوش اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ پھر ڈر سناؤ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو۔" (المدثر ۱،۲،۳)

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی دعوت لوگوں کے سامنے ان الفاظ میں پیش کرنے کا حکم دیا گیا:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَاﹰ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔

ترجمہ: ''آپ فرمادیں اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ جس کی آسمانوں اور زمین میں حکومت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی اُمی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے کلمات پر اور پیروی کرو ان کی تاکہ تم راہ پاؤ۔'' (الاعراف:۱۵۸)

دین کی تبلیغ کے لیے جو جامع اوصاف اللہ رب العزت نے آپ کو عطا فرمائے تھے' انہیں قرآن پاک میں یوں ذکر فرمایا گیا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝

ترجمہ: ''اے نبی! ہم نے آپ کو بھیجا گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اس کے حکم سے اور چمکانے والا چراغ۔'' (الاحزاب:۴۴'۴۵'۴۶)

ایک اور مقام پر آپ کے ان اوصاف وصفات کو ذکر کر کے ان کی غرض وغایت بھی انتہائی واضح انداز میں بیان فرمائی گئی ہے:

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا۔

ترجمہ: ''ہم نے آپ کو بھیجا گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر۔ تاکہ تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی (رسول کی) تعظیم کرو اور اس کی (رسول کی) توقیر کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح اور شام۔'' (الفتح:۸'۹)

اللہ رب العزت نے آپ کو رسالت ونبوت اور تبلیغ دین کے کام میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کی خوشخبری قرآن پاک میں بڑے واضح انداز میں بیان فرمائی ہے:

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

ترجمہ: ''اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو یہ برا لگے۔'' (التوبہ:۳۳)

جس طرح دین حق ہر باطل دین پر غالب ہونے والا ہے اسی طرح اہل حق کے لیے یہ نوید سنائی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ باطل کے پیروکاروں پر غالب ہوں گے۔

وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔

ترجمہ: ''اور اگر تم ایمان والے ہو تو تم ہی غالب ہو گے۔'' (آل عمران:۱۳۹)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بیان کرتے ہیں کہ میری اور اس دین کی مثال جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے' اس آدمی کی طرح ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا ''اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمن) فوج کو (تمہاری طرف آتے) دیکھا ہے۔ میں تم کو بغیر کسی غرض کے آگاہ کر رہا ہوں پس (بھاگنے میں) جلدی کرو' جلدی کرو۔'' تو اس کی قوم میں سے کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی اور شام پڑتے ہی چل دیے اور آرام سے چلتے رہے اور بچ گئے اور اس قوم میں سے کچھ لوگوں نے اسے جھوٹا سمجھا اور اسی جگہ ٹھہرے رہے تو دشمن کی فوج نے صبح صبح ان پر حملہ کر کے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کو ختم کر دیا۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے میری بات مانی اور جو دین حق میں لایا ہوں' اس پر عمل کیا اور ان لوگوں کی جنہوں نے میری بات نہ مانی اور جو دین حق میں لایا ہوں' اس کو جھٹلایا۔'' (بخاری ومسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ کچھ فرشتے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے' اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ فرشتوں نے (باہم) کہا: تمہارے ان بزرگ کے لیے ایک مثال ہے' اس مثال کو بیان کرو۔'' بعض فرشتے کہنے لگے'' یہ سو رہے ہیں'' اور بعض نے کہا ''ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا رہتا ہے'' پس فرشتوں نے کہا کہ ''ان کی مثال اس آدمی کی طرح ہے کہ جس نے ایک گھر بنایا اور اس گھر

میں کھانے کی دعوت کا اہتمام کیا اور بلانے والے کو بھیجا چنانچہ جس نے اس بلانے والے کی بات مانی، وہ گھر میں داخل ہو گیا اور اس دعوت میں سے کھایا اور جس نے اس بلانے والے کی بات نہ مانی، نہ وہ گھر میں داخل ہوا اور نہ اس دعوت میں سے کھایا" پھر فرشتے کہنے لگے "ان کے سامنے اس مثال کا مطلب بیان کرو۔" اس پر بعض فرشتوں نے کہا "یہ سو رہے ہیں" اور بعض نے کہا "ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا رہتا ہے۔" تب فرشتوں نے یہ مطلب بیان کیا کہ "وہ گھر جنت ہے اور بلانے والے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ پس جس نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے لوگ دو طرح کے ہو گئے۔ پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مانی، اس نے اللہ تعالیٰ کی بات مانی اور وہ جنت میں جائے گا اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہ مانی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نہ مانی اور وہ جنت میں نہیں جائے گا۔"
(بخاری)

دعوت و تبلیغ دین کی خاطر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اضطراب اور تڑپ

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو کفر و شرک، فسق و فجور اور ضلالت و گمراہی میں مبتلا دیکھ کر بہت زیادہ کڑھتے تھے۔ ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جائیں، فسق و فجور کی راہ چھوڑ دیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمیشہ یہ تڑپ رہتی کہ تمام لوگ ہدایت پا جائیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں آ جائیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اضطراب اور بے قراری اس سلسلہ میں اس قدر زیادہ تھی کہ خود خالقِ کائنات نے اس تڑپ اور بے قراری کا ذکر قرآن پاک میں انتہائی خوبصورت انداز میں فرمایا:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا O

ترجمہ: "شاید آپ تو ان لوگوں کے پیچھے رنج و غم میں اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے اگر یہ لوگ اس کلامِ پاک پر ایمان نہ لائیں۔"
(الکھف: ۶)

اسی طرح لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ O

ترجمہ: "پس ان میں (لوگوں میں) بد بخت بھی ہیں اور نیک بخت بھی۔" (ھود: ۱۰۵)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اور اس جیسی دیگر قرآنی آیات کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی بہت زیادہ خواہش تھی کہ تمام لوگ ایمان لے آئیں اور آپ سے ہدایت پر بیعت کر لیں۔ آپ کا یہ اضطراب دیکھ کر اللہ عزوجل نے آپ کو یہ بتایا کہ صرف وہی لوگ ایمان لائیں گے جن کے لیے لوحِ محفوظ پر پہلے ہی (ایمان لانے کی) سعادت لکھی جا چکی ہے اور صرف وہی لوگ گمراہ ہوں گے جن کے لیے لوحِ محفوظ میں پہلے سے یہ بدبختی لکھی جا چکی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ O اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ O

ترجمہ: "شاید تو ہلاک کر دے اپنی جان اس بات پر کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ اگر ہم چاہیں تو نازل کریں ان پر آسمان سے ایک نشانی پھر رہ جائیں ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی۔"
(الشعراء: ۳، ۴)

ایک دوسرے مقام پر حق تعالیٰ نے آپ کی اس تڑپ کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ O

ترجمہ: "آپ ان پر نگران نہیں ہیں (کوئی پھرے یا انکار کرے آپ سے باز پرس نہ ہوگی۔)"
(غاشیہ: ۲۲)

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری قرآن پاک میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو پورا پورا لوگوں تک پہنچا دیں۔ آپ کا اسی پر اکتفا کرنا کافی تھا مگر آپ لوگوں کے ایمان لے آنے کی اتنی فکر کرتے اور اس خاطر خود کو اس

قدر مشقت میں ڈالتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفات محمودہ کے بیان میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حریص علیکم کے الفاظ بھی ارشاد فرمائے یعنی یہ پیغمبر تمہارے ایمان لانے پر بڑے حریص ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝

ترجمہ: "تحقیق تمہارے پاس ایک رسول تشریف لائے ہیں جو تم میں سے ہیں جو تکلیف تمہیں پہنچے وہ ان پر بڑی بھاری گزرتی ہے وہ تم پر بڑے حریص ہیں ایمان والوں پر بڑے مہربان اور رحم والے ہیں۔" (التوبۃ: ۱۲۸)

چنانچہ آپ کے لوگوں کے ایمان لے آنے کی فکر میں مضطرب رہنے خود کو اس کام کی وجہ سے مشقت میں ڈالے رکھنے اور اس مقصد کے لیے بے انتہا تکالیف برداشت کرنے کے واقعات سے سیرت طیبہ کی کتب بھری پڑی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ابوطالب بیمار ہوئے تو قریش کا ایک وفد ان کے پاس آیا جس میں ابوجہل بھی تھا انہوں نے کہا: "آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور اس اس طرح کرتا ہے اور یوں یوں کہتا ہے۔ پس آپ ان کے پاس کوئی آدمی بھیج کر ان کو بلا لیں اور ایسا کرنے سے انہیں روک دیں۔" انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی بھیجا۔ آپ تشریف لے آئے اور گھر میں داخل ہوئے اس وقت ابوطالب کے پاس ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ابوطالب کے پہلو میں بیٹھ گئے تو (قریب ہونے کی وجہ سے) ابوطالب کے دل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نرمی پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ چھلانگ لگا کر خود اس جگہ بیٹھ گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا کے پاس بیٹھنے کے لیے جگہ نہ ملی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازے کے قریب بیٹھ گئے۔ ابوطالب نے آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم سے کہا "اے بھتیجے! کیا بات ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ تمہاری شکایت کر رہے ہیں؟ وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے معبودوں کو برا کہتے اور اس اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس پر وہ سب لوگ بولنے لگ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بات چیت شروع فرمائی اور فرمایا: "اے چچا! میری یہ خواہش ہے کہ یہ لوگ صرف ایک کلمہ پڑھ لیں تو تمام اہلِ عرب ان کے تابع اور فرمانبردار ہو جائیں گے اور سب اہلِ عجم ان کو جزیہ دینے لگ جائیں گے۔" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سن کر وہ لوگ چوکنے ہو گئے اور کہنے لگے "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کی قسم (اس کے لیے) ایک کلمہ تو کیا ہم دس کلموں کے ماننے کو تیار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتائیں وہ کلمہ کیا ہے؟" ابوطالب نے بھی کہا "اے میرے بھتیجے! وہ کلمہ کیا ہے؟" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لا الٰہ الا اللہ" یہ سن کر وہ لوگ پریشان ہو کر اپنے کپڑے جھاڑتے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے "اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا۔" "یہ بہت عجیب اور انوکھی بات ہے۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "اس موقع پر اجعل الالهة الها واحدا. ان هذا لشیء عجاب سے لے کر بل لما یذوقوا عذاب تک آیات نازل ہوئیں۔" (احمد، نسائی، ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ کی خاطر جتنی تکلیف مجھے پہنچائی گئی اتنی کسی کو نہیں پہنچائی گئی اور جتنا مجھے اللہ کی وجہ سے ڈرایا گیا اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا اور مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں مسلسل ایسی گزری ہیں کہ میرے اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کسی جاندار کے کھانے کے قابل صرف اتنی چیز ہوتی جو بلال کی بغل کے نیچے آ جائے (یعنی بڑی کم مقدار میں ہوتی تھی)۔" (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قریش ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے "ابوطالب! آپ کا بھتیجا ہمارے گھروں اور ہماری مجلسوں میں ہمارے پاس آتا ہے اور ہمیں ایسی باتیں سناتا ہے جن سے ہمیں بڑی تکلیف ہوتی ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کو ہمارے پاس آنے سے روک دیں۔" تو ابوطالب نے مجھ سے

کہا "اے عقیل! اپنے چچازاد بھائی کو میرے پاس بلا لاؤ۔" چنانچہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ابوطالب کی ایک کوٹھڑی میں سے بلا کر لایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ چل رہے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ میں چلنا چاہتے تھے (تیز دھوپ کی وجہ سے) لیکن راستہ میں سایہ نہ مل سکا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوطالب کے پاس پہنچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابوطالب نے کہا "اے بھتیجے! اللہ کی قسم جیسے کہ تم کعبہ میں اور ان کی مجلسوں میں جا کر ان کو ایسی باتیں سناتے ہو جن سے ان کو دکھ ہوتا ہے اگر تم مناسب سمجھو تو ان کے پاس جانا چھوڑ دو۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا "جس امر کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے' اس کو چھوڑنے کی میں طاقت نہیں رکھتا جس طرح تم میں سے کوئی سورج میں سے آگ کا شعلہ لانے کی طاقت نہیں رکھتا۔" اس پر ابوطالب نے کہا "میرا بھتیجا کبھی غلط بات نہیں کہتا' تم سب بھلائی کے ساتھ واپس جاؤ۔"

(طبرانی)

ان واقعات سے خوب واضح ہو جاتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دعوت دین اور تبلیغ اسلام کے لیے کس قدر تکالیف اٹھاتے رہے مگر اس کے باوجود بھی انہوں نے دعوت و تبلیغ دین کی طرف سے کوئی لاپرواہی نہ برتی' نہ کبھی اس سلسلہ میں سستی یا غفلت کا شکار ہوئے۔ بلکہ آپ کو ہمیشہ یہی فکر دامن گیر رہتی کہ لوگ خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لے آئیں' نیک اعمال اختیار کر لیں اور دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کام کی راہ میں آنے والی کسی بھی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاتے' کوئی بڑی سے بڑی مشکل بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نہ روک سکتی تھی۔ کافر آپ کو برا بھلا کہتے' گالیاں دیتے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑاتے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو گندگی سے بھر دیتے' راہ چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوڑا اور غلاظت پھینک دیتے' عبادت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور ہو جاتے' مارتے پیٹتے بلکہ بسا اوقات جسمانی تشدد کی انتہا کر دیتے۔ تبلیغ دین کا کام کرنے کی وجہ سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیوں کو طلاق دے

کر کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انتہائی ذہنی اذیت دینے کی کوشش کی مگر آپ کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آ سکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز' رشتہ دار اور وہ لوگ جو ایمان لا چکے تھے جن تکلیفوں میں مبتلا کیے گئے' وہ انسان کے گمان سے باہر ہیں۔

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں کئی طریقوں سے دعوت و تبلیغ دین اور ترویج و اشاعتِ اسلام کا کام کیا اور فریضۂ نبوت و رسالت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کئی اقدام کیے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک دو دو افراد سے تنہا مل کر انہیں دعوتِ اسلام دیتے' کبھی مجمع اور جماعت کے سامنے کھڑے ہو کر دین کا وعظ فرماتے۔ حج کے دوران عرب کے قبائل کے سامنے اپنی نبوت و رسالت کی دعوت رکھتے۔ تبلیغ دین کے لیے بازاروں اور میلوں میں جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو غزوات لڑے یا جو سرایا بھیجے وہ بھی دعوت و تبلیغ دین کی خاطر ہی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میدانِ جنگ میں اوّل کافروں کو دین کی دعوت دی جاتی پھر جنگ کی جاتی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مختلف علاقوں کی طرف اور بادشاہوں کی طرف دین کی دعوت دینے کے لیے قاصد بھی روانہ فرماتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انفرادی دعوت فرمانا

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک یا دو دو افراد کو مل کر دین کی دعوت دیتے' انہیں اللہ کی طرف بلاتے۔ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت علی المرتضیٰ' حضرت ضماد' حضرت عمرو بن عبسہ' حضرت عدی بن حاتم' حضرت خالد بن سعید' حضرت ذوالجوشن ضبابی' حضرت بشیر بن خصاصیہ اور دیگر بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکیلا اکیلے بالمشافہ دعوتِ اسلام دی جو انہوں نے قبول کی۔ یہاں بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ جاہلیت کے دوست تھے۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو عرض کیا "اے ابو القاسم! کیا بات ہے۔ آپ اپنی قوم کی مجلسوں میں نظر نہیں آتے اور لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ ان کے آباؤ اجداد وغیرہ کے عیب بیان کرتے ہیں۔" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں اللہ کا رسول ہوں اور تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔" جونہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بات پوری فرمائی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے اتنی زیادہ خوشی کے ساتھ واپس ہوئے کہ کوئی بھی مکہ کی ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان جن کو "اخشبین" کہا جاتا ہے' آپ سے زیادہ خوش نہ تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے' یہ حضرات بھی مسلمان ہو گئے۔ دوسرے روز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت عثمان بن مظعون' حضرت ابوعبیدہ بن الجراح' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد اور حضرت ارقم بن ابوالارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر حاضر ہوئے۔ یہ سب حضرات بھی اسلام لے آئے۔

(البدایہ)

حضرت اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں "ہم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میں اپنے قبول اسلام کا واقعہ بیان کروں؟" ہم نے کہا "جی ضرور" آپ نے فرمایا "میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے دشمنوں میں سے ایک تھا' صفا پہاڑی کے قریب ایک مکان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے گریبان کو پکڑ کر فرمایا "اے ابن خطاب! مسلمان ہو جا" اور ساتھ ہی یہ دعا کی "اے اللہ! اسے ہدایت عطا فرما" میں فوراً کہہ اٹھا۔

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد انک رسول الله

فرماتے ہیں "میرے اسلام لاتے ہی مسلمانوں نے اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہی کہ اسے مکہ کی تمام گلیوں میں سنا گیا۔" (الحلیۃ)

حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا" میں اپنی خالہ اروی بنت عبدالمطلب کے پاس ان کی عیادت کے لیے گیا' تھوڑی دیر بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی وہاں تشریف لے آئے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غور سے دیکھنے لگا۔ آپ کی نبوت کا تھوڑا بہت تذکرہ ان دنوں ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اے عثمان تمہیں کیا ہوا؟" میں نے کہا "میں اس بات پر حیران ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمارے اندر بڑا مرتبہ ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں کی جا رہی ہیں۔" اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لا الہ الا اللہ" اللہ گواہ ہے کہ میں یہ سن کر کانپ گیا" پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ○ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ۔

ترجمہ: "اور ہے آسمان میں تمہاری روزی اور جو وعدہ تم سے کیا گیا۔ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی کہ یہ حق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو۔" (الذریت: ۲۲'۲۳)

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر چلے گئے۔ میں بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چل پڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ (الاستیعاب)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نماز پڑھ رہے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا "اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) یہ کیا ہے؟" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ اللہ کا وہ دین ہے جسے اللہ نے اپنے

لیے پسند فرمایا اور جسے دے کر اپنے رسولوں کو بھیجا۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے تم اسی کی عبادت کرو اور لات اور عزٰی دونوں بتوں کا انکار کردو۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "یہ ایسی بات ہے جو آج سے پہلے میں نے کبھی نہیں سنی۔ اس لیے میں اپنے والد ابو طالب سے پوچھ کر ہی اس کے بارے میں کچھ فیصلہ کروں گا۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو پسند نہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان سے پہلے آپ کا راز فاش ہو جائے تو اس لیے فرمایا "اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے ہو تو اس بات کو پوشیدہ رکھو۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی حال میں رات بسر کی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں مسلمان ہونے کا شوق پیدا فرما دیا۔ اگلے روز صبح ہوتے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "کل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سامنے کیا بات پیش فرمائی تھی؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو کہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور لات وعزٰی کا انکار کردو اور اللہ کے تمام شریکوں سے الگ ہو جاؤ۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بات مان لی اور اسلام لے آئے اور ابو طالب کے ڈر سے چھپ چھپ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے رہے اور اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا' ظاہر نہ ہونے دیا۔ (ابن اسحٰق)

حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئے تھے۔ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اور ان کے اسلام کی طرف آنے کا آغاز اس طرح ہوا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک آگ کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس آگ کی لمبائی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ اللہ ہی جانتا ہے اور خواب میں انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ان کا والد انہیں آگ میں دھکیل رہا ہے اور یہ بھی دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کمر کو پکڑ رکھا ہے تاکہ وہ آگ میں نہ گر جائیں۔ وہ گھبرا کر بیدار ہوئے اور کہا "میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں یہ بالکل سچا خواب ہے۔" پھر ان کی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی اور انہیں اپنا خواب سنا

یا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "تمہارے ساتھ (اللہ کی طرف سے) بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں' تم ان کی پیروی کرو۔ (اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ) تم ان کا اتباع ضرور کرو گے اور ان کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاؤ گے اور اسلام ہی تم کو آگ سے بچائے گا جبکہ تمہارا باپ آگ میں جائے گا۔" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اجیاد محلہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' عرض کیا: "اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟" آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں تم کو ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور ان پتھروں کی عبادت چھوڑ دو' جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں اور نہ ہی نفع اور نہ انہیں یہ پتہ ہے کہ کون ان کی پوجا کرتا ہے اور کون نہیں کرتا ہے۔" حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً کلمہ شہادت پڑھ لیا کہ "میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس بات کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔" ان کے اسلام لانے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی۔ اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر سے چلے گئے۔ ان کے والد کو ان کے اسلام لانے کا پتہ چل گیا۔ اس نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے جو انہیں ان کے والد کے پاس ڈھونڈ کر لائے۔ والد نے ان کو خوب ڈانٹا اور جو کوڑا اس کے ہاتھ میں تھا' اس سے ان کو اس قدر پیٹا کہ وہ کوڑا ان کے سر پر توڑ دیا اور کہا "اللہ کی قسم! میں تمہارا کھانا پینا بند کر دوں گا۔" حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "اگر تم بند کر دو گے تو اللہ تعالیٰ مجھے ضرور اتنی روزی دے گا۔ جس سے میں اپنی زندگی گزار لوں گا۔" یہ کہہ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلے آئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کا ہر طرح خیال رکھتے تھے اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ (بیہقی)

حضرت ابو تمیمہ تجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم کے ایک شخص کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ

وہ آدمی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (یا حضرت ابوتمیمہ نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھا' وہاں ایک آدمی آیا) اور اس آدمی نے پوچھا "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟" یا یہ پوچھا کہ "آپ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں!" پھر اس نے پوچھا "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کو پکارتے ہیں؟" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اکیلے اللہ عزوجل کو پکارتا ہوں' جس کی صفت یہ ہے کہ جب تمہیں کوئی نقصان پہنچے اور تم اس کو پکارو تو وہ تم سے نقصان کو دُور کر دے اور جب تم پر قحط سالی آ جائے اور تم اس کو پکارو تو وہ تمہارے لیے اناج اُگا دے اور جب تم چٹیل میدان میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے اور تم اس کو پکارو تو وہ تمہاری سواری تم کو واپس کر دے۔" یہ بات سن کر وہ آدمی فوراً مسلمان ہو گیا پھر اس نے عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کسی چیز کو بھی گالی نہ دو۔" (حکم راوی کو شک ہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے "شیئاً" فرمایا "یا احداً" دونوں کا مطلب ایک ہی ہے) وہ صاحب کہتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصیت فرمانے کے بعد میں نے آج تک کبھی کسی اونٹ یا کسی بکری کو بھی گالی نہیں دی۔"

(احمد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنو نجار کے ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا "اے ماموں لاالٰہ الااللہ پڑھ لو۔" اس نے کہا "میں ماموں ہوں یا چچا؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "چچا نہیں' ماموں ہو۔ لاالٰہ الااللہ پڑھ لو۔" اس نے کہا "کیا یہ میرے لیے بہتر ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں!" (احمد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا "مسلمان ہو جاؤ' سلامتی پالو گے۔" اس نے کہا "میرا دل نہیں مانتا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "دل نہ چاہے تب بھی" (مسلمان ہو جا) (احمد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں "ایک یہودی لڑکا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا' وہ بیمار ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے پھر اس سے فرمایا "مسلمان ہو جاؤ" اس کا باپ بھی وہیں تھا' وہ اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔ باپ نے کہا "ابوالقاسم! (یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی مان لو" وہ مسلمان ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لے آئے "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اس کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔" (ابوداؤد)

حضرت خبیب بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ "حضرت اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبدقیس رضی اللہ عنہما مدینہ سے مکہ عتبہ بن ربیعہ سے اپنا کوئی فیصلہ کروانے کے لیے آئے' وہاں آ کر دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کچھ سنا۔ ان دونوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں پر اسلام پیش فرمایا اور ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ وہ دونوں مسلمان ہو گئے اور عتبہ بن ربیعہ کے قریب بھی نہ پھٹکے اور ویسے ہی مدینہ کو واپس آ گئے یہ دونوں سب سے پہلے مدینہ میں اسلام کو لے کر پہنچے۔" (ابن سعد)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں "حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی ہندہ کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھا کر اپنے کھیت کی طرف جا رہے تھے۔ میں ان دونوں کے آگے چل رہا تھا اور اس وقت میں نوعمر لڑکا تھا اور اپنی گدھی پر سوار تھا اتنے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس آئے۔ ابوسفیان نے کہا "معاویہ! نیچے اُتر جا تاکہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سوار ہو جائیں۔ پس میں گدھی سے اُتر گیا اور اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر ہمارے آگے آگے چلتے رہے پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اے ابوسفیان بن حرب' اے ہند بنت عتبہ! اللہ کی قسم! تم ضرور مرو گے پھر تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا پھر نیک جنت میں جائے گا اور بد دوزخ میں اور میں نے تمہیں بالکل صحیح اور حق بات بتائی ہے اور تم دونوں ہی سب سے پہلے (اللہ نے

عذاب) سے ڈرائے گئے ہو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حم تنزیل من الرحمن الرحیم سے لے کر قالتا اتینا طائعین تک آیتیں پڑھیں پھر ابوسفیان نے کہا "اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بات سے فارغ ہوگئے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں!" پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گدھی سے نیچے اُتر گئے اور میں اس پر سوار ہوگیا۔ حضرت ہندہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا "کیا تم نے اس جادوگر کے لیے میرے بیٹے کو گدھی سے اُتارا تھا؟" ابوسفیان نے کہا "نہیں! اللہ کی قسم! وہ جادوگر اور جھوٹے آدمی نہیں ہیں۔"

(طبرانی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتماعی دعوت فرمانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ "جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔

ترجمہ: "اور ڈرسنا اپنے قریبی رشتہ داروں کو"

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باہر آئے اور مروہ پہاڑی پر چڑھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے کہا "اے آل فہر!" تو قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آگئے۔ ابولہب بن عبدالمطلب نے کہا "یہ فہر قبیلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں کیا کہنا چاہتے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے آل غالب!" تو فہر کی اولاد میں سے بنو محارب اور بنو حارث واپس چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے آل لوی بن غالب!" تو بنو تیم الادرم بن غالب واپس چلے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے آل کعب بن لوی!" تو بنو عامر بن لوی واپس چلے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے آل مرہ بن کعب!" تو بنو عدی بن کعب اور بنو سہم اور بنو جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن

لوی واپس چلے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے کلاب بن مرہ کی اولاد!" تو بنو مخزوم بن یقظہ بن مرہ اور بنو تیم بن مرہ واپس چلے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے قصی کی اولاد!" تو بنو زہرہ بن کلاب واپس چلے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے عبد مناف کی اولاد!" تو بنو عبدالدار قصی اور بنو اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اور بنو عبد بن قصی واپس چلے گئے۔ ابولہب نے کہا "یہ بنو عبد مناف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں کیا کہتے ہیں؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں کو ڈرسناؤں اور آپ لوگ ہی قریش میں سے میرے قریبی رشتہ دار ہیں اور میں اللہ کے سامنے کوئی اختیار نہیں اور نہ میں آخرت میں تمہارے لیے کچھ کرسکتا ہوں جب تک کہ تم لا الٰہ الا اللہ کا اقرار نہ کرلو اور جب تم اس کا اقرار کرلو گے تو اس کلمہ کی وجہ سے تمہارے رب کے سامنے میں تمہارے لیے گواہی دے سکوں گا اور اس کی وجہ سے تمام عرب تمہارے مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں گے اور تمام عجم تمہاری مانیں گے۔" تو ابولہب نے کہا (نعوذ باللہ) "تو برباد ہو جائے۔ کیا اسی لیے ہم لوگوں کو بلایا تھا؟" اس پر اللہ تعالیٰ نے تبت یدا ابی لہب سورت نازل فرمائی کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے یعنی برباد ہوگیا۔ (ابن سعد)

حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعلان نبوت کے بعد تین سال تک پوشیدہ طور پر دعوت کا کام کرتے رہے پھر چوتھے سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی الاعلان دین کی تبلیغ کا کام شروع کردیا جو وہاں دس سال تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موسم حج میں بھی دعوت کا کام کیا کرتے تھے اور عکاظ اور مجنہ اور ذی المجاز بازاروں میں حاجیوں کے پاس ان کی قیام گاہوں میں جاتے تھے اور انہیں اس بات کی دعوت دیتے تھے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کریں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب عزوجل کا پیغام پہنچا سکیں اور ان کو اس کے بدلہ میں جنت ملے گی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مدد و نصرت کے لیے کسی کو بھی تیار نہ پاتے۔" (ابونعیم)

حضرت ابن رومان اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر وغیرہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں' "حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بازار عکاظ میں قبیلہ کندہ کے پاس ان کی قیام گاہ میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے زیادہ نرم مزاج قبیلہ کے پاس کبھی نہیں گئے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ یہ لوگ نرم ہیں اور بڑی محبت سے پیش آ رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دین کی طرف بلانا شروع کیا کہ میں تمہیں ایک اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ جس طرح تم اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تم میری بھی حفاظت کرو پھر اگر میں غالب آ گیا تو تمہیں پورا اختیار ہوگا۔" اکثر قبیلہ والوں نے کہا "یہ تو بہت اچھی بات ہے لیکن ہم انہی خداؤں کی عبادت کریں گے جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے۔" قوم میں سے ایک چھوٹی عمر والے نے کہا "اے میری قوم! دوسروں کے ماننے اور ساتھ لے جانے سے پہلے تم ان کی مان کر ان کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اللہ کی قسم! اہلِ کتاب کا کہنا ہے کہ ایک نبی حرم سے ظاہر ہوگا جس کا زمانہ قریب آ چکا ہے۔" قوم میں ایک کانا آدمی تھا' وہ کہنے لگا "چپ کرو! میری بھی سنو! اس کو تو اس کے خاندان نے نکال دیا ہے اور تم اس کو پناہ دے کر پورے عرب سے لڑائی مول لینا چاہتے ہو؟ نہیں' نہیں ایسا ہرگز نہ کرو۔" یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے بڑے غمگین ہو کر واپس تشریف لے آئے اور وہ لوگ اپنی قوم میں واپس چلے گئے اور وہاں یہ واقعہ سنایا تو ایک یہودی نے کہا "تم نے بڑا سنہری موقع ضائع کر دیا اگر تم دوسروں سے پہلے ان کی مان لیتے تو تم تمام عرب کے سردار بن جاتے۔ ان کی صفات اور حلیہ کا بیان ہماری کتاب میں موجود ہے۔" وہ یہودی کتاب میں سے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اور حلیہ پڑھ کر سناتا جاتا اور جو لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر آئے تھے' وہ اس سارے کی تصدیق کرتے جاتے۔ اس یہودی نے کہا "ہماری کتاب میں یہ بھی ہے کہ وہ مکہ میں ظاہر ہوں گے اور ہجرت کر کے یثرب (مدینہ) جائیں گے۔" یہ سن کر ساری قوم نے طے کیا کہ اگلے سال موسم حج میں جا کر حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ضرور ملیں گے لیکن ان کے ایک سردار نے

ان کو اگلے سال حج پر جانے سے روک دیا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ مل سکا اور وہ یہودی مر گیا۔ لوگوں نے سنا کہ مرتے وقت وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کر رہا تھا اور ایمان لے آنے کا اظہار کر رہا تھا۔" (ابونعیم)

حضرت عبدالرحمٰن عامری اپنی قوم کے چند بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ بازار عکاظ کے بازار میں قیام کئے ہوئے تھے' ہمارے پاس حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم لوگ کون سے قبیلے سے ہو؟" ہم نے کہا "بنو عامر بن صعصعہ سے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بنو عامر کے کون سے خاندان سے ہو؟" ہم نے کہا "بنو کعب بن ربیعہ کے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارا دبدبہ اور رعب کیسا ہے؟" ہم نے کہا "کسی کی ہمت نہیں کہ ہمارے علاقے میں آ کر کسی چیز کو ہاتھ لگا سکے یا ہماری آگ پر ہاتھ تاپ سکے۔" (یعنی ہم بڑے جری اور بہادر ہیں) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا "میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اگر میں تمہارے پاس آ جاؤں تو کیا تم لوگ میری حفاظت کرو گے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں اور میں تم میں سے کسی کو کسی بات پر مجبور نہیں کرتا۔" قبیلہ والوں نے کہا "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے کون سے خاندان سے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بنو عبدالمطلب سے" انہوں نے کہا "بنو عبد مناف نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انہوں نے تو سب سے پہلے مجھے جھٹلایا اور دھتکارا۔" انہوں نے کہا "ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دھتکارتے ہیں اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں۔ البتہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ لے جائیں گے اور) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر طرح سے حفاظت کریں گے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کا پیغام پہنچا سکیں۔" پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری سے اتر کر ان کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ لوگ بازار میں خرید و فروخت کرنے لگے' اتنے میں ان کے پاس بحیرہ بن فراس قشیری آیا اور اس نے کہا "مجھے تمہارے پاس یہ کون نظر آ رہا ہے جسے میں نہیں پہچانتا؟" انہوں نے کہا "یہ محمد بن عبداللہ قریشی ہیں۔" اس نے کہا "تم لوگوں کا ان سے ساتھ

کیا تعلق ہے؟" وہ کہنے لگے "انہوں نے ہمیں کہا ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ہم سے کہا ہے کہ ہم ان کو اپنے علاقہ میں لے جائیں اور ان کی ہر طرح حفاظت کریں تاکہ وہ اپنے رب کا پیغام پہنچا سکیں۔" اس نے کہا "تم نے ان کو کیا جواب دیا؟" انہوں نے کہا "ہم نے ان کو خوش آمدید کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے علاقہ میں لے جائیں گے اور اپنی جانوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کریں گے۔" بحیرہ بولا "میرے خیال میں اس بازار والوں میں سے تم سب سے زیادہ بری چیز لے کر جا رہے ہو۔ جس کی وجہ سے تمام لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے اور تم سے ہر طرح کا تعلق ختم کر لیں گے۔ عرب کے سب لوگ اکٹھے ہو کر تم سے لڑیں گے۔ اس کی قوم اس کو اچھی طرح جانتی ہے اگر وہ لوگ اس میں کوئی بھلائی دیکھتے تو ان کا ساتھ دینے میں اپنی بڑی سعادت سمجھتے۔ یہ اپنی قوم کا ایک کم عقل آدمی ہے (نعوذ باللہ) اور اسے اس کی قوم نے دھتکار دیا ہے اور جھٹلایا ہے اور تم اسے پناہ دینا چاہتے ہو اور اس کی مدد کرنا چاہتے ہو؟ تمہارا فیصلہ بالکل غلط ہے۔" پھر اس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مڑ کر کہا کہ "اٹھو اور اپنی قوم میں چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم! اگر تم میری قوم کے پاس نہ ہوتے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔" چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور اپنے اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ خبیث بحیرہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کی کوکھ میں لکڑی سے زور سے چوکا دیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بدک گئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی سے نیچے گر گئے اور اس دن حضرت ضباعہ بنت عامر بن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے چچازاد بھائیوں سے ملنے کے لیے قبیلہ بنو عامر میں آئی ہوئی تھیں اور وہ ان عورتوں میں سے تھیں جو مسلمان ہو چکی تھیں اور مکہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا کرتی تھیں۔ وہ یہ منظر دیکھ کر بے قرار ہو کر بول اٹھیں جو "اے عامر کی اولاد! آج تم میں سے کوئی بھی عامر کی طرح میری مدد کرنے والا نہیں رہا یا آج سے میرا قبیلہ عامر سے کوئی تعلق نہیں۔ تمہارے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ برا سلوک کیا جا رہا ہے اور تم میں سے کوئی بھی ان کی مدد کے لیے کھڑا نہیں ہوا۔" چنانچہ ان کے تین چچازاد بھائی بحیرہ کی طرف لپکے جبکہ دو آدمی

بحیرہ کی مدد کے لیے اٹھے۔ ان تینوں بھائیوں میں سے ہر ایک نے ایک ایک کو پکڑ کر زمین پر گرا لیا اور ان کے سینوں پر بیٹھ گئے اور ان کے چہروں پر تھپڑ مارے۔ اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے اللہ! ان (مدد کرنے والوں) پر برکت نازل فرما اور ان تینوں (دشمنوں) پر لعنت کر۔" راوی کا کہنا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنے والے تینوں بھائی مسلمان ہو گئے اور انہوں نے شہادت کا مرتبہ پایا اور باقی تینوں ذلت کی موت مرے جن دو آدمیوں نے بحیرہ بن فراس کی مدد کی ان میں سے ایک کا نام حزن بن عبداللہ اور دوسرے کا نام معاویہ بن عبادہ تھا اور جن تین بھائیوں نے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی وہ خطریف بن سہل اور غطفان بن سہل اور عروہ بن عبداللہ تھے۔"

(ابونعیم)

حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن حصین کا بیان ہے کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ کلب کے خاندان بنو عبداللہ کی قیام گاہ میں تشریف لے گئے اور ان کو اللہ کی طرف دعوت دی اور خود کو ان پر پیش کیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو فرما رہے تھے کہ "اے بنو عبداللہ! اللہ نے تمہارے باپ کا نام بہت اچھا رکھا ہے۔" لیکن انہوں نے آپ کی پیش کردہ دعوت کو قبول نہ کیا۔ (البدایۃ)

حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنی حنیفہ کے پاس ان کی قیام گاہ میں تشریف لے گئے اور ان کو اللہ کی طرف بلایا اور اپنے آپ کو ان پر پیش کیا مگر عربوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو ان سے زیادہ برے طریقے سے کسی نے نہیں ٹھکرایا۔ (البدایۃ)

حضرت ربیعہ بن عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ "میں نوجوان لڑکا تھا اور اپنے والد کے ساتھ منیٰ میں تھا اور حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عرب کے قبائل کی قیام گاہوں میں تشریف لے جاتے تھے اور ان سے فرماتے تھے "اے بنی فلاں! مجھے اللہ نے تمہارے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور اللہ کے علاوہ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت

کرتے ہو' ان کو چھوڑ دو اور مجھ پر ایمان لے آؤ اور میری تصدیق کرو اور میری حفاظت کرو تا کہ جو پیغام دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے' وہ میں اس کی طرف سے کھلے طور پر پہنچا سکوں۔"

حضرت ربیعہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ایک بھینگا اور خوبصورت آدمی تھا اس کی دو زلفیں تھیں' وہ عدنی جوڑا پہنے ہوئے تھا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی گفتگو اور اپنی بات سے فارغ ہو گئے تو اس آدمی نے کہا "اے بنی فلاں! یہ آدمی تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ تم لات اور عزیٰ کو اور بنی مالک بن اقیش کے حلیف جنوں کو اپنی گردن سے اُتار پھینکو اور جس بدعت اور گمراہی کو یہ لایا ہے' وہ اختیار کر لو۔ اس کی بات بالکل نہ مانو اور نہ ہی سنو۔" حضرت ربیعہ کہتے ہیں "میں نے اپنے والد سے کہا "اے ابا جان! یہ آدمی کون ہے؟ جو ان کے پیچھے لگا ہے اور جو وہ فرماتے ہیں' اس کی تردید کرتا ہے۔" میرے والد نے کہا "یہ ان کا چچا عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ابولہب ہے۔" (ابن اسحٰق)

حضرت حارث بن حارث غامدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "ہم منیٰ میں ٹھہرے تھے' میں نے اپنے والد سے پوچھا "یہ مجمع کیسا ہے؟" انہوں نے کہا "یہ سب ایک بے دین آدمی کی وجہ سے جمع ہیں۔" کہتے ہیں "میں نے گردن اونچی کی اور دیکھا تو نظر آیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اللہ کی وحدانیت کی دعوت دے رہے ہیں اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو جھٹلا رہے ہیں۔" (اخرجہ البخاری فی التاریخ)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ "میں حج کرنے گیا' وہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی جا رہی تھیں۔ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ کر کھڑا ہوا جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ بنی عمرو بن مؤمل کی ایک لونڈی کو تکلیف دے رہے تھے پھر حضرت عمر حضرت زنیرہ کے پاس آ کر رُکے اور ان کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگے۔" (الواقدی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن انصار کی فضیلت اور ان کے اسلام میں پرانا ہونے اور اسلام میں سبقت لے جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "جو انصار سے محبت نہ

کرے اور ان کے حقوق کو نہ پہچانے' وہ ایمان والا نہیں ہے۔ انہوں نے اسلام کی دیکھ بھال اس طرح کی جیسے گھوڑے کے بچے کی کی جاتی ہے۔ وہ اپنے ہتھیاروں کی مہارت اور اپنی گفتگو کی طاقت اور اپنے دلوں کی سخاوت کے باعث اسلام کی دیکھ بھال کے لیے کافی ہو گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حج کے موسم میں قبائل کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو دعوت دیا کرتے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو تسلیم نہ کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول نہ کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجنہ اور عکاظ اور منیٰ کے بازاروں میں ان قبائل کے پاس جاتے اور ہر سال جا کر ان کو دعوت دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس اتنی بار گئے کہ قبائل والے لوگ کہنے لگ گئے کہ "کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں سے مایوس ہو جائیں۔" حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انصار کے اس قبیلہ کو نوازنے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اسلام کو پیش فرمایا جسے انہوں نے فوراً قبول کر لیا اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس (مدینہ میں) ٹھہرایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ساتھ نصرت اور ہمدردی کا معاملہ کیا۔ فجزاھم اللہ خیرا۔ ہم مہاجرین ان کے پاس گئے تو انہوں نے ہمیں اپنے ساتھ گھروں میں ٹھہرایا اور کوئی بھی ہمیں دوسروں کے پاس بھیجنے کو تیار نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ ہمیں اپنا مہمان بنانے کے لیے قرعہ اندازی کیا کرتے تھے پھر انہوں نے خوشی خوشی اپنے مالوں کا ہمیں اپنے سے بھی زیادہ حق دار بنا دیا اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔" (ابو نعیم)

حضرت اُمّ سعد بنت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ "حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب تک مکہ میں رہے' قبائل کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتے رہے۔ جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیفیں دی جاتی رہیں اور برا بھلا کہا جاتا رہا۔"

(ابو نعیم)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابولہب سے بھاگتے تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیچھا کرتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ ...

وآلہ وسلم پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ لوگوں میں سے میں نے کسی کو بولتے نہیں دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دعوت دیتے جاتے تھے خاموش نہیں ہوتے تھے۔ (البیہقی)

حضرت طارق بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "میں بازار ذی المجاز میں تھا اچانک ایک نوجوان آدمی گزرا جس نے سرخ دھاریوں والا لباس پہن رکھا تھا اور وہ کہہ رہا تھا "اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے۔" اس کے پیچھے ایک آدمی تھا جس نے اس نوجوان کی ایڑیوں اور پنڈلیوں کو زخمی کر رکھا تھا اور کہہ رہا تھا "اے لوگو! یہ جھوٹا ہے اس کی بات نہ مانو۔" میں نے پوچھا "یہ کون ہے؟" کسی نے کہا "یہ بنی ہاشم کا نوجوان ہے جو خود کو اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتا ہے اور دوسرا اس کا چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) ہے۔"
(طبرانی)

بنی مالک بن کنانہ کے ایک آدمی نے بیان کیا ہے کہ "میں نے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بازار ذی المجاز میں پھرتے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے تھے "اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے۔" وہ کہتا ہے کہ ابوجہل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مٹی پھینکتا اور کہتا "لوگو! دیکھنا یہ آدمی تمہیں تمہارے دین سے ہٹا نہ دے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے معبودوں کو اور لات و عزیٰ کو چھوڑ دو۔" اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرماتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ اور اس وقت کی حالت بیان کر دیں۔" بنی مالک بن کنانہ کے اس آدمی نے کہا کہ "حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو سرخ دھاریوں والی چادریں پہن رکھی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد درمیانہ اور جسم بھرا ہوا اور چہرہ انتہائی حسین تھا۔ آپ کے بال بہت کالے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت گورے چٹے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال پورے اور گنجان تھے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ "حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عبدالمطلب کو جمع کیا یا آپ نے ان کو دعوت پر بلایا۔ یہ ایسے لوگ تھے کہ ان میں سے ہر ایک پورا بکرا کھا جاتا تھا اور تین صاع (ساڑھے دس سیر) تک پی جاتا تھا لیکن آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ایک مد (تقریباً چودہ چھٹانک) کھانا تیار کیا۔ انہوں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا مگر کھانا اتنا ہی رہا جتنا پہلے تھا اس میں کوئی کمی نہ آئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اسے ہاتھ ہی نہ لگا ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹا پیالہ منگوایا جسے انہوں نے پیا تو وہ سیراب ہو گئے اور وہ مشروب ویسے ہی رہا جیسے کسی نے اسے ہاتھ ہی نہیں لگایا یا اسے کسی نے پیا ہی نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اے بنو عبدالمطلب) مجھے تمہاری طرف خاص طور سے اور تمام انسانوں کی طرف عام طور سے بھیجا گیا ہے اور تم میرا یہ معجزہ دیکھ چکے ہو (کہ تم سب نے سیر ہو کر کھایا مگر تھوڑا ہونے کے باوجود کھانے اور پینے میں کوئی کمی نہیں آئی) تم میں سے کون میرا بھائی اور میرا ساتھی بننے پر مجھ سے بیعت کرتا ہے؟"
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "کوئی بھی کھڑا نہ ہوا تو میں کھڑا ہو گیا باوجود اس کے کہ میں ان سب میں چھوٹا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بیٹھ جاؤ" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے تین مرتبہ یہ بات کہی۔ ہر دفعہ میں کھڑا ہوتا رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے فرما دیتے "بیٹھ جاؤ" تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا (یعنی مجھ سے بیعت لی) (احمد)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہبر بن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رکوبہ گھاٹی کے راستے لے کر گئے تھے۔ (سفر ہجرت میں) ان کے بیٹے کہتے ہیں "میرے والد نے مجھ سے یہ بیان فرمایا کہ "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک شیر خوار بیٹی ہمارے ہاں دودھ پینے کیلئے رہتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ مدینہ کا سفر چھوٹے راستہ سے کریں تو ان سے حضرت سعد نے عرض کیا کہ "رکوبہ گھاٹی کے نیچے سے جانے والا راستہ زیادہ قریب ہے لیکن ادھر قبیلہ اسلم کے دو ڈاکو رہتے ہیں جن کو "مہانان" کہا جاتا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں تو ان کے پاس سے گزرنے والے راستہ سے چلیں؟" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہمیں ڈاکوؤں والے راستے سے لے چلو۔" حضرت سعد فرماتے ہیں کہ "ہم اس راستے

پر چلے۔ جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا "او یہ یمانی آ گیا" حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو دعوت دی اور ان کے سامنے اسلام کو پیش فرمایا۔ وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے نام پوچھے۔ انہوں نے کہا "ہم مہانان ہیں" (یعنی ذلیل) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نہیں تم دونوں مکرمان ہو" (یعنی عزت دار) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے پاس مدینہ حاضر ہونے کا حکم دیا۔" (احمد)

حضرت عاصم اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمیم کے مقام پر پہنچے تو حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اسلام کی طرف بلایا۔ وہ مسلمان ہو گئے اور ان کے ساتھ تقریباً ۸۰ خاندان مسلمان ہوئے پھر رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی اور ان سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی۔"

(ابن سعد)

میدانِ جنگ میں دین کی تبلیغ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "جب تک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کسی قوم کو اسلام کی دعوت نہ دے لیتے اس سے جنگ نہ کرتے۔" (حاکم)

حضرت عبدالرحمن بن عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ "جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوئی لشکر بھیجتے تو ان کو یہ نصیحت فرماتے کہ لوگوں سے محبت پیدا کرو اور جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہ دے لو ان پر حملہ نہ کرنا اور چھاپہ نہ مارو کیونکہ روئے زمین پر جتنے کچے اور پکے مکان ہیں ان کے رہنے والوں کو تم اگر مسلمان بنا کر میرے پاس لے آؤ یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ اچھا ہے کہ تم ان کی عورتوں اور بچوں کو (قید کر کے) میرے پاس لے آؤ اور ان کے مردوں کو قتل کر دو۔" (ابن مندہ)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب کسی شخص کو کسی لشکر کا امیر بنا کر بھیجتے تو اس کو حکم دیتے کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں اللہ سے ڈرے اور اپنے ساتھ والے مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور فرماتے کہ جب تمہارا مشرک دشمنوں سے سامنا ہو تو ان کو تین باتوں کی دعوت دو۔ ان باتوں میں سے جو بات بھی وہ مان لیں تم اسے ان سے قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو۔ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسے مان لیں تو تم ان سے اس کو قبول کر لو اور ان کے ساتھ لڑنے سے رُک جاؤ پھر ان کو اپنا علاقہ چھوڑ کر دارالمہاجرین یعنی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کو وہ سب ملے گا جو مہاجرین کو ملتا ہے اور ان پر وہ تمام ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہوتی ہیں اور اگر وہ اسے نہ مانیں اور اپنے علاقے میں رہنا چاہئیں تو انہیں بتلا دو کہ وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے اور اللہ کے حکم جو عام مسلمانوں کے ذمہ ہیں وہ ان کے ذمہ ہوں گے اور انہیں فئے اور مالِ غنیمت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ہاں اگر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے تو مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا۔ اگر وہ اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیں تو انہیں جزیہ دینے کی دعوت دو۔ اگر وہ اسے مان جائیں تو تم اسے قبول کر لو اور ان کے ساتھ لڑنے سے رُک جاؤ اور اگر وہ اسے بھی نہ مانیں تو اللہ سے مدد چاہتے ہوئے ان سے جنگ کرو اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے تم سے کہیں کہ "ہمیں اللہ کے حکم پر اتارو" تو ایسا نہ کرنا کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے؟ بلکہ تم ان سے اپنے فیصلے کو ماننے کا مطالبہ کرو پھر تم ان کے بارے میں جو چاہو فیصلہ کرو۔" (ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھیجا تو ان سے فرمایا کہ "جب تک تم کسی قوم کو اسلام کی دعوت نہ دے دو ان سے جنگ نہ کرنا" (عبدالرزاق)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ خیبر کے دن فرمایا "تم اطمینان سے چلتے رہو یہاں تک کہ ان کے میدان میں پہنچ جاؤ پھر ان کو اسلام کی

طرف دعوت دو اگر اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تمہیں سرخ اونٹ مل جائیں۔" (بخاری)

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا اور حکم دیا کہ عرب کے جس قبیلہ پر تم گزرو اور تمہیں اس سے اذان کی آواز سنائی دے تو ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا اور جس قبیلہ سے تم اذان کی آواز نہ سنو ان کو اسلام کی دعوت دو۔" (طبرانی)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لات وعزیٰ کے پاس رہنے والوں کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ لشکر والوں نے عرب کے ایک قبیلہ پر رات کو اچانک حملہ کیا اور ان کے تمام لڑنے والوں کو اور ان کے بال بچوں کو قید کر لیا (جب انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے تو) ان قیدیوں نے کہا "انہوں نے دعوت دیئے بغیر ہم پر حملہ کیا ہے۔" حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر والوں سے پوچھا تو انہوں نے قیدیوں کی بات کی تصدیق کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ان کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو پھر ان کو دعوت دو۔" (الواقدی)

بادشاہوں کو اسلام کی دعوت

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ ؓ کے پاس تشریف لا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تم میری طرف سے (میرا دین تمام انسانوں تک) پہنچاؤ اور جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے اختلاف کیا تم میرے سامنے ایسا اختلاف نہ کرنا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو اسی چیز کی دعوت دی تھی جس کی میں تم کو دعوت دینے لگا ہوں (یعنی انہوں نے دین کی دعوت دینے کے لیے انہیں دور اور نزدیک بھیجنا چاہا) پس ان میں سے جس کو بھیجا گیا تھا۔ اس نے اس کو ناگوار سمجھا۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے اس

کی شکایت کی۔ چنانچہ اگلے دن ان میں سے ہر آدمی اس قوم کی زبان بول رہا تھا جس قوم کی طرف اس کو بھیجا گیا تھا۔ اس پر عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ کام ضروری قرار دے دیا ہے اس لیے اب تم اسے ضرور کرو۔" حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین تمام انسانوں تک) پہنچا دیں گے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جہاں چاہیں بھیج دیں۔" چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسریٰ کی طرف بھیجا اور سلیط بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمامہ کے نواب ہوذہ بن علی کے پاس اور علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو ہجر کے حکمران منذر بن ساوی کے پاس بھیجا اور عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمان کے دو بادشاہوں جیفر اور عباد کی طرف بھیجا جو جلندی کے بیٹے تھے اور دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو قیصر کے پاس بھیجا اور شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کو منذر بن حارث بن ابی شمر غسانی کی طرف بھیجا اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا۔ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی تمام حضرات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت بحرین میں تھے۔" (طبرانی)

حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ اصحاب سیر نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو حارث بن عبد کلال کی طرف بھیجا اور جریر رضی اللہ عنہ کو ذی الکلاع کی طرف بھیجا اور سائب رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کے پاس بھیجا اور حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کی طرف بھیجا۔ (ذکرہ الحافظ فی الفتح)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصال سے پہلے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی اور ہر سرکش متکبر بادشاہ کی طرف خطوط روانہ کیے۔ جن میں ان کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی اور یہ وہ نجاشی نہیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔" (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے

وصال سے پہلے کسریٰ اور قیصر اور ہر ظالم اور سرکش بادشاہ کی طرف خطوط بھیجے تھے۔" (احمد)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دعوت و تبلیغِ اسلام

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام کے اوّلین مبلغ تھے جنہوں نے دین کو اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا اور اسے بلا کم و کاست پوری دنیا تک پہنچایا۔ اپنے اوطان چھوڑ دیئے اور چہار دانگ عالم میں پھیل گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقابر و مزارات ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ملتے ہیں۔ چنانچہ ایک جماعت اگر اقصائے مشرق تک پہنچی تو دوسری نے انتہائے مغرب پر پڑاؤ ڈالا۔ ایک گروہ اگر شمال کی طرف نکلا تو دوسرا جنوب کے انتہائی کناروں تک جا پہنچا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری حیات مبارکہ میں بھی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پاک کے بعد بھی یہ معمول تھا کہ وہ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کیلئے شب و روز محنت کرتے تھے بلکہ ان کی زندگیاں اسی مقصد کیلئے وقف تھیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور انفرادی تبلیغ

ابن اسحٰق علیہ الرحمۃ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ کے سمجھدار لوگوں سے ملتے تو انہیں اسلام کی طرف دعوت دیتے۔ چنانچہ بہت سے لوگ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوششوں سے اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے۔ حضرت زبیر بن عوام' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے کبار صحابہ کو انفرادی طور پر بالمشافہ آپ نے دعوتِ اسلام دی۔ وہ اسلام سے متاثر ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی' حضرت علی مرتضیٰ اور دیگر بڑے بڑے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معمولات مبارکہ میں بھی یہ شامل تھا کہ وہ لوگوں کو انفرادی طور پر دعوتِ اسلام دیتے رہتے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں

ان کا ایک نصرانی غلام ہوا کرتا تھا۔ جسے آپ ہمیشہ دعوت اسلام دیتے مگر وہ قبول نہ کرتا تھا۔ آپ فرماتے اے اسبق (غلام کا نام) دین میں جبر نہیں۔ اس لیے میں تجھے جبر سے مسلمان نہیں کر سکتا۔ اس کے دین حق کو قبول نہ کرنے کے باوجود آپ مایوس نہ ہوتے اور اسے دعوت اسلام دیتے رہتے۔ بوقت وصال آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بھی اس سلسلہ میں بہت مشہور ہے۔ ان کی والدہ مشرکہ تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والدہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہتے جبکہ وہ انکار کرتی رہتیں۔ خود فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے والدہ کو اسلام کی دعوت دی۔ والدہ نے مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بڑی ناقابل برداشت باتیں کہیں۔ میں رونے لگ گیا۔ روتا ہوا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سارا معاملہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گوش گزار کیا اور التجا کی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے میری والدہ کی ہدایت کیلئے دعا فرمائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کو ہدایت عطا فرما دے۔ میں خوشی میں گھر کو دوڑا۔ وہاں پہنچا تو دروازہ بند تھا۔ والدہ نے قدموں کی آواز سن کر کہا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذرا ٹھہرو۔ میں نے پانی گرنے کی آواز سنی۔ (والدہ نہا رہی تھیں) میری والدہ نے (غسل سے فارغ ہو کر) جلدی سے کرتہ پہنا۔ جلدی میں انہیں اوڑھنی لینے کا خیال بھی نہ رہا۔ دروازہ کھولا میری طرف دیکھا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئیں۔ میں خوشی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں واپس آیا اور اس بات کی اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کا شکر ادا فرمایا اور دعائے خیر فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ امام مسلم نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محترم صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی ہمہ وقت تبلیغ اسلام کیلئے کوشاں رہتیں اور لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کی فکر میں لگی رہتیں۔ یہاں حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ تحریر کیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

اسلام لانے سے پہلے (میری والدہ) حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نکاح کیلئے پیغام دیا۔ انہوں نے کہا کہ اے ابوطلحہ! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ تم جس معبود کی عبادت کرتے ہو وہ تو زمین سے اگنے والا درخت ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ ام سلیم نے کہا کہ درخت کو پوجتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔ اگر تم اسلام لے آؤ تو میں تم سے اسلام کے علاوہ کسی قسم کے مہر کا مطالبہ نہیں کروں گی۔ انہوں نے کہا کہ اچھا میں تھوڑا سوچ لوں اور چلے گئے پھر کچھ دیر بعد آئے اور کلمہ شہادت اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله پڑھ لیا تو حضرت ام سلیم نے کہا اے انس! میرا نکاح ابوطلحہ سے کردو۔ چنانچہ حضرت انس نے ان کا نکاح کروادیا۔ (احمد)

لوگوں کو انفرادی طور پر دعوت اسلام دینے کے سلسلہ میں حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بھی مشہور اور ایمان افروز ہے۔

ابنِ اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے سخت سلوک کے باوجود ان کی بھلائی کی پوری کوشش کرتے اور دنیا اور آخرت کی جس مصیبت میں وہ گرفتار تھے اس سے چھٹکارا پانے کیلئے ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قریش سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری طرح حفاظت فرمادی تو انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ لوگوں کو اور باہر سے آنے والے عربوں کو ڈراتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے سے روکتے۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ وہ مکہ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہاں ہی تھے۔ حضرت طفیل بڑے معزز آدمی اور بہت بڑے شاعر اور بہت سمجھدار شخص تھے۔ قریش کے کچھ آدمی ان کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے طفیل! آپ ہمارے شہر میں آئے ہیں۔ یہاں یہ آدمی ہے جو ہمارے درمیان رہتا ہے۔ اس نے ہمیں بڑی پریشانی میں ڈالا ہے۔ ہماری جماعت میں اس نے پھوٹ ڈال دی ہے۔ اس کی بات میں جادو کا اثر ہے۔ وہ باپ بیٹے میں اور بھائی بھائی میں اور میاں بیوی میں جدائی پیدا کردیتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ جو مصیبتیں ہم پر آئی ہیں۔ کہیں وہ آپ پر اور آپ کی قوم پر نہ آن پڑیں لہٰذا آپ نہ تو اس سے بات کریں اور نہ اس کی سنیں۔ حضرت طفیل فرماتے ہیں کہ انہوں نے

مجھ پر اتنا زور ڈالا اور اتنا پیچھے پڑے کہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سنوں گا اور نہ ان سے بات کروں گا۔ یہاں تک کہ صبح جب میں مسجد کو جانے لگا تو کانوں میں روئی بھرلی کہ کہیں بلا ارادہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بات میرے کان میں نہ پڑ جائے۔ میں مسجد گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے' میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب کھڑا ہوگیا۔ اتنی احتیاط کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض الفاظ سنا ہی دیئے۔ مجھے وہ بہت اچھا کلام محسوس ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا میری ماں مجھ پر روئے۔ میں ایک سمجھدار آدمی ہوں اور شاعر ہوں۔ اچھے اور برے کلام میں فرق کرلیتا ہوں۔ کیا حرج ہے کہ میں ان کی بات سنوں اگر اچھی ہوئی تو قبول کرلوں گا' بری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ میں وہاں انتظار کرتا رہا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوکر گھر کو تشریف لے چلے تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چل پڑا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہوگئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا اے محمد! آپ کی قوم نے مجھ سے یہ یہ کہا اور اللہ کی قسم! مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنا ڈرایا کہ میں نے اپنے کانوں میں اچھی طرح سے روئی بھرلی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہ سن سکوں مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سنا ہی دی۔ مجھے آپ کا کلام اچھا معلوم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا پیغام میرے سامنے پیش کریں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سامنے اسلام کا پیغام پیش کیا اور مجھے قرآن سنایا۔ فرماتے ہیں اللہ کی قسم میں نے اس سے قبل اس سے زیادہ اچھی اور اس سے زیادہ انصاف والی بات نہیں سنی تھی۔ پس میں کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! میری قوم میری بات مانتی ہے۔ میں واپس جاکر انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ وہ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرمائے جس سے مجھے دعوت دینے میں مدد ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! اس کو کوئی نشانی عطا فرما۔ میں اپنی قوم کی طرف چل پڑا۔ جب وہ گھاٹی آئی جہاں سے میں اپنی آبادی والوں کو دکھائی دینے لگا تو میری دونوں

آنکھوں کے درمیان چراغ کی طرح ایک چمکتا ہوا نور ظاہر ہوا۔ میں نے دعا مانگی۔ اے اللہ! اس نور کو میرے چہرے کی بجائے کسی دوسری جگہ ظاہر فرما دے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ میری قوم کے لوگ (چہرے پر نور دیکھ کر) یہ کہیں گے کہ ان کے دین کو چھوڑنے کی وجہ سے میرا چہرہ جل گیا ہے۔ پس وہ نور وہاں سے ہٹ کر میرے کوڑے کے سرے پر آ گیا۔ جب میں گھاٹی سے آبادی کی طرف نظر آ رہا تھا تو آبادی والوں کو میرے کوڑے کا وہ نور لٹکتے ہوئے قندیل کی طرح دکھائی دے رہا تھا جسے وہ ایک دوسرے کو دکھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ میں سواری سے اترا تو میرے والد آئے جو بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ میں نے ان سے کہا ابا جان! مجھ سے دور رہئے۔ آپ کا مجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ میرا آپ سے۔ وہ کہنے لگے اے میرے بیٹے کیوں؟ میں نے کہا کیونکہ میں اسلام لا چکا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین قبول کر چکا ہوں۔ میرے والد کہنے لگے میرا دین بھی وہی ہے جو تمہارا ہے۔ پس انہوں نے غسل کیا اور اپنے کپڑے پاک کئے پھر میرے پاس آئے۔ میں نے ان پر اسلام پیش کیا۔ انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا پھر میری بیوی آئی میں نے اس سے کہا: پرے ہٹ۔ میرا تجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ تیرا مجھ سے۔ اس نے کہا کیوں؟ میرے ماں باپ آپ قربان ہوں۔ میں نے کہا اسلام کے سبب میرے اور تیرے درمیان جدائی ہو گئی ہے۔ پس وہ بھی مسلمان ہو گئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اجتماعی دعوتِ اسلام

ابنِ اسحاق علیہ الرحمۃ کا بیان ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنوثقیف کے پاس سے واپس ہوئے تو حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چل پڑے اور مدینہ سے پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کی اجازت کی درخواست کی کہ اسلام کو لے کر اپنی قوم کے پاس واپس جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہیں مار ڈالیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنوثقیف کے سابقہ سلوک سے معلوم تھا کہ ان میں

غرور اور ہٹ دھرمی ہے۔ حضرت عروہ نے کہا یا رسول اللہ! میں ان میں ان کی دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں اور وہ حقیقتاً بنوثقیف میں بہت زیادہ محبوب تھے اور ان کی بات تسلیم کی جاتی تھی۔ پس وہ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینے کے ارادے سے واپس ہوئے۔ چونکہ ان کا بنوثقیف میں بڑا درجہ تھا۔ اس لیے وہ امید رکھتے تھے کہ بنوثقیف ان کی مخالفت نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ اپنے ایک بالا خانہ پر چڑھے اور ساری قوم کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ بنوثقیف نے ہر طرف سے ان پر تیر برسائے یہاں تک کہ انہیں ایک تیر ایسا لگا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ زخمی حالت میں ان سے پوچھا گیا آپ اپنے خون کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: یہ ایک انعام ہے جو اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے اور مجھے شہادت کا رتبہ دیا ہے اور میرا وہی مرتبہ ہے جو ان صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واپس جانے سے پہلے شہید ہوئے تھے لہٰذا مجھے ان کے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ لوگوں نے ان کو ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے قریب دفن کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ سورۂ یٰسین میں (حبیب نجار) کے ساتھ ان کی قوم کا جو معاملہ ذکر ہوا ہے۔ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کی قوم نے وہی معاملہ کیا ہے۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چند ماہ کے بعد بنوثقیف نے آپس میں بیٹھ کر یہ سوچ و بچار کی کہ ارد گرد کے تمام عرب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت ہو کر اسلام لا چکے ہیں۔ اب ان میں مسلمانوں سے لڑنے کی طاقت نہیں رہی۔ پس انہوں نے یہ طے کیا کہ اپنا ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجیں چنانچہ عبد یالیل بن عمرو کو روانہ کیا اور اس کے ساتھ بنی احلاف کے دو آدمی اور بنی مالک کے تین آدمی بھیجے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر یہ لوگ ایک چشمہ پر ٹھہرے وہاں ان کی ملاقات حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سواریوں کو چرانے کی باری دے رہے تھے۔ وہ بنوثقیف کے اس وفد کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے آنے کی خوشخبری دینے تیزی سے چلے۔ راستہ میں ان کی ملاقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کو بنوثقیف کے بارے میں بتایا اور یہ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت ہو کر اسلام لانا چاہتے ہیں بشرطیکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی شرط مان لیں اور ان کی قوم کے نام خط لکھ دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ مجھ سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مت جاؤ۔ میں جا کر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کرتا ہوں۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مان گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وفد کے آنے کی اطلاع دی اور حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفد کے پاس واپس آ گئے اور ان کو ساتھ لے کر ان کے جانور واپس لے آئے اور راستہ میں ان کو سکھایا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سلام کیسے عرض کریں مگر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاہلیت والا سلام ہی کیا۔ جب یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو ان کیلئے مسجد میں خیمہ نصب کیا گیا۔ حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور اس وفد کے درمیان واسطہ تھے۔ وہ اس وفد کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں سے کھانا لاتے اور جب تک حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کھانے میں سے کھا نہ لیتے وہ اس کو ہاتھ نہ لگاتے اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ان کے لیے خط تحریر کیا تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ شرط بھی رکھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سال تک طاغیہ بت یعنی لات کو رہنے دیں، پھر وہ ایک ایک سال کم کرتے رہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکار فرماتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک ماہ کی مہلت مانگی کہ جس دن وہ لوگ مدینہ آئے ہیں اس دن سے ایک مہینہ تک کی مہلت شمار کر لی جائے اور انہوں نے اس مہلت کا مقصد یہ بتایا کہ وہ اس طرح اپنی قوم کے بیوقوف لوگوں کو ذرا مانوس کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قسم کی مہلت دینے سے انکار فرما دیا بلکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حرب اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ روانہ فرمایا تاکہ یہ دونوں وہاں جا کر اس بت کو گرا کر آئیں۔ ان کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ وہ نماز نہیں

پڑھیں گے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے بتوں کو نہیں گرائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تو ہم مان لیتے ہیں کہ تم اپنے ہاتھ سے اپنے بت نہ توڑو (ہمارے بھیجے آدمی توڑیں گے) لیکن تم نماز نہ پڑھو۔ یہ بات نہیں مانی جا سکتی کیونکہ اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہ ہو۔ انہوں نے کہا چلو ہم نماز پڑھ لیں گے ویسے ہے یہ گھٹیا عمل۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنوسعد بن بکر نے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجا۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر مسجد کے دروازے پر اپنے اونٹ کو بٹھایا اور رسی سے اس کی ٹانگیں باندھیں۔ پھر مسجد میں داخل ہوئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنہ بڑے مضبوط اور بہت زیادہ بالوں والے آدمی تھے۔ ان کے سر پر دو زلفیں تھیں۔ آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پوچھا آپ میں سے ابن عبدالمطلب کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ہوں۔ انہوں نے کہا اے ابن عبدالمطلب! میں آپ سے کچھ پوچھوں گا اور اس پوچھنے میں سختی کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض نہ ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ناراض نہیں ہوں گا تم جو چاہو پوچھو۔ انہوں نے کہا: میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معبود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے والوں اور بعد والوں کا بھی معبود ہے۔ کیا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا بخدا ایسا ہی ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معبود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے والوں اور بعد والوں کا بھی معبود ہے۔ کیا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں فرمائیں کہ ہم صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بخدا ایسا ہی ہے پھر انہوں نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کو اس اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معبود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے والوں اور بعد والوں کا بھی معبود ہے۔ کیا اللہ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم پانچ نمازیں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں پھر وہ زکوٰۃ، روزے، حج اور اسلام کے دیگر فرائض کے متعلق پوچھتے گئے اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے تھے۔ جب ان سوالات سے فارغ ہو گئے تو کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ اور میں ان تمام فرائض کو ادا کروں گا اور جن باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا ہے ان سے بچوں گا اور میں اس میں کمی یا زیادتی نہیں کروں گا۔ پھر واپس جانے کیلئے اپنے اونٹ کی طرف چل پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر اس دو زلفوں والے آدمی نے سچ کہا ہے تو یہ ضرور جنت میں جائے گا۔ وہ اپنے اونٹ کے پاس آئے۔ اس کی رسی کو کھولا اور واپس چل دیئے۔ جب اپنی قوم میں پہنچے تو وہ سب ان کے پاس جمع ہو گئے تو سب سے پہلے انہوں نے کہا لات اور عزیٰ کا برا ہو۔ لوگوں نے کہا کہ اے ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش رہو۔ کہیں اس طرح کہنے سے تم برص یا کوڑھ یا پاگل پن میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا: تمہارا ناس ہو یہ لات اور عزیٰ۔ اللہ کی قسم! نہ نقصان دے سکتے ہیں اور نہ نفع۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بھیجا ہے اور ان پر اپنی کتاب اتاری ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کتاب کے ذریعہ اس شرک سے نکال دیا ہے جس میں تم مبتلا تھے اور پھر کلمہ شہادت پڑھ کر سنایا: اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و ان محمدا عبدہ ورسولہ اور انہوں نے تمہیں جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور جن کاموں سے منع کیا ہے۔ ان تمام احکام کو ان کے پاس سے لے کر میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ راوی کا کہنا ہے کہ شام ہونے سے پہلے ان کی اس آبادی کا ہر مرد اور عورت مسلمان ہو چکا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ضمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ثعلبہ سے زیادہ بہتر ہم نے کسی قوم کا نمائندہ نہیں دیکھا اور واقدی میں ہے کہ شام ہونے سے پہلے پہلے اس آبادی کا ہر مرد اور عورت مسلمان ہو چکا تھا۔ ان لوگوں نے مسجدیں بنائیں اور نماز کیلئے اذان دیا کرتے تھے۔

(ابن اسحٰق)

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ ان کی انفرادی دعوت سے ان کے والد اور ان کی بیوی مسلمان ہو گئی تھیں مگر ان کی والدہ کافرہ ہی رہیں۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کو اجتماعی دعوت اسلام دینا شروع کی مگر قوم نے اسے قبول نہ کیا چنانچہ خود فرماتے ہیں۔ پھر میں اپنے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دیتا رہا (مگر وہ نہ مانے) انہوں نے بہت دیر کر دی۔ آخر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مکہ حاضر ہو کر عرض کیا: یا نبی اللہ! قبیلہ دوس نے مجھے ہرا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کیلئے بددعا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (بددعا کی بجائے) ان کیلئے دعا فرمائی کہ اے اللہ! دوس کو ہدایت دے دے (فرمایا) اپنی قوم میں واپس جاؤ اور ان کو دعوت دیتے رہو۔ مگر ان کے ساتھ نرم رویہ رکھو۔ چنانچہ میں واپس آیا اور قبیلہ دوس میں ٹھہر کر ان کو اسلام کی دعوت دیتا رہا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرمائی اور مدینہ تشریف لے گئے اور بدر اور احد اور خندق کے غزوات بھی ہو گئے پھر میں اپنی قوم کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر گئے ہوئے تھے۔ میں دوس کے ستر یا اسی گھرانوں کو لے کر مدینہ پہنچا تھا۔ (ابن اسحٰق)

حضرت صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیرہ میں پڑاؤ ڈالا تو حیرہ کے معزز شرفا قبیصہ بن ایاس بن حیہ طائی کے ساتھ شہر سے نکل کر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ قبیصہ کو کسریٰ نے نعمان بن منذر کے بعد حیرہ کا گورنر بنایا تھا۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیصہ اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ میں تمہیں اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم اسے قبول کر لو تو تم مسلمان شمار ہو گے اور جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہ تمہیں ملیں گے اور جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر عائد ہیں، وہ تم پر ہوں گی۔ اگر تم (اسلام قبول کرنے سے) انکار کر دو تو پھر جزیہ ادا کرو اور اگر اس سے بھی انکار کر دو تو میں تمہارے پاس ایسے لوگوں کو لے کر آیا ہوں کہ تمہیں زندہ رہنے کا جتنا شوق ہے ان کو اس سے کہیں زیادہ مرنے کا شوق ہے۔ ہم تم سے لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ ہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ (ابن جریر)

قوم باہلہ کو دعوت اسلام دینے کیلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ آپ انہیں میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری قوم باہلہ کی طرف بھیجا تاکہ میں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤں اور ان پر احکام اسلام پیش کروں۔ جب میں اپنی قوم کے پاس پہنچا تو وہ اپنے اونٹوں کو پانی پلا چکے تھے اور ان کا دودھ دوہ کر پی چکے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو کہا صدی بن عجلان کو خوش آمدید ہو اور انہوں نے یہ کہا کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ تم اس آدمی کی طرف مائل ہو گئے ہو۔ میں نے کہا نہیں میں تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور مجھے اللہ کے رسول نے تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ میں تم پر اسلام اور اس کے احکام پیش کروں۔ فرماتے ہیں کہ ہماری یہ باتیں جاری تھیں کہ وہ کھانے کا ایک بڑا پیالہ لے آئے اور اسے درمیان میں رکھ کر سب اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس میں سے کھانے لگے اور مجھ سے کہا: اے صدی! تم بھی آ جاؤ۔ میں نے کہا کہ تمہارا بھلا ہو۔ میں تمہارے پاس ایسی ہستی کی طرف سے آ رہا ہوں جو اللہ کا نازل کردہ یہ حکم بتاتے ہیں کہ جو جانور ذبح نہ کیا جائے وہ تم پر حرام ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ اس کے بارے میں انہوں نے کیا حکم دیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ آیت اتری ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ سے لے کر وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ۔

"حرام کیا گیا تم پر مردار اور خون اور گوشت خنزیر کا" سے لے کر "اور یہ کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں کے ساتھ۔" تک۔

پس میں ان کو اسلام کی دعوت دیتا رہا مگر وہ انکار کرتے رہے۔ میں نے کہا تمہاری خیر ہو مجھے پانی تو دو میں بہت پیاسا ہوں۔ انہوں نے کہا: ہم پانی نہیں دیں گے تاکہ تم پیاسے ہی مر جاؤ۔ میرے پاس پگڑی تھی میں نے اس میں اپنا سر لپیٹا اور سخت گرمی میں ریت پر لیٹ گیا۔ میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی میرے پاس کانچ کا گلاس لے کر آیا اس سے زیادہ خوبصورت گلاس کسی نے نہ دیکھا ہوگا اور اس میں پینے کا ایسا مشروب تھا۔ جس سے زیادہ لذیذ اور پرکشش کسی نے نہ پایا ہوگا۔ اس نے وہ گلاس مجھے دیا جسے میں

نے پی لیا۔ میں پی چکا تو میری آنکھ کھل گئی اور اللہ کی قسم! اس کے بعد پھر مجھے کبھی پیاس نہیں لگی اور اب مجھے یہ بھی نہیں پتہ کہ پیاس کیا چیز ہے۔ (طبرانی)

ابو یعلیٰ نے اس حدیث کو مختصرا بیان کیا ہے جس کے آخر میں یہ ہے کہ میری قوم کے ایک شخص نے ان سے کہا: تمہاری قوم کے سرداروں میں سے ایک آدمی آیا ہے اور تم نے اس کی کوئی خاطر تواضع نہیں کی۔ پس وہ میرے پاس دودھ لے کر آئے۔ میں نے ان سے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں (پھر ان کو اپنا خواب بتایا) اور اپنا پیٹ ان کو دکھایا (جو بھرا ہوا تھا) جس پر وہ سب اسلام لے آئے۔

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے یمن بھیجا۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جانے والے لشکر میں میں بھی تھا۔ ہم چھ ماہ وہاں ٹھہرے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو دعوت دیتے رہے مگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں بھیجا اور ان سے فرمایا کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس بھیج دو اور ان کے ساتھیوں میں سے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وہاں رہنا چاہیں وہ رہ جائیں۔ چنانچہ حضرت براء فرماتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ جب ہم اہل یمن کے نزدیک پہنچے تو وہ بھی مقابلے کیلئے نکل کر ہمارے سامنے آ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور ہمیں نماز پڑھائی پھر انہوں نے ہماری ایک صف بنا دی اور ہم سے آگے کھڑے ہو کر ان لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا۔ چنانچہ قبیلہ ہمدان سارے کا سارا مسلمان ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ ہمدان کے مسلمان ہو جانے کی خوشخبری کا خط بھیجا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ خط پڑھا تو فوراً سجدہ میں گر گئے۔ پھر آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور قبیلہ ہمدان کو دعا دی کہ ہمدان پر سلامتی ہو، ہمدان پر سلامتی ہو۔ (بیہقی)

فضائلِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

یہاں ہم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فضائل کو مختصراً ذکر کریں گے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے دعوت و تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں جو کارہائے عظیم سرانجام دیئے ان کے ذکر کے ساتھ مختصراً فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم کا بیان خالی از فائدہ نہیں۔ موجودہ دور کے بڑے بڑے فتنوں اور قبیح گمراہیوں میں سے ایک صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حقوق اور فضائل و مناقب سے بے خبری ہیں۔ عام مشاہدہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کو سب وشتم کی تحریک دن بدن زور پکڑ رہی ہے۔ اس گمراہ کن تحریک کے منحوس اثرات سے مسلمانوں کو بچانے کا ایک موثر طریقہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب اور حقوق وآداب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔

صحابی کی تعریف

جو مسلمان بحالتِ ایمان حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات سے سرفراز ہوئے اور ایمان ہی پر ان کا خاتمہ ہوا' ان خوش نصیب مسلمانوں کو "صحابی" کہتے ہیں۔ ان صحابیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ چنانچہ حضرت امام بیہقی کی روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حج کے لیے مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے اور بعض دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حجۃ الوداع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ واللہ اعلم

(زرقانی ج ۳ ص ۱۰۶ مدارج جلد ۲ ص ۳۸۷ بحوالہ کرامات صحابہ)

مزید آسان لفظوں میں صحابی سے مراد وہ مسلمان ہے جس نے ایمان کی حالت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا یا اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا۔ اس حال میں کہ وہ مسلمان تھا (ان الفاظ کے ذریعے نابینا صحابہ رضی اللہ عنہم کو شامل تعریف کیا گیا ہے) اور ایمان ہی پر اس کا خاتمہ ہوا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضل الاولیا ہیں

تمام علمائے اُمت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم "افضل الاولیاء" ہیں۔ یعنی قیامت تک کے تمام اولیاء اگر چہ وہ درجہ ولایت کی بلند ترین منزل پر فائز ہو جائیں مگر ہرگز ہرگز کبھی بھی وہ کسی صحابی کے کمالات ولایت تک نہیں پہنچ سکتے۔ خداوند قدوس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شمع نبوت کے پروانوں کو مرتبۂ ولایت کا وہ بلند و بالا مقام عطا فرمایا ہے اور ان مقدس ہستیوں کو ایسی ایسی عظیم الشان کرامتوں سے سرفراز فرمایا کہ دوسرے تمام اولیاء کے لیے اس معراج کمال کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(کراماتِ صحابہ)

اُمت میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے برابر کوئی نہیں

ابراہیم بن سعید جوہری راوی ہیں کہ میں نے حضرت ابو امامہ سے پوچھا کہ "حضرت معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز میں سے کون افضل ہے؟" تو انہوں نے فرمایا:

لانعدل باصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم احداً.

ترجمہ: "یعنی ہم کسی کو اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے برابر نہیں سمجھتے۔"

(الروضۃ الندیۃ)

عظمت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا. (الفتح: ۲۹)

ترجمہ: محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں...... کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے۔ ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا۔ ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے، سجدوں کے نشان سے یہ صفت ہے ان کی توریت میں اور صفت ان کی انجیل میں۔ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اس کو طاقت دی، اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ کھیتی ہے بھلی کسانوں کو۔ تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے ان سے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، بخشش کا اور بڑے ثواب کا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فلاح یافتہ ہیں

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

(الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو نبی امی ہیں ان کو پاتے ہیں۔ لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ وہ رسول حکم کرتے ہیں ان کو نیکی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور حلال کرتے ہیں ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں ان پر ناپاک چیزیں اور ان پر سے ان کے بوجھ اتارتے ہیں اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں۔ پس وہ ان پر ایمان لائے اور ان کا ساتھ دیا اور ان کی مدد کی اور پیروی کی اس نور کی جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

انصار و مہاجرین سچے مومن ہیں

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا

اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ۔ (الانفال:۷۴)

ترجمہ: اور جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور جنہوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہ سب سچے مومن ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

مہاجرین وانصار سچے مومن اور فلاح یافتہ ہیں

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

ترجمہ: (یہ مال فئی) ان مفلس مہاجروں کے لیے ہے جنہیں نکالا گیا۔ اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے، جو آئے ہیں تلاش کرتے ہوئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور جو مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ وہی لوگ سچے ہیں اور (فئی کا مال ان کا بھی حق ہے) جو لوگ پہلے سے دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان پر قائم ہیں محبت کرتے ہیں ہر اس شخص سے جو ہجرت کرکے آیا ان کی طرف اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں تنگی اس چیز سے جو مہاجروں کو دی جائے اور انہیں اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں خود ضرورت ہو اور جو بچا لیا گیا اپنے نفس کے لالچ سے تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (الحشر:۸،۹)

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیلئے ایمان کو پسند فرمالیا ہے

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ O فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۔

(حجرات ۷،۸)

ترجمہ: اور جان لو کہ بے شک تمہارے درمیان رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اگر وہ اکثر کاموں میں تمہاری بات مان لیں تو تم تکلیف میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو پسندیدہ بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر و نافرمانی اور گناہ کو تمہارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا۔ ایسے ہی لوگ ہدایت والے ہیں اللہ کے فضل اور اس کی نعمت سے اور اللہ جاننے والا ہے' حکمت والا ہے۔

صحابہ کرام کو اسلام پر اللہ تعالیٰ نے خود قائم فرمایا ہے

فَاِنْ یَّكْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِیْنَ۔

ترجمہ: اور اگر وہ (مکہ کے کافر) اس سے (یعنی اسلام سے) کفر کریں تو تحقیق ہم نے اس پر ایسی قوم مقرر فرمائی ہے جو اس کے ساتھ کفر کرنے والی نہیں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم)"

(انعام:۸۹)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی دین سے نہ پھرے ورنہ اللہ تعالیٰ ان کی جگہ کسی اور قوم کو لے آتا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

ترجمہ: "اے ایمان والو! جو کوئی پھرے گا تم میں سے اپنے دین سے تو عنقریب اللہ ایک ایسی قوم لے آئے گا کہ اللہ ان کو چاہے گا اور وہ اللہ کو چاہیں گے۔ مومنوں کے لیے نرم ہوں گے اور کافروں کے لیے سخت۔ جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے' عطا فرماتا ہے اور اللہ وسعت والا' علم والا ہے"

(المائدۃ:۵۴)

مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوا

لم یرتد من الصحابة احد و انما ارتد قوم من جفاة الاعراب ممن

لانصرة له فی الدین و ذلک لایوجب قدحا فی الصحابة المشهورین۔

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کوئی بھی مرتد نہ ہوا۔ جاہل اعرابیوں کا ایک گروہ جن کا دین کی نصرت میں کوئی حصہ نہ تھا (بلکہ انہوں نے صرف زبان سے کلمہ پڑھ لیا تھا) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مرتد ہو گیا تھا مگر اس سے مشہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کوئی اعتراض (یا شبہ) وارد نہیں ہوتا۔ (فتح الباری)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیسے کیا جائے

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِىْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ".

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ان (مہاجرین و انصار) کے بعد آئے۔ وہ کہتے ہیں' اے ہمارے رب' معاف کر دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے تھے اور ہمارے دلوں کو ان لوگوں کیلئے جو ایمان والے ہیں۔ کینے سے محفوظ فرما دے۔ اے ہمارے رب بے شک تو مہربان ہے رحم فرمانے والا ہے۔ (الحشر:۱۰)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طعن و تشنیع کرنا

اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہونے کا سبب ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لاتسبوا اصحابی فان احدکم لو انفق مثل احد ذهباً مابلغ مد احدهم ولانصفه. (جمع الفوائد)

ترجمہ: میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو اس لیے کہ تم میں سے اگر کوئی آدمی اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو صحابی کے خرچ کیے ہوئے ایک مد بلکہ آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ (بخاری' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' بحوالہ جمع الفوائد)

الله الله فی اصحابی لاتتخذوھم غرضا بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ.

(جمع الفوائد)

ترجمہ: میرے صحابہ ﷺ کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنالینا کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جو اللہ کو ایذا دے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب کی گرفت میں لے لے۔

صحابہ کرام ﷺ کو برا کہنے والے اللہ کی لعنت کے مستحق ہیں

ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذارایتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم.

ترجمہ: جب تم ایسوں کو دیکھو جو میرے صحابہ ﷺ کو برا کہیں تو ان سے کہو کہ تم میں سے بدتر پر خدا کی لعنت ہو۔

(جمع الفوائد)

ابوداؤد و ترمذی میں حضرت سعید بن زید سے منقول ہے کہ انہوں نے سنا کہ بعض لوگ بعض امراء حکومت کے روبرو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو برا کہتے ہیں تو حضرت سعید بن زید نے فرمایا افسوس کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے سامنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہا جاتا ہے اور تم اس پر گرفت نہیں کرتے اور اس کو نہیں روکتے۔ (آگاہ ہو جاؤ) میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اور پھر (حدیث بیان کرنے سے پہلے) فرمایا کہ یہ بھی جان لو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف غلط بات منسوب کرنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں کہ قیامت کے روز جب میں آپ سے ملوں تو آپ مجھ سے اس کا مواخذہ فرمائیں پھر آپ نے حدیث بیان

کی کہ ابوبکر جنت میں ہیں، عمر جنت میں ہیں، عثمان جنت میں ہیں، علی جنت میں ہیں، طلحہ جنت میں ہیں، زبیر جنت میں ہیں، سعد بن مالک جنت میں ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہیں، ابوعبیدہ بن جراح جنت میں ہیں۔ ان نو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد دسویں کا نام نہیں لیا۔ لوگوں نے کہا "دسواں کون ہے؟" فرمایا "سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (اپنا نام پہلے عاجزی کی وجہ سے ذکر نہ فرمایا) پھر حضرت سعید بن زید نے فرمایا:

واللہ لمشھد رجل منھم مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغبر فیہ وجھہ خیر من عمل احدکم ولو عمر عمر نوح۔

(جمع الفوائد)

ترجمہ: اللہ کی قسم! صحابہ کرام ﷺ میں سے کسی کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں شرکت کرنا جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہوا تم غیر صحابہ ﷺ میں سے کسی شخص کے عمر بھر کے عمل سے بہتر ہے اگرچہ وہ نوح علیہ السلام کی عمر جیے۔

بربادی ہے ان لوگوں کیلئے جو صحابہ ﷺ کو برا کہتے ہیں

یاویل من ابغضھم اوسبھم اوسب بعضھم (الی قولہ) فاین ھولاء من الایمان بالقرآن اذیسبون من رضی اللہ عنھم.

(ابن کثیر)

ترجمہ: بربادی ہے ان لوگوں کے لیے (عذاب الیم کی) جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دشمنی رکھتے ہیں یا ان سب کو یا ان میں سے بعض کو برا کہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ایمان بالقرآن سے کیا تعلق کہ وہ ان مقدس ہستیوں کو برا کہتے ہیں (جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرما چکا کہ) اللہ ان سب سے راضی ہو گیا۔

صحابہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آپس میں بھائی بھائی بنا دیا اور وہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہیں

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا

ترجمہ: اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو اس نے تم پر کی کہ تم آپس میں دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی۔ پس تم اس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا۔

(آل عمران: ۱۰۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت ہیں

هُوَ الَّذِیْ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ O وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ. یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ O (الانفال: ۶۲، ۶۳، ۶۴)

ترجمہ: وہی ہے جس نے (اے نبی) آپ کو اپنی مدد سے قوت دی اور ایمان والوں سے اور ان کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی اگر آپ تمام روئے زمین کی دولت خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں اُلفت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ نے ان میں باہم اُلفت پیدا کر دی بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔ اے نبی اللہ آپ کے لیے کافی ہے اور جو ایمان والے آپ کی پیروی میں ہیں۔

مہاجرین وانصار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اللہ تعالیٰ مہربان ہے

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا کَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ. وَّعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ. (التوبہ: ۱۱۷، ۱۱۸)

ترجمہ: تحقیق اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی نبی کی مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں ایک فریق کے ان میں سے پھر اللہ

مہربان ہوا ان پر۔ بے شک وہ ان کے لیے مہربان ہے رحم کرنے والا اور ان تین پر جو پیچھے رہ گئے تھے۔ حتیٰ کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہوگئیں ان پر ان کی اپنی جانیں اور وہ جان گئے کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں۔ مگر اسی کی طرف پھر اس نے مہربانی کی ان پر تاکہ وہ اس کی طرف رجوع لائیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی مہربان رحم والا ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا وَّ مَغَانِمَ کَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا وَکَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا. وَعَدَکُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ کَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَکُمْ هٰذِهٖ وَکَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْکُمْ وَلِتَکُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ یَهْدِیَکُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَّاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَکَانَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا۔ط (الفتح: ۱۸، ۱۹)

"تحقیق اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے) جب وہ (اے نبی) آپ سے بیعت کر رہے تھے اس درخت کے نیچے پھر اللہ نے معلوم کرلیا جو ان کے دلوں میں تھا پھر اُتارا ان پر اطمینان اور اس کے بدلہ میں دی ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت سی غنیمتیں، جن کو وہ لیں گے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے اور اللہ نے وعدہ فرمایا تم لوگوں سے بہت سی غنیموں کا، جن کو تم لوگے تو اس نے یہ انعام تم کو جلدی عطا فرمایا۔ اور روک دیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے تاکہ یہ ایمان والوں کے لیے نشانی ہو جائے اور اللہ نے ہدایت دی تم کو صراطِ مستقیم کی اور کچھ ایسی غنیموں کا بھی اللہ نے وعدہ کیا ہے جن پر تم ابھی قادر نہ ہوئے۔ اللہ نے ان کو گھیر لیا اور بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مخلص مومن ہونے اور ان سے راضی ہو جانے کی تصریح کی ہے۔ نیز ان کے دلوں پر سکینہ نازل فرمایا جس سے وہ ایمان پر استقامت پکڑ گئے۔ انہیں خیبر اور مکہ کے فتح ہونے اور کثیر مالِ غنیمت ملنے کی خوشخبری دی جو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ ظاہری میں پوری ہوئی۔ واخری لم تقدروا علیہا کے الفاظ کے ساتھ ایک اور فتح اور بہت بڑی غنیمت کی بشارت دی جن پر عرب والے

کبھی بھی قادر نہ ہو سکتے تھے مگر اللہ نے قادر کر دیا۔ اس سے مراد روم و فارس کی فتح اور وہاں کے خزانے ہیں جو خلفاء ثلاثہ کے عہد میں حاصل ہوئے۔

مہاجرین وانصار سے اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (التوبہ: ۱۰۰)

ترجمہ: اور جو لوگ (اسلام میں) پرانے ہیں جو (ایمان لانے میں) سب سے پہلے ہیں مہاجروں میں سے اور انصار میں سے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور اللہ نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔

اللہ جس سے راضی ہو گیا پھر اس سے ناراض نہ ہو گا

ومن رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابدا ان شاء اللہ تعالٰی.

ترجمہ: اور جس سے اللہ راضی ہو گیا پھر اس سے ناراض نہ ہو گا' انشاء اللہ تعالیٰ (ابن کثیر)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تقویٰ لازم و ملزوم ہیں

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْآ اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ (الفتح: ۲۶)

ترجمہ: پھر اللہ نے سکینہ نازل فرمایا اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور ان کے لیے تقویٰ کے کلمہ کو لازم کر دیا اور وہ اس کے سب سے زیادہ حق دار اور اہل تھے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کثرتِ عبادت کی تعریف

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ"

مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ. (المزمل: ۲۰)

ترجمہ: بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ عبادت میں کھڑے ہوتے ہیں قریب دو تہائی رات اور کبھی آدھی اور کبھی تہائی تک اور ایک گروہ ان لوگوں کا جو آپ کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم)"

کاتبین وحی کی تعریف

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ O فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ O مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ O بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ O كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ O۔ (عبس: ۱۱تا۱۶)

ترجمہ: "آگاہ ہو جاؤ کہ یہ ایک نصیحت ہے تو جو چاہے اسے یاد کرے ان صحیفوں میں جو عزت والے بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں اور جو بزرگ نیکوکار لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہیں۔"

اس آیت میں حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام کی تعریف ہے۔ ان کو بزرگ اور نیکوکار فرمایا گیا ہے۔ یہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بابت ہے جو قرآن مجید کی کتابت کرتے تھے جیسے حضرت عثمان' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اس آیت کی تفسیر میں سفرۃ کرام بررہ سے فرشتوں کو مراد کیا۔ سیاق قرآن کے مطابق نہیں کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ یہ نصیحت ان پاکیزہ ورقوں میں ملے گی جو بزرگ نیوکار لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ فرشتوں کے ہاتھ میں جو چیز ہے وہ انسانوں کی نظر سے غائب ہے۔ اس سے نصیحت کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔" (شانِ صحابہ)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فوج درفوج اسلام سے سرفراز ہوئے

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ (النصر: ۲)

ترجمہ: اور آپ نے لوگوں کو فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور انعاماتِ الٰہیہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا۔

ترجمہ: ''تم میں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ضرور ان کو زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جیسے خلافت عطا فرمائی ان کو جو پہلے ہوئے ہیں اور ضرور ان کے دین کو جمادے گا جسے ان کے لیے پسند فرمایا اور ضرور بدل دے گا ان کے خوف کو امن سے۔ وہ میری ہی بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔''
(نور:۵۵)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نفاق سے محفوظ ہیں

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا۔

ترجمہ: ''تحقیق منافق اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اُڑانے والے اگر باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہ اس (شہر) میں آپ کے ساتھ نہ رہ پائیں گے مگر تھوڑے دن؛ وہ بھی پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑ لیے گئے اور جان سے مار دیے گئے۔'' (احزاب:۶۰)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قیامت کی رسوائی سے محفوظ ہیں

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ.

ترجمہ: اس دن اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اور ان ایمان والوں کو جو ان کے ساتھ ہیں۔ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) (تحریم:۸)

بیعت رضوان میں شریک صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی جہنم میں داخل نہیں ہوگا

لا يدخل النار احد ممن بايع تحت الشجرة.

ترجمہ: جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے یعنی بیعت رضوان ان میں سے کوئی جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ (ابن عبدالبر بسندہ فی الاستیعاب)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں

ان الله نظر في قلوب العباد فنظر قلب محمد صلى الله عليه وسلم فبعثه برسالته ثم نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد صلى الله عليه وسلم فوجد قلوب اصحابه خير قلوب العباد. فاختارهم لصحبة نبيه و نصرة دينه۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے سب بندوں کے دلوں کو دیکھا تو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قلب کو ان سب میں بہتر پایا پس ان کو اپنی رسالت کے ساتھ بھیجا پھر قلب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دوسرے قلوب کو دیکھا تو اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دلوں کو باقی بندوں کے دلوں سے بہتر پایا تو ان کو اپنے نبی کی صحبت اور دین کی نصرت کے لیے منتخب کرلیا۔ (ابوداؤد طیالسی بروایت عبداللہ بن مسعود بحوالہ سفارینی)

عظمتِ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم

مسند بزار میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان الله اختار اصحابي على العالمين سوى النبيين و المرسلين و اختارلي من اصحابي اربعة يعني ابابكر و عمر و عثمان و عليا فجعلهم اصحابي و قال في اصحابي كلهم خير.

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کے علاوہ باقی تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو منتخب فرمایا پھر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے چار یعنی ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو میرے لیے چنا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے سارے کے سارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہتر ہیں۔ (یعنی تمام اُمت سے) (بزار)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انہ من یعش منکم فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین عضوا علیھا بالنواجذوایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ. (رواہ الامام احمد و ابوداؤد الترمذی و ابن ماجہ وقال الترمذی حدیث حسن صحیح وقال ابونعیم حدیث جید صحیح)

ترجمہ: تم میں سے جوکوئی میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس (ایسے وقت میں) لازم ہے تم لوگوں پر کہ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لو اور بچ کر رہو ان تمام کاموں سے جو نئے ایجاد کیے گئے (یعنی جن کی دین میں کوئی بنیاد نہ ملتی ہو بلکہ وہ دین کی بنیادوں کو ڈھانے والے اور فرائض وواجبات کو روکنے کا سبب بننے والے اور حدود اللہ کو توڑنے کا موجب ہوں) اس لیے کہ ہرنئی راہ گمراہی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا زمانہ سب زمانوں سے بہتر ہے

حضرت عمران بن حصین سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم فلاادری ذکر قرنین اوثلاثۃ۔

ترجمہ: لوگوں میں بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے۔ پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے۔ راوی کا کہنا ہے کہ مجھے یاد نہیں کہ متصل لوگوں کا ذکر دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔ (جمع الفوائد)

چنانچہ اس حدیث میں متصل آنے والوں کا ذکر اگر دو دفعہ فرمایا ہے تو دوسرا زمانہ صحابہ علیہم کا اور تیسرا تابعین کا ہے اور اگر تین دفعہ فرمایا ہے تو چوتھا قرن تبع تابعین کا ہوگا جو اس میں شمار کیا جائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی سب سے بہتر ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

من کان مستنا فلیستن باصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانھم ابر ھذہ الامۃ قلوبا و اعمقھا علما و اقلھا تکلفا و اقومھا ھدیا و احسنھا حالا قوم اختارھم اللہ بصحبۃ نبیہ و اقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوا آثارھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم. (شرح عقیدہ سفارینی)

ترجمہ: جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے کیونکہ یہ حضرات ساری اُمت سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک ہیں اور اپنے علم کے اعتبار سے ساری امت سے زیادہ گہرے ہیں اور پوری اُمت میں سب سے زیادہ تکلف وتصنع میں کم ہیں اور عادات میں تمام اُمت سے بڑھ کر اعتدال پہ ہیں اور حالات میں سب سے اچھے ہیں۔ صحابہ کرام علیہم ایسی قوم ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب فرمایا پس تم ان کی فضیلت پہچانو اور ان کے نقوش پا کی پیروی کرو کیونکہ یہی لوگ سیدھے راستے پر ہیں۔

حضرت ابو اراکہ فرماتے ہیں کہ "میں نے ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور دائیں طرف رُخ کر کے بیٹھ گئے تو یوں دکھائی دے رہا تھا کہ آپ بے چین اور غمگین ہیں۔ حتیٰ کہ جب سورج مسجد کی دیوار سے ایک نیزہ بلند ہوا تو آپ نے دو رکعت نماز ادا کی پھر اپنے ہاتھ کو پلٹ کر فرمایا کہ "اللہ کی قسم! میں نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا ہے آج ان جیسا کوئی نظر نہیں آتا ہے۔" صبح کے وقت ان کی یہ حالت ہوتی تھی کہ رنگ زرد اور بال بکھرے ہوئے اور جسم غبار آلود ہوا کرتا تھا' ان کی پیشانی پر (سجدہ کا) اتنا بڑا نشان نمایاں ہوتا تھا جتنا بڑا نشان بکری کے گھٹنے پر ہوتا ہے۔ ساری رات اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرتے اور کھڑے ہوکر قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے گزار دیتے اور وہ سجدہ اور قیام ہی میں سکون حاصل کرتے تھے۔ جب صبح ہو جاتی اور وہ اللہ کا ذکر کرتے تو ایسے جھومتے جیسے کہ تیز ہوا کے دن (یا باد صبا کے وقت) درخت جھومتا ہے اور اس طرح روتے کہ کپڑے بھیگ جاتے۔ اللہ کی قسم (ان کے رونے سے یوں لگتا) گویا انہوں نے رات غفلت میں گزار دی ہو پھر حضرت

علی کرم اللہ وجہہ الکریم کھڑے ہو گئے اور اس کے بعد کبھی آہستہ ہنستے ہوئے بھی نہ دیکھے گئے یہاں تک کہ اللہ کے دشمن ابن ملجم فاسق نے آپ کو شہید کر دیا۔" (البدایہ، ابونعیم فی الحلیہ)

لقد رایت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فما اریٰ احدا منکم یشبھھم لقد کانوا یصبحون شعثا غبرا وقد باتوا سجدا و قیاما یراوحون بین جباھھم وخدودھم و یقفون علیٰ مثل الجمر من ذکر معادھم کان بین اعینھم رکب المعزی من طول سجودھم اذا ذکر اللہ ھملت اعینھم حتی تبل جیوبھم ومادوا کما یمید الشجر یوم الریح العاصف خوفا من العقاب ورجاء للثواب۔ (نہج البلاغہ)

ترجمہ: تحقیق میں نے اصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔ میں تم میں سے کسی کو بھی ان کی طرح نہیں پاتا۔ تحقیق وہ دن کو جہاد کے میدان میں دین کی سربلندی کے لیے غبار آلود ہوتے تھے اور رات سجدہ کرتے اور قیام کرتے گزارتے تھے۔ اپنے رخسار اور پیشانیاں باری باری زمین پر رگڑتے تھے اور وہ قیامت کے ذکر سے اس طرح کھڑے ہوتے جیسے انگارے پر کھڑا شخص بے قرار نظر آتا ہے۔ ان کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر لمبے سجدوں کی وجہ سے داغ نمایاں تھے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا تو ان کی آنکھیں بہنے لگتیں یہاں تک کہ ان کے گریبان بھیگ جاتے اور وہ عذاب کے خوف اور ثواب کی امید سے یوں ہلتے تھے جیسے تیز وتند ہوا کے دن میں درخت ہلتا ہے۔

حضرت قتادہ راوی ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ "کیا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہنسا کرتے تھے؟" انہوں نے فرمایا "ہاں! مگر اس حال میں کہ ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے بھی بڑا تھا۔"

(ابونعیم فی الحلیہ)

☆☆☆

باب چہارم

ہند اور اسلام

مسلمانوں کیلئے ہند کی مذہبی اہمیت

عربوں کے ساتھ ہندیوں کے قدیم تعلقات جو تاریخ کی یاد سے پہلے سے استوار ہیں جن پر ہم سابق میں سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں۔ ان تعلقات کا تسلسل عربوں کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی قائم رہا۔ سمندر کے راستے عرب ہند کے ساتھ تجارت بھی کرتے رہے اور ایران کی راہ سے ہند وسندھ کی اقوام کی وساطت سے فوجی اور سیاسی تعلق بھی اپنی جگہ موجود رہا۔ ہند عربوں کیلئے ہمیشہ سے اہم رہا تھا مگر اسلام کے آ جانے کے بعد اس اہمیت میں مذہبی عنصر بھی شامل ہو گیا تھا۔ تجارتی اہمیت کے ساتھ ساتھ اب ان کیلئے ہند مذہبی اہمیت کا حامل بھی بن گیا تھا۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق سب سے پہلے نبی اور سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر ہند کی سرزمین پہ اتارے گئے تھے۔ چنانچہ مسلمان جہاں حضرت آدم علیہ السلام سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے وہیں آدم علیہ السلام کی وجہ سے ہند بھی ان کی مذہبی عقیدت ومحبت کا مرکز بن گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اول ماھبط اللہ ادم علی ارض الھند وفی لفظ ھلجبی ارض الھند۔

حضرت آدم علیہ السلام اول ارض ہند میں اتارے گئے۔ دوسری روایت میں ہے ارض ہند کے دکھن (جنوب) میں اتارے گئے۔

اسے امام سیوطی اور امام ابن جریر طبری، امام ابن ابی حاتم رازی رحمہم اللہ وغیرہ نے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم علیہ الرحمۃ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

سید سلیمان ندوی کا بیان ہے۔

حدیثوں اور تفسیروں میں جہاں حضرت آدم کا قصہ ہے وہاں متعدد روایتوں سے یہ بیان آتا ہے کہ حضرت آدم جب آسمان کی جنت سے نکالے گئے تو وہ اس زمین کی "جنت" میں جس کا نام "ہندوستان جنت نشان" ہے اتارے گئے۔ سرانديپ (سری لنکا) میں انہوں نے پہلا قدم رکھا جس کا نشان اس کے ایک پہاڑ پر موجود ہے۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم میں ہے کہ ہندوستان کی اس سرزمین کا نام جس میں حضرت آدم اترے "دجناء" ہے۔ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ "دجناء" ہندی کا "دکھنا" یا "دکھن" ہے جو ہندوستان کے جنوبی حصہ کا مشہور نام ہے۔

(عرب و ہند کے تعلقات)

بدجنی ارض الہند" کی تحقیق میں قاضی اطہر مبارکپوری نے لکھا ہے۔

"علماء کا قول ہے کہ یہاں پر دجنی دکھن یا دکھنا کا معرب ہے اور اس سے مراد سراندیپ ہے۔ حضرت ابن عباس سے ایک دوسری روایت منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پہلے مکہ میں بیت اللہ کی جگہ پر اتارے گئے تھے پھر یہاں سے ہندوستان گئے۔

فتخطی فاذا ھو بارض الھند فمکث ھنالک ماشاء اللہ ثم استوحش الی البیت—

آدم علیہ السلام مکہ سے چل کر ہندوستان پہنچے اور جب تک اللہ نے چاہا وہاں رہے پھر بیت اللہ کی طرف لوٹ آئے۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے زمین پر تشریف لائے تو اپنے ساتھ خوشبو اور پھولوں کے پودے بھی لائے تھے جو جنت کی یادگاریں اور تحفے تھے۔ جنہیں انہوں نے ہندوستان میں لگایا تھا۔

"مشہور تابعی عالم حضرت عطاء ابن ابی رباح نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے

کہیں یہ روایت بیان کی ہے۔

ان آدم وھبط بارض الھند ومعہ اربعۃ اعواد من الجنۃ فھی ھذہٖ التی یتطیب الناس بھا وانہ حج ھذا البیت—

آدم سرزمین ہند میں اتارے گئے اور ان کے ساتھ جنت کی چار شاخیں بھی تھیں۔ جن سے لوگ خوشبو حاصل کرتے ہیں۔ انہوں نے وہاں سے بیت اللہ کا حج بھی کیا۔

(قاضی اطہر مبارکپوری، عرب و ہند عہد رسالت میں)

سید سلیمان ندوی نے تحریر کیا ہے۔

اور چونکہ عرب کے ملک میں متعدد قسم کی خوشبوئیں اور مسالے اسی جنوبی ہند سے جاتے تھے اور پھر عربوں کے ذریعہ وہ تمام دنیا میں پھیلتے تھے اس لئے ان کا بیان ہے کہ یہ چیزیں ان تحفوں کی یادگاریں ہیں جو حضرت آدم اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے۔ ان تحفوں میں سے چھوہارے کے سوا دو پھل یعنی لیموں اور کیلے ہندوستان ہی میں موجود ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ امرود بھی جنت ہی کا میوہ تھا جو ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔

(عرب و ہند کے تعلقات)

سید سلیمان ندوی آگے لکھتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جنت سے چار دریا نکلے ہیں۔ نیل، فرات، جیحون اور سیحون، نیل تو مصر کا دریا ہے جس پر مصر کی زراعت کا دارومدار ہے۔ اسی طرح فرات کی جو اہمیت، عراق کی سرسبزی و شادابی کیلئے ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ جیحون ترکستان کا دریا ہے اور ترکستان کیلئے اس کی وہی حیثیت ہے جو نیل و فرات کی مصر و عراق میں ہے اور سیحون کے متعلق ہے کہ ہندوستان کے دریا کا نام ہے۔ کیا جنت کے اس چوتھے دریا کو "گنگا" سمجھا جائے؟ بعض لوگوں نے اس کو دریائے سندھ قرار دیا ہے۔ (عرب و ہند کے تعلقات)

میر آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان میں کئی صفحے ہندوستان کے ان فضائل کے بیان کے نذر کئے ہیں۔ اور اس میں یہاں تک کہا ہے کہ جب آدم سب سے پہلے ہندوستان اترے اور یہاں ان پر وحی آئی تو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہی وہ ملک ہے جہاں خدا کی پہلی

وحی نازل ہوئی اور چونکہ نور محمدی حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں امانت تھی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی ظہور اسی سرزمین میں ہوا۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ "مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے" یہ تمام روایتیں فن حدیث کے لحاظ سے بہت کم درجے کی ہیں۔ تاہم ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا تعلق ہندوستان سے محمود غزنوی کے فتوحات کے سلسلہ میں ہوا اور وہ اس کے بعد یہاں آ کر آباد ہوئے یہ کس قدر غلط ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس ملک کو اپنا مفتوحہ ملک نہیں بلکہ اپنا موروثی پدری وطن سمجھتے ہیں اور جو یہ نہیں سمجھتے ہیں ان کو سمجھنا چاہئے۔ خیر یہ تو تاریخ کی یاد سے پہلے کی باتیں ہیں۔ اگر تاریخی نظر سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ وہ محمود سے سینکڑوں برس پہلے ہندوستان آ چکے تھے اور جگہ جگہ ان کی نو آبادیاں قائم تھیں۔

(عرب وہند کے تعلقات)

سید سلیمان ندوی نے مسلمانوں کیلئے ہند کی مذہبی اہمیت کی ایک اور جہت بھی بیان کی ہے۔

اسلام کے بعد عربوں اور مسلمانوں میں نسبی حیثیت سے سب سے بڑا درجہ سادات یعنی سیدوں کا ہے۔ موجودہ سادات خاندانوں کا بہت بڑا حصہ حضرت امام حسین کے صاحبزادہ حضرت امام زین العابدین کی نسل سے ہے۔ حضرت زین العابدین کی ماں عرب نہ تھیں۔ ایرانیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایرانی تھیں اور خاندان شاہی سے تھیں مگر مورخین میں سے بعض نے ان کو سندھ کی بتایا ہے اگر یہ اخیر قول صحیح ہو تو اس کے ماننے میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ عرب و اسلام کے سب سے شریف و مقدس خاندان کے پیدا کرنے میں ہندوستان کا بھی حصہ ہے؟ اور یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ اور مسلمان ہوں یا نہ ہوں مگر سادات آل زین العابدین علی ہمیشہ سے نیم ہندوستانی ہیں۔ (عرب وہند کے تعلقات)

ہند کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ وہاں پائی جانے والی تین اشیاء کے نام قرآن میں آئے ہیں۔ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے۔

اس مسئلہ میں اچھا خاصہ علماء میں اختلاف رہا ہے کہ قرآن پاک میں کسی غیر زبان کا لفظ ہے یا نہیں؟ لیکن فیصلہ یہی ہوا کہ غیر زبان کے ایسے الفاظ موجود ہیں جو عربوں کی زبان

میں آ کر مستعمل ہو گئے تھے اور وہ اپنی پہلی صورت بدل کر عربی زبان کے لفظ بن گئے۔ حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے قرآن پاک کے اس قسم کے لفظ جمع کئے ہیں۔ ہم ہندیوں کو بھی فخر ہے کہ ہمارے دیس کے بھی چند لفظ ایسے خوش نصیب ہیں جو اس پاک اور مقدس کتاب میں جگہ پا سکے۔ پہلے علماء نے جن الفاظ کا ہندی ہونا ظاہر کیا تھا وہ تو لغو و بے بنیاد تھے۔ مثلاً "ابلعی" کی نسبت یہ کہنا کہ ہندی میں اس کے معنی "پینے" کے ہیں یا "طوبیٰ" کو ہندی کہنا جیسا سعید بن جبیر سے روایت ہے بے بنیاد ہے مگر اس میں شک نہیں کہ جنت کی تعریف میں اس جلعت نشان ملک کی تین خوشبوؤں کا ذکر ضرور ہے یعنی مسک (مشک) زنجبیل (سونٹھ و ادرک) اور کافور (کپور)" (عرب وہند کے تعلقات)

یہاں قرآن پاک کی وہ آیات لکھی جاتی ہیں جن میں ان چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔

وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلاً۔

ترجمہ: اور اس میں وہ جام پلائے جائیں گے جس کی ملونی ادرک ہوگی۔ (دھر: ۱۷)

اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا۔

ترجمہ: بے شک نیک پئیں گے اس جام میں سے جس کی ملونی کافور ہے۔ (دھر: ۵)

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔

ترجمہ: اس کی مہر مشک پر ہے اور اس پر چاہئے کہ للچائیں للچانے والے۔

(مطففین ۲۶)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک ہند کا علاقہ اور وہاں کے لوگ جانے پہچانے تھے بلکہ یہ امر انتہائی اہم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہند کو اسلام کا گہوارہ اور بہت بڑا مرکز دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ ہند میں اسلام کی وسیع تر اشاعت کی راہ میں بڑی بڑی رکاوٹیں حائل ہوں گی۔ بڑی بڑی جنگیں لڑی جائیں گی اور طویل زمانے تک وہاں جہاد ہوتا رہے گا۔ اس لئے آپ نے ہندوستان میں جہاد کی خبر دی اور اس جہاد کی خصوصی فضیلت ارشاد فرمائی۔ امام نسائی علیہ الرحمۃ نے جہاد ہند کے بارے میں اپنی سنن میں باب غزوۃ الهند کے نام سے خصوصی عنوان باندھا ہے۔ حضرت

ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عصابتان من امتي احرز هما الله من النار عصابة تغزوالهند وعصابة تكون مع عيسى بن مريم عليهما السلام۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھا ہے۔ ایک گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوگا (نسائی)

ایسی ہی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے جو مسند احمد اور سنن نسائی دونوں میں ہے۔

وعدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم غزوة الهند فان ادركها انفق فيها نفسي و مالي فان اقتل كنت افضل الشهداء وان ارجع فانا ابوهريرة المحرر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا۔ پس اگر میں نے اس کو پالیا تو اپنی جان و مال اس میں خرچ کروں گا۔ پھر اگر مارا گیا تو افضل شہداء میں سے ہوں گا اور اگر واپس لوٹ آیا تو میں ابوہریرہ جہنم سے آزاد ہو چکا ہوں گا۔

اس کے علاوہ احادیث مبارکہ میں دیگر بہت سے مقامات پر ہمیں ہند اور ہندی لوگوں کا ذکر ملتا ہے۔

بخاری میں منقول روایت میں معراج کے ذکر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔

واما موسیٰ فآدم سبط كانه من رجال الزط۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے اچھی قامت کے آدمی تھے گویا کہ وہ جاٹوں میں سے تھے۔

ترمذی میں ایک طویل حدیث ہے۔ جس میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مکہ کی وادی میں گئے اور وہاں جنوں کو دیکھا۔ انہوں نے اپنی اس روایت میں جنوں کو ہندوستان کے جاٹوں سے تشبیہ دی ہے۔ فرماتے ہیں۔

فبينا انا جالس في خطي اذا اتاني رجال كانهم الزط اشعارهم واجسامهم لاارى عورة ولا ارى قشرا

پس جب میں اپنے گرداگرد کھنچے دائرے میں بیٹھا تھا تو اچانک کچھ لوگ میرے پاس آئے۔ وہ اپنے بالوں اور جسموں سے جاٹ لگتے تھے۔ میں نے نہ ان کا ستر دیکھا اور نہ ان کی کھال۔

عرب میں آباد ہندی اقوام اور ان میں عہد رسالت اور عہد صحابہ میں اشاعت اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت اس وقت کے ہند اور موجودہ برصغیر کے بہت سے لوگ عرب میں آباد تھے۔ ان کی تعداد اس وقت عرب میں بہت زیادہ تھی۔ وہاں ان کی آبادی کی دو وجوہات تھیں۔ ایک عربوں کی جہاز رانی اور ہندوستان سے تجارت' دوسرے وہ عرب علاقے جو ایرانی اقتدار کے زیر نگیں تھے وہاں ایرانیوں کے توسط سے ہندی اقوام کی موجودگی۔

عرب جہازران اور تاجر تھے۔ ہند کے ساحل ان کی قریبی مشرقی تجارتی منڈیاں تھیں۔ ہندی لوگ ان کے ساتھ تجارت کرتے تھے نیز ان کے جہازوں پر ملازم بھی تھے۔ رفتہ رفتہ اس ناطے سے انہوں نے ہندوستان کے سامنے پڑنے والے عرب کے ساحلی علاقوں میں آباد ہونا شروع کر دیا نیز صنعت و حرفت خصوصاً تلوار سازی اور نیزہ سازی میں ہندوستانی کاریگر اپنی مثال آپ تھے۔ یہ ایسے حرفے تھے جن کی اہل عرب کے ہاں بڑی وقعت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ہندی لوگ بعثت نبوی کے وقت صرف عرب کے ساحلی علاقوں میں ہی نظر نہیں آتے بلکہ بہت سے ہندی تاجر اور صناع عرب کے انتہائی اندرونی علاقوں میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔

اندرون عرب کا سب سے اہم تجارتی مرکز مکہ مکرمہ تھا۔ بعثت نبوی کے وقت مکہ مکرمہ کی تجارتی مرکزیت کے بارے میں اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں۔

یمن اور عدن مشرقی دنیا کے تجارتی مال کی قدیم منڈی تھے جہاں سے دوسرے ممالک میں عرب تاجروں کے ذریعہ مال جایا کرتا تھا مگر بعد میں ایرانیوں اور رومیوں کے عمل دخل کی

وجہ سے یہاں کی تجارت پر زوال آ گیا۔ بحر احمر پر رومیوں کے غلبہ کے بعد جب یمنیوں کی تجارت کمزور پڑنے لگی تو اہل یمن نے بحری راستہ کے بجائے اندرون عرب کے بری راستوں سے غیر ملکوں کا تجارتی سفر شروع کیا۔ یہ راستہ حضر موت سے شروع ہوتا تھا اور بحر احمر کے اوپر صحرائے نجد سے بچتا ہوا مکہ مکرمہ تک جاتا تھا جس کی وجہ سے مصر و شام اور یمن کے درمیان مکہ بہت بڑی منڈی بن گیا اور حجازیوں میں تجارت خوب چلی' خاص طور سے قریش نے جنوب میں یمن کا اور شمال میں شام کا تجارتی سفر شروع کیا۔ قرآن حکیم نے رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ میں ان ہی تجارتی اسفار کو بیان کیا ہے' اطراف عرب سے لوگ حجاز کے تجارتی اور مرکزی شہر مکہ میں آتے اور ہر قسم کے ملکی اور غیر ملکی سامان آسانی سے حاصل کرتے' مکہ کا سب سے بڑا سالانہ بازار عکاظ میں ہوتا تھا جو طائف کے راستہ میں ایام حج کے قریب لگتا تھا اور اسی کے قریب ایام حج میں ذوالمجاز کا بازار لگتا تھا اور مکہ سے بڑے بڑے تجارتی قافلے باہر جاتے تھے۔ طبری کی تشریح کے مطابق بعض اوقات ان قافلوں میں ۱۵۰۰ بار بردار اونٹ ہوا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض اوقات ان تجارتی قافلوں میں نکلتے تھے چنانچہ آپ نے پہلی مرتبہ بارہ سال کی عمر میں اور دوسری مرتبہ ۲۵ سال کی عمر میں ملک شام کا تجارتی سفر فرمایا۔ ایک مصری فاضل کا بیان ہے۔

كانت مكة محطا لاصحاب القوافل الآتية من جنوب العرب تحمل بضائع الهند واليمن الى الشام ومصر ينزلون بها ويسقون من بئر شهيرة بها تسمى بئر زمزم و ياخذون منها حاجتهم من الماء۔

مکہ جنوب عرب سے آنے والے قافلوں کی منزل تھا' یہ قافلے ہندوستان اور یمن کے سامان تجارت شام اور مصر لے جاتے تھے اور مکہ میں قیام کر کے وہاں کے مشہور کوئیں زمزم سے سیراب ہوتے اور آگے کیلئے بقدر ضرورت پانی لیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کچھ پہلے جزیرۃ العرب ایرانی اور بیزنطینی طاقتوں کا مرکز بن گیا تھا۔ بیزنطینی اقتدار حبشہ کے تعاون سے اپنا اثر بڑھا رہا تھا اور ایرانی حکومت اپنا کام کر رہی تھی' اس کشمکش میں شامی علاقہ کی تجارت خراب ہونے لگی اور بیزنطینی

اقتدار کے لئے عرب کے بازاروں سے عمدہ عمدہ اشیاء نایاب ہونے لگیں۔ خاص طور سے یورپ کے گرجاؤں اور پادریوں کیلئے ہندوستان کے عمدہ ریشمی کپڑوں کا قحط پڑ گیا اس لئے رومیوں نے بحر احمر کی راہ سے حضر موت اور یمن وغیرہ کی منڈیوں پر قبضہ جمایا اور چونکہ حبشہ اور روم کا مذہب مسیحی تھا۔ اس لئے مذہب کے نام پر حبشہ کے بادشاہ اور عوام کو رومیوں نے اپنی مدد کیلئے آواز دی۔

وارسل الامبراطور البيزنطي – جو ستنيان (۵۲۷-۵۶۵) سفيرا الى ملك الحبشة اهاب باسم الدين والمصلحة ان يقوم هو والسميع حاكم حمير بقتال الفرس وان يتولى الاحباش شراء الحرير من الهنود ثم يبيعونه بدورهم الى بيزنطة فيجنون اربا حا طائلة

بیزنطینی (رومی) شہنشاہیت نے جوستنیان نامی ایک سفیر کو شاہ حبشہ کے پاس بھیجا اور دین و مصلحت کے نام پر کہا کہ وہ اور حمیر کا بادشاہ سمیع دونوں ایرانیوں سے ہماری طرف سے جنگ کریں اور یہ کہ حبشہ کے تاجر ہندوستان سے ریشمی کپڑے خریدیں اور روم کا تجارتی سفر کر کے ان کو بھاری نفع پر فروخت کریں۔ (تاریخ العرب)

اس صورت حال سے مکہ کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور براہ خشکی یمن و عدن سے تجارت شروع کر دی۔ قریش نے اس سلسلہ میں دو تجارتی سفروں کا طریقہ اختیار کیا' مال کی خریداری کیلئے جاڑے میں یمن اور حبشہ کا سفر اور فروخت کرنے کیلئے گرمی میں شام کا سفر۔

ابتداء میں قریش میں تجارتی کاروبار قریش بنی مخزوم کیا کرتے تھے بعد میں جب ترقی ہوئی تو بنی ہاشم نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن تک مکہ کا تجارتی مرکز پورے طور پر قائم تھا۔

مکہ چونکہ تجارتی مرکز بن گیا تھا اس لئے یہاں کی تمدنی زندگی میں بھی بڑی ترقی ہو گئی تھی۔ زبان میں بھی وسعت پیدا ہو گئی تھی اور قریش کی یہی زبان قرآن اور اسلام کی زبان قرار پائی۔ چنانچہ قرآن و حدیث میں بہت سے ہندوستان میں بولے جانے والے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ قرآن میں کافور (کپور) 'زنجبیل (زنجا بیر)' مشک (موشکا) وغیرہ

ہندوستانی الفاظ ہیں جن کو قریش نے اپنے طور پر معرب کر لیا تھا۔ احادیث میں قسط (کٹھ) ' زط (جاٹ) ' عود ہندی مشک وغیرہ کے نام ملتے ہیں جو ہندوستانی نام ہیں۔ نیز مکہ میں ہندوستان کے لوگ رہتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جاٹوں کا تذکرہ ہے اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے ایک شعر میں ہندوستان کے لوہاروں کا ذکر ہے۔ (عرب و ہند عہد رسالت میں)

مکہ میں ہندوستان کے جاٹ رہتے تھے اور اہل مکہ ان سے بخوبی واقف تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جاٹوں سے تشبیہ دی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی روایت میں جاٹوں کا ذکر کیا جیسا کہ سابقہ سطور میں بیان ہوا ہے۔ حضرت ابو طالب نے اپنے ایک شعر میں ہندوستانی عورت کا تذکرہ کیا ہے۔ مکہ میں ہندی کاریگر تلواریں بناتے تھے اور اس لوازم میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔

مدینہ منورہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت ہند کے جاٹ رہتے تھے۔ الادب المفرد کی روایت کے مطابق یہ جاٹ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک مسلمان جاٹ طبیب تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علاج کیا تھا اور بتایا تھا کہ ان کی لونڈی نے ان پر جادو کیا ہے۔

عرب میں ہندی اقوام کے آباد ہونے کی دوسری وجہ جیسا کہ ابتداء میں بیان ہوا ایرانی حکمران تھے۔ ایرانیوں نے عرب کے ساحلی علاقوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔ عراق سے لے کر یمن تک کا ساحلی علاقہ ان کے زیر نگیں تھا۔ ایرانی اپنی فوج میں ہندوستان کے لوگوں کو بڑی تعداد میں بھرتی کرتے تھے جنہیں اساورہ کہا جاتا تھا۔ یہ اساورہ عرب کے ساحلی علاقوں میں بڑی تعداد میں رہتے تھے وہاں ان کو بلند حیثیت حاصل تھی۔ عرب علاقوں میں ان کی کثرت اور اہمیت کا یہ عالم تھا کہ جب حبشیوں نے یمن پر قبضہ کیا تو ایران کے بادشاہ نے وہاں کے عرب حاکم سے دریافت کیا۔

ای الاھربۃ الحبشۃ ام السند (ابن ہشام)

کون سے اجنبیوں نے (یمن پر) قبضہ کیا ہے۔ حبشیوں نے یا سندھیوں نے۔

عرب اپنی سرزمین پر آباد ہندیوں کو مختلف ناموں سے پکارتے تھے۔ زط' اساورہ' سیابجہ' احامرہ' تکاکرہ' بیاسرہ' میدوہ مشہور نام ہیں جو اہل عرب ہندی لوگوں کیلئے استعمال کرتے تھے۔

مذہبی اعتبار سے عرب ہندیوں کو صابئہ میں شمار کرتے تھے۔ طبقات الامم میں لکھا ہے۔

واما الصالبۃ وھم جمھور الھند و معظمھا۔

(عرب میں آباد) ہندیوں کی اکثریت اور بڑی آبادی صابئہ میں شامل ہے۔

یعنی یہ لوگ مشرک تھے۔ انہیں مجوس اور صابئہ میں شمار کیا جاتا تھا۔ عراق' یمن' سواحل ابلہ اور بحرین وعمان تک کے علاقوں میں یہ لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد انہیں شام اور انطاکیہ کے ساحلی علاقوں میں بھی آباد کیا گیا۔ علامہ بلاذری کا بیان ہے۔

وقد کان معاویۃ نقل من الزط والسیابجۃ القدماء الی سواحل الشام و انطاکیۃ بشراً۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاٹوں اور سیابجہ کی ایک جماعت کو جو قدیم سے آباد تھے شام اور انطاکیہ کے ساحلوں پر منتقل کر کے آباد کیا۔

فتوح البلدان کے اس بیان سے پتہ چل رہا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے جاٹ اور دیگر اقوام کے لوگ قدیم زمانہ سے عرب میں آباد تھے۔ بعد میں یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں میں سے ایک بڑی جماعت کو شام اور انطاکیہ کے ساحلوں پر آباد کیا تھا۔

اطہر مبارکپوری عرب میں آباد ہندیوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ہندوستان کے شمال و مغرب کے ساحلی مقامات اور عرب کے شمال و مشرق کے ساحلی مقامات ایک دوسرے کے سامنے واقع ہیں۔ درمیان میں بحر ہند (جسے بحر عرب اور بحر فارس بھی کہتے ہیں) حائل ہے اسی سمندر کے ذریعہ دونوں ممالک میں تاریخ کے قدیم دور سے تعلقات چلے آ رہے ہیں اور دونوں کے ساحلی علاقے ایک ملک کے دو علاقے کی حیثیت سے رہے ہیں۔ عرب و ہند کے قدیم تعلقات ابتدا میں صرف تجارتی اور معاشی تھے مگر بعد میں فکری' تمدنی اور ثقافتی تعلقات بھی پیدا ہو گئے بلکہ تجارتی و اقتصادی تعلق کو فکری اور ثقافتی

تعلق نے اور زیادہ مضبوط کر دیا۔

اس کے باوجود قدیم تاریخ میں ہندوستان کے کسی ساحلی یا غیر ساحلی مقام پر عربوں کی آبادی کا پتہ نہیں چلتا جو یہاں آ کر مستقل طور سے آباد ہو گئے ہوں حالانکہ عرب کے مقابلہ میں ہندوستان ہر اعتبار سے ترقی یافتہ ملک تھا اور عربی زندگی کے مقابلہ میں یہاں کی زندگی میں رنگینی اور دلفریبی زیادہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر ہندوستان آتے اور تجارتی مقصد پورا کر کے واپس چلے جاتے تھے اور اپنی آزاد عربی زندگی پر اس کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ عربی زندگی ان کیلئے بہت ہی دلفریب اور خوشگوار تھی ہندوستان میں سب کچھ ہونے کے باوجود ان کو یہاں کھلی ہوا اور آزاد فضا میسر نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں ہمیں کسی قدیم عرب آبادی کا پتہ نہیں چلتا ہے اور نہ یہاں پر عربوں کے بہت زیادہ دنوں تک ٹھہرنے کا ثبوت ملتا ہے اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے ایسے باشندے عرب میں کثرت سے ملتے ہیں جو وہاں جا کر مستقل طور پر بس گئے اور ہندوستان کی قومیت و وطنیت چھوڑ کر عرب کے باشندے ہو گئے اور ان کو عربوں نے عربی زندگی میں اس طرح ضم کر لیا کہ وہ بالکل عرب بن کر رہ گئے۔ ہندوستانیوں کے ساتھ عربوں کے اس حسن سلوک اور رواداری کی وجہ ان کی فطری وسعت قلب اور مہمان نوازی تھی جو دور جاہلیت میں بھی ان کی امتیازی صفت تھی اس کے ساتھ ہی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ عربوں کو گھر بیٹھے ان ہندوستانیوں کے ذریعہ ضروریات زندگی کی چیزیں مل جاتی تھیں اور ان کو ان کیلئے ہندوستان کا بحری سفر نہیں کرنا پڑتا تھا۔ ابتداء میں بہت سے ایسے ہندوستانی باشندے عرب میں جا کر آباد ہو گے جو تاجر تھے اور عربوں کی ضرورت کا سامان ان کے میلوں اور بازاروں میں لے جا کر فروخت کرتے تھے۔ ان تاجروں کو عرب بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور نہ صرف یہ کہ ان کو لوٹتے مارتے نہیں تھے بلکہ ان کی حفاظت کر کے حق جوار کا پورا لحاظ کرتے تھے۔ چنانچہ عرب کے کئی بڑے قبائل نے ایسے ہندوستانی باشندوں کو اپنی "ولاء" میں لے لیا تھا اور ان کو وہ اپنے قبیلہ کا فرد شمار کرتے تھے پھر چونکہ ہندوستان کے لوگ بت پرستی میں جاہلی عرب کے تقریباً ہم مشرب تھے اس لئے اور بھی دونوں ملکوں میں تعلقات استوار ہوئے چنانچہ عرب کے یہود و نصاریٰ کے علاوہ مشرک

مجوسی صابئہ وغیرہ ہندوستانیوں کو اپنا ہم مشرب گردانتے تھے اور بت پرستی اور دوسرے عقائد و اعمال میں بڑی حد تک ہم رنگ تھے اس لئے آپس میں مذہبی اختلاف بھی نہیں تھا۔ اسی طرح بہت سے عادات و خصائل اور رسوم و رواج میں عرب اور ہندوستانی تقریباً متفق و متحد تھے اس لئے ہندوستان کے باشندے عرب میں بڑی آسانی سے کھپ گئے۔

عربوں اور ہندوستانیوں کے تعلقات کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ ایران کے بادشاہ بلوچستان' سندھ اور سرندیپ وغیرہ پر قابض تھے اور ان علاقوں کے ہندوستانی باشندے جاٹ اور میدوغیرہ ایرانی فوج میں شامل ہو کر عرب کے ایرانی مقبوضات میں آباد ہو گئے تھے۔ اس طرح عراق کے اہم ایرانی مقبوضہ ابلہ (بصرہ) سے لیکر یمن تک ایرانی فوجوں کی طرح یہ بھی پھیلے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے عرب جنوبی اور مشرقی سواحل پر ہندوستانی باشندوں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی اور وہاں کی ملکی اور قومی زندگی میں ان سے شدید خطرات محسوس ہونے لگے تھے۔ چنانچہ یمن پر حبشیوں نے قبضہ کیا تو وہاں ہندوستان کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب یمن کے سابق عرب حکمران سیف بن ذی یزن نے ایران کے بادشاہ کسریٰ انوشیرواں کے دربار میں پہنچ کر اپنا حال بیان کیا اور اجنبی لوگوں کے غلبہ کا واقعہ سنایا تو کسریٰ انوشیرواں نے سیف بن ذی یزن سے پوچھا کہ تمہارے ملک پر کن اجنبی لوگوں نے قبضہ کیا ہے؟ وہ حبشی ہیں یا سندھی۔ (عرب و ہند عہد رسالت میں)

عرب میں آباد ہندوستانی اقوام کا مختصر بیان قارئین کی دلچسپی کیلئے قاضی اطہر مبارکپوری کی کتاب "عرب و ہند عہد رسالت میں" سے نقل کیا جاتا ہے۔

"سندھ اور ہند عربوں کے نزدیک قدیم زمانہ سے دو الگ الگ ملک مانے جاتے ہیں اور وہ تغلیب کے طور پر دونوں ملکوں کے باشندوں کو ہندی بھی کہہ دیا کرتے ہیں ورنہ عام طور سے سندھ کے باشندوں کو سندھی اور ہندوستان کے لوگوں کو ہندی کہتے ہیں۔

سندھ اور سندھی

جس طرح سندھ ایک ملک کا نام ہے اسی طرح وہاں کی قوم کو بھی سند کہتے ہیں۔ لسان

العرب میں ہے۔

والسند جبل معروف والجمع اسناد وسنود وسند بلاد تقول سندی للواحد وسند للجماعة مثل زنجی و زنج۔

سند ایک مشہور گروہ ہے اس کی جمع اسناد اور سنود آتی ہے اور سندھ چند شہروں کے مجموعہ کا نام ہے تم یہاں کے ایک آدمی کو سندی کہو گے اور جمع کیلئے سند استعمال کرو گے جیسے زنجی اور زنج ہے۔

سندہ مسندیہ سند اور سند کے نام سے سندھ میں ایک قسم کے کپڑے بنتے تھے جو عرب میں استعمال کئے جاتے تھے۔ رجل سندی کی طرح ثوب سندی اور دجاج سندی (سندھی مرغی) بھی اس ملک کی نسبت سے مشہور تھی۔ یہاں کے باشندے قدیم عرب میں بہت زیادہ آباد تھے خاص طور پر یمن کے علاقہ میں ان کی کثرت ت مسلم تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام طفولیت میں جب شاہ حبشہ ابرہہ کے بیٹے مسروق بن ابرہہ نے یمن پر حملہ کر کے سیف بن ذی یزن کو بے دخل کر دیا اور اس نے کسریٰ انوشیرواں کے یہاں جا کر اس کا تذکرہ کیا تو اس نے دریافت کیا۔

ای الاغربة الحبشه ام السند۔ کن غیر ملکیوں نے یمن پر قبضہ کیا ہے؟

حبشیوں نے یا سندھیوں نے۔

کسریٰ کے اس سوال سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت یمن میں سندھیوں کی آبادی کس قدر زیادہ تھی اور ان کو کیسی شان و شوکت حاصل تھی۔

ہند اور ہندی

ہند جس طرح سندھ کے مقابلہ میں ایک ملک کا نام ہے اسی طرح ملک کے باشندوں کو عرب ہند کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جمع کیلئے ہنود اور واحد کیلئے یائے نسبتی لگا کر ہندی بولتے ہیں۔ کبھی کبھی یائے نسبت سے پہلے کاف کا اضافہ کر کے ہندکی بھی بولتے ہیں جس کی جمع ہنادک آتی ہے کبھی ہندی سے عود ہندی بھی مراد لیتے ہیں۔ سیف مہند' سیف ہندی' سیف ہندوانی' ہندی ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار کو کہتے ہیں۔ لسان العرب میں ہے۔

قال الازهری والاصل فی التهنید عمل الهند یقال سیف مهند و هندی و هندوانی اذا عمل ببلادالهند واحکم عمله والمهند السیف المطبوع من حدید الهند وهند اسم بلاد والنسبة هندی والجمع هنود' کقولک زنجی وزنوج وسیف هندوانی بکسرالها وان شئت ضمتها اتباعاً للدال' ابن سیدة والهند جیل معروف ویقال رجل هندی و هند کی قال ولوقیل ان الکاف اصل وان هندی وهند کی اصلان بمنزلة سبط و سبطر لکان قولا قویا والسیف الهندوانی' والمهند منسوب الیهم۔

ازہری کا قول ہے کہ دراصل تہنید کے معنی ہندوستان میں یا ہندوستانیوں کا تلوار بنانا ہیں۔ سیف مہند' ہندی' ہندوانی اس تلوار کو کہتے ہیں جو ہندوستان میں بنائی گئی ہو اور اس کی بناوٹ نہایت عمدہ ہو۔ مہند وہ تلوار جو ہندوستان کے لوہے سے بنائی گئی ہو اور ہند شہروں کے مجموعہ کا نام ہے اس کی طرف نسبت ہندی ہے اور اس کی جمع ہنود آتی ہے اور سیف ہندوانی اور ہندوانی بھی کہتے ہیں اور ہند ایک مشہور گروہ کا نام بھی ہے یہاں کے باشندے کو ہندی اور ہندکی کہتے ہیں۔ اگر ہند کے کاف کو اصل مان کر سبط اور سبطر کی طرح اسے بھی مان لیا جائے تو یہ قول قوی ہے اور سیف ہندوانی اور مہند اس تلوار کو کہتے ہیں جو ہندوستانیوں کی طرف منسوب ہے۔

ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک قصیدہ کہا ہے جس میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

بنی امة محبوبة هند کیة بنی جمع عبید قیس بن عاقل

کثیر شاعر نے کہا ہے

ومقربة دهم وکمت کانها طماطم یرفون الوفور هنادکا

محمد بن حبیب نے کہا ہے کہ کثیر نے ہنادک سے رجال ہند مراد لیا ہے۔ ابن ہرمہ نے کہا ہے۔

کاعناق نساء الھند   وقدشیبت باوضاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے چند ماہ پیشتر ہندوستان کے آدمیوں کا تذکرہ ایک موقع پر فرمایا تھا جبکہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت نجران سے قبیلہ بنی حارث ابن کعب کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔

من ھؤلاء القوم ؟ کانھم رجال الھند   یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے آدمیوں کی طرح ہیں؟

ہند اور سندھ کی سات قومیں

الغرض عرب میں ہندیوں اور سندھیوں کی مختلف جماعتیں عہد رسالت میں موجود تھیں۔ چنانچہ زط (جاٹ) مید، سیابجہ، اساورہ، احامرہ، بیاسرہ اور تکاکرہ یہیں کے رہنے والے تھے جو ملک عرب میں مختلف کاموں اور پیشوں کی وجہ سے مختلف ناموں سے یاد کئے جاتے تھے ان کا مختصر تعارف یہ ہے۔

(۱) زط (جاٹ) ہندوستان کی مشہور سیاہ رنگ کی جنگ جو قوم ہے جو سندھ کے علاوہ منصورہ کے اطراف سے لے کر مکران تک پھیلی ہوئی تھی۔ بلوچستان میں اور ہندوستان کے علاقہ پنجاب میں اس کی آبادی تھی۔ یہ لوگ ان ہی مقامات سے عرب جاتے تھے۔

(۲) مید ہندوستان کی ساحلی قوم ہے جو جہازوں اور کشتیوں کو سمندر میں لوٹ لیا کرتی تھی۔ اس قوم کی بستیاں دریائے سندھ سے لے کر ہندوستان کے سرحدی علاقہ اوکین تک پھیلی ہوتی تھیں۔ دریائے سندھ کے ساحلی مقامات سے لے کر ملتان تک ان کی آبادیاں تھیں بلکہ گجرات اور کوکن کے سواحل میں بھی یہ سمندری لٹیرے بکثرت آباد تھے جن سے یہاں کے راجے مہاراجے تک عاجز تھے۔ بعد میں مسلمانوں نے ان کو زیر کیا۔ یہ لوگ شاہان ایران کی فوج میں بھرتی ہو کر عرب جاتے تھے اور ساحلی مقامات میں رہا کرتے تھے۔

(۳) سیابجہ ہندوستان کی مشہور قوم سیابجہ کا وطنی تعلق بھی سندھ اور ہندوستان کے سواحل ہی سے تھا۔ خصوصاً سندھ کا علاقہ ان کا مرکز تھا۔

(۴) احامرہ بھی یہاں کے ساحلی علاقوں سے تعلق رکھتے تھے خصوصاً سندھ سے یہ لوگ یہاں سے عرب جا کر اجرت پر تجارتی جہازوں کی حفاظت و نگرانی کیا کرتے تھے اور بحری ڈاکوؤں سے جنگ کرتے تھے۔

(۵) اساورہ شاہان ایران کی فوج میں "سواروں" کے ممتاز عہدے دار تھے جو عرب میں رہتے تھے۔ ان میں ہندوستانی بھی ہوا کرتے تھے ان کا وطن سندھ کے سواحل سے لے کر سرندیپ تک پھیلا ہوا تھا۔

(۶) بیاسرہ بھی ہندوستانی تھے اور عرب جا کر جہازوں کی نگرانی کی ملازمت کرتے تھے۔ یہ لوگ بھی سندھ سے لے کر بمبئی کے حدود صیمور (چیمور) تک کے رہنے والے تھے۔

(۷) تکاکرہ (ٹھاکر) سندھ اور پنجاب کے جنگ جو بہادر تھے جنہوں نے ہندوستان پر محمد بن قاسم کے حملہ کے وقت راجہ داہر وغیرہ کی مدد میں بڑی بہادری دکھائی تھی۔

یہ چند مشہور قومیں ہیں جو ہندوستان کے مختلف مقامات سے عرب میں جاتی تھیں۔ ان میں سے بعض وہاں آباد ہو گئی تھیں ان کے علاوہ بھی ہندوستان کے دوسرے مقامات کے لوگ عرب میں پائے جاتے تھے۔   (عرب و ہند عہد رسالت میں)

ان اقوام میں سے بیاسرہ اور تکاکرہ قدیم عرب میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے وقت بھی یہ قومیں عرب میں نہیں تھیں۔ اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

"بیاسرہ کی طرح تکاکرہ کا ذکر بھی قدیم عرب میں نہیں مل سکتا اس لئے خیال ہے کہ یہ عہد رسالت میں عرب میں موجود نہیں تھے۔"   (عرب و ہند عہد رسالت میں)

اب ہم بعثت نبوی کے وقت عرب میں آباد ہندی اقوام اور ان میں اشاعت اسلام کے حوالے سے کچھ تفصیلات بیان کریں گے۔

زط یعنی جاٹ

جاٹ یا جٹ مشہور ہندوستانی قوم ہے۔ عربی میں ان کو زط کہا جاتا ہے۔ یہ سندھ اور پنجاب کے رہنے والے تھے۔ کچھ مؤرخوں نے بلوچیوں کو بھی جاٹ کہا ہے۔ لسان العرب

کے مطابق زط سندھ کے سیاہ رنگ باشندوں کو کہا جاتا ہے۔ یہ جٹ کا معرب ہے۔ بحار الانوار میں ہے "یہ سیاہ رنگ کے لوگ ہیں جو سندھیوں اور ہندیوں کی جنس سے ہیں۔" مجمع البحرین میں بھی یہی لکھا ہے کہ زط ہندوستان کے لوگ ہیں مگر انہوں نے زط کو جھت کا معرب بتایا ہے۔ بہر حال جٹ اور جھت قریب قریب ہیں ابوالفدا ء نے تقویم البلدان میں بلوچیوں کو بھی جاٹ میں شمار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں بلوچیوں کو بھی جاٹ (جٹ) کہا جاتا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کی زبان ہندی سے ملتی جلتی ہے۔ ابن خرداذبہ نے المسالک والممالک میں تصریح کی ہے کہ مکران اور منصورہ (سندھ) کے درمیان کئی سو میل کے علاقہ میں جاٹ پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ علاقہ چونکہ بلوچستان کے قریب پڑتا ہے اس لئے اس قربت کی بنا پر عربوں نے بلوچیوں کو بھی زط میں شمار کرنا شروع کر دیا ہوگا۔

عرب میں جاٹ ابلہ (بصرہ) سے عمان اور بحرین تک کے ساحلی علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ تو مویشی پالنے کا کام کرتے تھے مگر ان کی اکثریت ایرانی بادشاہوں کی فوج میں شامل تھی۔ ایران میں بھی جاٹوں کی بڑی بڑی بستیاں اور شہر تھے جن کا پھیلاؤ فارس سے عراق تک تھا۔ زط حومۃ الزط اور خابران' ایران میں جاٹوں کے شہر اور علاقوں کے نام ہیں۔ کابل میں بھی جاٹ آباد تھے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق کابل کے رہنے والے جاٹوں سے تھا۔ ایرانی علاقوں کے جاٹوں کی طرح سندھ و ہند کے جاٹ بھی شاہان فارس کی فوجوں میں شامل ہوتے تھے۔ ان کی حیثیت زیادہ تر بیگار کی تھی اور وہ ایسے قیدیوں کی طرح ہوتے تھے جن سے جنگ کا کام لیا جاتا تھا۔ ایرانی سپاہیوں کی نسبت سندھی سپاہیوں کی تنخواہیں کم ہوتی تھیں لیکن ان میں بہت سے لوگ اچھے خاصے سربر آوردہ بھی ہوا کرتے تھے۔ بہرکیف تجارتی واقتصادی حوالوں کے علاوہ اکاسرہ ایران کی سپاہ کی حیثیت سے بھی سندھ و ہند کے جاٹ بڑی تعداد میں عرب کے ساحلی اور اندرونی علاقوں میں موجود تھے۔

کیا عہد رسالت میں عرب میں آباد یہ جاٹ مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے البتہ ان تک دعوتِ اسلام پہنچ گئی تھی۔ ان میں سے بہت سوں نے اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔

ان کی اکثریت نے اسلام عہد صحابہ میں قبول کیا۔ اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

"عہد رسالت میں جاٹوں کے اسلام کی تصریح اب تک ہم کو نہیں مل سکی اور نہ یہ پتہ چل سکا کہ ان کی کوئی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لائی تھی۔ مگر یہ قطعی ہے کہ عہد رسالت میں یمن اور بحرین کے حدود کے بعض جاٹ مسلمان ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت بیرزطن ہندی یمنی جو عہد رسالت میں اسلام لائے غالباً جاٹ نسل سے تھے البتہ عہد فاروقی میں جب ۱۴ھ میں بصرہ آباد کیا گیا تو یہاں مسلمان جاٹوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ جو بنو حنظلہ کے ساتھ رہتی تھی اور جب ایران کے اساورہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے تو وہ بصرہ میں ان ہی مسلمان جاٹوں اور سیابجہ کے ساتھ رہنے لگے۔ مگر جب ایرانی اور ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی تعداد اکٹھا ہوگئی تو بنو تمیم نے ان کو اپنی طرف کھینچا اور اساورہ بنو سعد کے یہاں چلے گئے اور جاٹ اور سیابجہ بنو حنظلہ سے مل گئے۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

بلاذری نے لکھا ہے۔

واما السیابجۃ والزط والاندغار فانهم کانوا فی جند الفرس ممن سبوه وفرضوا له من اهل السند ومن کان سبیا من اولی الغزاة فلما سمعوا بما کان من امر الاساورة اسلموا واتوا اباموسیٰ فانزلهم البصرة کما انزل الاساورة۔

سیابجہ' زط اور اندغار ایرانیوں کی فوج میں سے تھے اور ان کے قیدیوں میں شمار ہوتے تھے۔ اس فوج کو ایرانی سندھیوں میں شمار کرتے تھے اور انہیں لڑنے والے قیدیوں کی حیثیت دی تھی' جب ان فوجیوں نے اساورہ کے مسلمان ہونے کا سنا تو یہ بھی مسلمان ہو گئے اور حضرت ابوموسیٰ کے پاس آ گئے۔ آپ نے انہیں اساورہ کی طرح بصرہ میں آباد کیا۔

(فتوح البلدان' امر الاساورۃ والزط)

علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں شیرویہ اسواری کے اسلام لانے کے ضمن میں لکھا ہے کہ وہ اپنی جمعیت کے ساتھ اسلام لا کر اساورہ سیابجہ سے آن ملا جو اس سے پہلے خلیج عرب

کے ساحلوں میں رہتے تھے۔ جاٹوں کا بھی یہی حال تھا وہ سواحل عرب پر چارے کی تلاش میں پھرتے رہتے تھے۔ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں جاٹوں اور اساورہ کو سواحل شام اور انطاکیہ میں آباد کیا تھا۔

فتنہ ارتداد میں یہ جاٹ بھی شامل تھے۔ فتنے کی سرکوبی کے بعد یہ لوگ بھاگ گئے اپنے قبیلوں اور ملکوں کی طرف۔ ہندی جاٹ یقیناً ہند و سندھ کی طرف بھاگے ہوں گے۔ مسیلمہ کذاب کے لشکر میں بھی ان کی شمولیت کا پتہ چلتا ہے۔ جنگ ذات السلاسل بھی سندھیوں کی شمولیت کے حوالے سے مشہور ہے۔ فاروقی میں ہندی جاٹ مسلمان ہو کر اسلام کے دست و بازو بن گئے۔ بعد میں مسلمانوں کی باہمی چپقلشوں اور محاذ آرائیوں میں ایک عرصہ تک یہ لوگ غیر جانبدار رہے۔

بلاذری نے لکھا ہے۔

ولم یشهدوا معهم الجمل و صفین ولاشیئا من حروبهم

یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ نہ جمل میں شریک ہوئے اور نہ صفین میں اور نہ ہی کسی دوسری جنگ میں۔ (فتوح البلدان)

کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں غیر جانبداری کی روش ترک کر کے انہوں نے کسی ایک فریق کا ساتھ دینا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ خلافت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملہ میں انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی طرف داری کی۔

وفی حدیث علی انه لما فرغ من قتال اهل البصره اتاه سبعون رجلا من الزط فکلموه بلسانهم فقالوا لعنهم الله بل انت انت۔ (مجمع البحرین)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں آیا ہے کہ جب وہ اہل بصرہ سے لڑائی کے بعد فارغ ہوئے تو جاٹوں کے ستر آدمی ان کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے اپنی زبان (ہندی) میں بات کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ان پر (اہل بصرہ پر) اللہ کی لعنت ہو آپ ہی امیر ہیں (کوئی دوسرا نہیں)۔

مید

یہ بھی ایک ہندی قوم تھی۔ قدیم سے عرب میں آباد تھی۔ عرب میں ان کی آبادی ایرانیوں کے توسط سے تھی۔ یہ لوگ ایرانی افواج میں شامل تھے۔ یہ ایک لڑاکا اور جنگجو قوم تھی۔ یہ لوگ زیادہ تر سواحل کے رہنے والے تھے۔ ان میں سے بہت سوں نے ایرانی افواج سے تعلق کے بغیر اپنے طور پر بھی عرب ساحلی علاقوں میں بود و باش اختیار کی ہوئی تھی۔ یہ اصلاً سندھ کے رہنے والے تھے۔ سندھ سے لے کر گجرات بلکہ اس سے بھی آگے کے ساحلی علاقے ان کا مرکز تھے۔ ہند کا وہ ساحلی علاقہ جو خاص ان کا مرکز تھا انہیں کی نسبت سے عربوں کے ہاں مید کہا جاتا تھا۔ ابن خرداذبہ نے المسالک والممالک میں صراحت کی ہے کہ دریائے سندھ سے ہندوستان کی ابتدائی سرحد اوتکین تک چار دن کی مسافت ہے۔ یہ علاقہ پہاڑی قسم کا ہے۔ پہاڑوں میں بانس کثرت سے ہوتا ہے جبکہ وادیوں میں کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے سرکش اور چور قسم کے ہیں۔ یہاں سے دو فرسخ کے فاصلہ پر مید نامی مقام آتا ہے۔

مید عربی زبان میں سمندری بلا کو کہا جاتا ہے۔ یہ سمندری ڈاکو تھے۔ عربوں کے تجارتی جہازوں اور کشتیوں کو لوٹ لیتے تھے۔ اس لئے عرب انہیں مید یعنی سمندری بلا کے نام سے یاد کرتے تھے۔

اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں۔

"مید کی حقیقت سمجھنے کیلئے لسان العرب کی یہ تفصیل ضروری ہے۔

وقد ماد فهو مائد من قوم میدی کرائب وروبیٰ ابوالهیثم المائد الذی یرکب البحر فتغثی نفسه من نتن ماء البحر حتیٰ یدار به ویکاد یغشی علیه فیقال مادبه

مائد کی جمع میدیٰ ہے جس طرح رائب کی جمع روبیٰ ہے۔ ابوالہیثم کا قول ہے کہ مائد وہ شخص ہے جو سمندر کا سفر کرے اور سمندر کے پانی کی بدبو سے اس کا دماغ خراب ہو جائے اور سر چکرانے اور بیہوش ہونے لگے۔ ایسے موقع پر کہتے ہیں کہ سمندر نے اس کو چکر

البحر يميد به ميداً وقال ابوالعباس فی قوله ان تميد كم فقال تحرک بكم وتزلزل قال الفراء سمعت العرب تقول الميدی الذين اصابهم الميد من الدوار' فی حديث ام حرام المائد فی البحرله اجر شهيد هوالذی يدار راسه من ريح البحر واضطراب السفينة بالامواج الازهری و من المقلوب الموائد والمآود الدواهی۔

میں ڈال دیا چنانچہ ابوالعباس نے اللہ تعالٰی کے قول "ان تمید کم" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تم کو حرکت اور چکر میں ڈال دے۔ فراء نے کہا ہے کہ میں نے عربوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میدئی وہ لوگ ہیں جن کو چکر کی وجہ سے غشی اور متلی وغیرہ آنے لگے اور حضرت ام حرام کی حدیث یہ ہے کہ سمندر میں بیہوش ہونے والے کو شہید کا ثواب ملتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کا سر سمندر کی ہوا اور موجوں کی وجہ سے کشتی کے ڈگمگانے سے چکرانے لگے۔ ازہری کا قول ہے کہ جن اسماء میں قلب ہے ان میں سے موائد اور مآود ہیں جو مصائب کے معنی میں ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ سمندر کی بدبودار ہوا اور موجوں کی وجہ سے یا جہازوں اور کشتیوں کے ہچکولے سے جو دوران سر' غشی' قے اور چکر وغیرہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے' اسے مید کہتے ہیں' یعنی سمندری بیماری کا نام مید ہے جسے سمندری بلا بھی کہہ سکتے ہیں اور ہندوستان کی یہ ساحلی قوم بھی جو عربوں کے تجارتی جہازوں کو لوٹتی تھی' بہت بڑی بحری بلا تھی' اس لیے وہ اسے مید کہنے لگے۔ (عرب و ہند عہد رسالت میں)

سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ شاہان ایران نے سندھ اور بلوچستان پر قدیم زمانہ سے قبضہ کر کے یہاں کے جاٹ اور مید دونوں قوموں کو اپنی فوج میں رکھا تھا اور وہ ان سے اپنی حکومت کے قیام و بقا کا کام لیتے تھے۔ (عرب و ہند کے تعلقات)

عہد رسالت میں یہ لوگ مسلمان ہوئے یا نہیں' اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ ان کے ہم وطن زط وغیرہ کی طرح ان تک اسلام کی دعوت پہنچی ہوگی۔ اغلب یہ ہے کہ عہد صحابہ میں دیگر ہندی اقوام کے ساتھ انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہوگا۔ یہی مید تھے جنہوں نے پہلی صدی ہجری کے آخر میں عرب تاجروں کی بیواؤں اور یتیموں کے جہاز کو جو

سراندیپ سے آ رہا تھا دیبل کے قریب سمندر میں لوٹ لیا تھا۔ جس کے رد عمل کے طور پر محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تھا۔

اساورہ

عرب میں آباد ہندی اقوام میں سب سے زیادہ شوکت و قوت اور شہرت و عزت جس قوم کو حاصل تھی وہ اساورہ ہیں۔ یہ ایرانی فوج کے اسپ سوار تھے۔ ان کا درجہ زط مید وغیرہ اقوام ہند سے بڑا تھا۔ یہ ان اقوام کی طرح عربی زندگی کا حصہ بن کے نہیں رہتے تھے بلکہ حاکمانہ حیثیت رکھتے تھے۔ عربوں کے ساتھ اختلاط کو اپنی شان سے گرا ہوا کام سمجھتے تھے۔ ایرانی طرز کی زندگی گزارتے تھے۔ عرب علاقے جو ایرانی مقبوضات میں شامل تھے وہاں ایرانی حکومت اور اس کے مفادات کی محافظت انہیں کے ذریعے انجام پاتی تھی۔ اسی لئے شاہان فارس کے ہاں ان کی اہمیت اور قدر و منزلت بہت زیادہ تھی۔ مسلمانوں نے جب ایران کو فتح کیا تو ان کی بہت بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا اور عربوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنے لگے۔ لسان العرب کے مطابق أسوار اور إسوار فارس کے فوجی افسر کو کہا جاتا ہے۔ اچھے تیر انداز اور اچھے گھڑ سوار کو بھی کہا گیا ہے۔ اس کی جمع اساورہ اور اساور ہے۔ بہر حال اساورہ میں ایرانی اور ہندی دونوں طرح کے لوگ شامل تھے۔ یہ باہم اس طرح رہتے تھے کہ انہیں الگ الگ شناخت کرنا بڑا مشکل تھا۔

اطہر مبارکپوری اساورہ کے بارے میں طویل بحث کے بعد خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اساورہ میں ہندوستانیوں کی تعداد کافی تھی مگر ایرانیوں کے غلبہ کی وجہ سے ہم ان کو شناخت نہیں کر سکتے۔ پھر اساورہ اور خالص ہندوستانی زط اور سیابجہ میں ذہن و فکر اور معاشرت کے اعتبار سے بڑی حد تک یکسانیت تھی اور یہ تینوں جماعتیں ایک ہی درخت کی شاخیں معلوم ہوتی تھیں چنانچہ یہ تینوں قومیں اسلام لانے کے بعد بھی ایک دوسرے سے اس طرح مل کر رہیں کہ ان کی وحدت قائم رہی۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

عہد فاروقی میں اساورہ کے اسلام لانے کے بارے میں اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

عہد فاروقی میں جب مجمیوں کی شوکت ختم ہوئی تو قومیں اسلام میں داخل ہونے لگیں اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کیلئے ایک ساتھ ہوگئیں۔ بلاذری کی ایک روایت میں ہے کہ اساورہ مسلمان ہونے کے بعد بصرہ کے سیابجہ اور جاٹوں کے ساتھ مل گئے مگر بعد میں عرب قبائل نے ان کو الگ کر کے اپنے ساتھ لے لیا اور ان کی جمعیت ختم کر دی۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

احامرہ

قدیم عرب میں ایک اور ہندی قوم کا پتہ بھی ملتا ہے جسے اہل عرب احامرہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انہیں حمر اور احامر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا واحد احمر اور محمرہ استعمال ہوتا۔ اس کے معنی سرخ پوش یا سرخے کے ہیں۔ یہ لوگ عربوں کے موالی اور حلیف بن کر عرب علاقوں میں رہتے تھے۔ یہ اصلاً سندھ کے رہنے والے تھے اور بدھی مذہب رکھتے تھے۔ چنانچہ مسعودی نے مروج الذھب میں گوتم بدھ کے تذکرے میں لکھا ہے۔

وقیل ذلک فی حمر السند۔ یہ بات سندھ کے سرخ پوشوں کے بارے میں کہی گئی ہے (مروج الذھب)۔

لسان العرب کے مطابق یہ لوگ بصرہ میں آباد تھے۔

سید سلیمان ندوی نے الملل والنحل شہرستانی کے حوالے سے لکھا ہے۔

''بودھوں کا ایک تیسرا نام عربی کتابوں میں محمرہ ہے یعنی سرخ کپڑے والے۔ جس سے مقصود شاید گیروا رنگ ہو یا زعفرانی۔ یہ رنگ ان کے مذہبی پیشواؤں کی پہچان تھی۔

(عرب و ہند کے تعلقات)

احامرہ کے متعلق اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں یہ ہندوستانی سرخے مدینہ اور شام کے درمیان آباد بنو غفار کے حلیف بنکر بڑی تعداد میں موجود تھے اور غزوہ تبوک کے

موقع پر بنو غفار کی معیت میں اسلامی جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ چنانچہ امام بخاری نے الادب المفرد میں غزوہ تبوک کے سلسلے میں ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو رہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ ہے۔ اس روایت کا آخری حصہ حضرت ابو رہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی یہ ہے۔

فطفق رسول الله صلى الله عليه وسلم يسألني عن من تخلف من بني غفار وهو يسألني فقال مافعل النفر الحمر الطوال الثط قال فحدثته بتخلفهم قال فما فعل السود الجعاد القصار الذين لهم نعم بشبكة شرخ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفار کے ان لوگوں کے بارے میں مجھ سے سوال فرمانے لگے جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے چنانچہ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ لمبے چوڑے پیٹ والے سرخوں کا کیا حال ہے؟ میں نے بتایا کہ وہ شریک نہیں ہوئے پھر آپ نے فرمایا کہ گھونگھریالے بال والے کالے لوگوں (غالباً حبشی) کا کیا معاملہ رہا جن کے جانور مقام شبکہ شرخ میں ہیں۔

لسان العرب میں ''مادہ ثطط'' میں اس حدیث کا ایک ٹکڑا یوں درج ہے۔

فقال مافعل النفرا الحمر الثطاط...... ورری هذا الحديث مافعل الحمرا لثطاط۔

آپ نے النفر الحمر الثطاط فرمایا...... اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے الحمر الثطاط فرمایا۔

ثط جس کی جمع ثطاط ہے۔ بڑے پیٹ والے سست آدمی کو کہتے ہیں اور اس آدمی کو بھی کہتے ہیں جو کوسج ہو جس کے چہرے پر بال نہ ہوں یا کم ہوں اور ثطط ثطناط کی جمع ہے جس کے معنی طویل کے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ النفر الحمر الطوال الثط سے مراد بنو غفار کے ہندوستانی موالی (احامرہ) ہیں اور السود الجعاد القصار سے مراد بنو اسلم کے حبشی موالی ہیں جیسا کہ ابو رہم کی اسی روایت میں ہے کہ میں نے ان کے متعلق سوچا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ لوگ تو اسلم سے ہیں۔ علمائے فن کو اس کی مزید تحقیق کرنی چاہئے ہم نے ظاہری الفاظ و بیان

سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

سیابجہ

سیابجہ قدیم سے عرب میں آباد ہندی اقوام میں سے ایک مشہور قوم ہے۔ یہ عرب کے جہازوں پر بطور محافظ ملازمت کرتے تھے اور دشمنوں خصوصاً بحری ڈاکوؤں سے جہازوں کو محفوظ رکھتے تھے اور ان کے حملے کے وقت ان سے مقابلہ کرتے تھے۔ انہیں عربی کتابوں میں سبابجہ بھی لکھا گیا ہے۔ لسان العرب میں ہے۔

والسبابجة قوم ذوو جلد من السند والهند يكونون مع رئيس السفينة البحرية يبذرقونها ...... واحد سبيجي ودخلت في جمعه الهاء للعجمة والنسبة كما قالوا البرابرة وربما قالوا السابج۔

سیابجہ سندھ اور ہند کی قوی اور بہادر قوم ہے۔ یہ سمندری کشتی کے مالک کے ساتھ رہتے ہیں۔ کشتی کی حفاظت کرتے ہیں اور سمندری لٹیروں سے بچاتے ہیں۔ اس کا واحد سبیجی ہے اور جمع میں عجمیت اور نسبت کی وجہ سے صرف ہا داخل ہوتی ہے جیسے برابرہ جمع بربر اور کبھی واحد کیلئے سابج بھی استعمال کرتے ہیں۔

ابن السکیت کے مطابق سیابجہ ایک سندھی قوم ہے جو عربوں کے جہازوں اور کشتیوں پر دشمن سے مقابلہ کیلئے اجرت پر رہتے تھے۔

جوہری کا بیان ہے کہ سیابجہ سندھ کی ایک قوم تھی جو بصرہ میں تعینات تھی۔ یہ قید خانوں کے محافظ تھے۔

بلاذری کی تحقیق یہ ہے کہ سیابجہ' زط اور اندغار ایرانیوں کی فوج میں قیدیوں کی طرح رہتے تھے۔ انہیں سندھیوں میں شمار کیا جاتا تھا۔

سیابجہ اور زط تو سندھی ہی تھے البتہ اندغار کے بارے میں آیا ہے کہ وہ بجستان سے متصل کرمان کے علاقہ کی قوم تھی۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ سیابجہ ایرانی فوج میں بھی ہوتے تھے اور اس توسط سے بھی وہ عربی علاقوں میں رہا کرتے تھے۔

عہد رسالت میں دیگر ہندی اقوام کی طرح سیابجہ کے اسلام لانے کا ہمیں کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ البتہ عہد صحابہ خصوصاً عہد فاروقی میں ان کے مسلمان ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ اساورہ کے بارے میں سابق میں حوالہ گزر چکا ہے کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو زط اور سیابجہ جو پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے ان کے ساتھ آن ملے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کے بیت المال کے محافظ اور نگران سیابجہ تھے جو مسلمانوں کی باہمی مناقشت کے دوران بڑی تعداد میں قتل بھی ہوئے تھے۔

یہ ان اقوام کے مختصر حالات ہیں جو عہد رسالت یا اس سے پہلے عرب میں سکونت پذیر تھیں۔ انہوں نے اسلام کب اور کیسے قبول کیا۔ اس پر بھی مختصر طور پر لکھا گیا ہے۔ بہرکیف یہ امر ناقابل تردید ہے کہ عہد رسالت میں عرب میں ہندی اقوام آباد تھیں۔ ان تک اسلام کا پیغام بھی پہنچا تھا۔ ان میں سے بہت سوں نے اسے قبول بھی کرلیا تھا۔ عہد صحابہ میں یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔ عرب میں آباد یہ ہندی اقوام برصغیر پاک وہند میں اسلام کے پہنچنے کا بہت بڑا ذریعہ بھی بنیں۔

ہندی اور غیر عرب اقوام کی آبادی والے علاقوں میں دعوت اسلام

یمن ونجران

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مکی دور میں اسلام کا پھیلاؤ اس قدر نہیں تھا جتنا کہ مدنی زندگی میں ہوا۔ اس کی مختلف وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ مشرکین مکہ اور سرداران قریش کا اسلام کی شدید مخالفت کرنا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور آپ کی نبوت کی شہرت حدود عرب سے نکل کر قریبی ممالک تک پہنچ چکی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حج کے موقع پر لگنے والے بازاروں میں ہر سال جاتے اور ہر قبیلہ کے پاس جا کر لوگوں پر اپنی نبوت کو پیش فرماتے۔

سرداران قریش جو کہ پورے عرب کی آقائی کے حامل تھے۔ وہ پوری شد و مد سے آپ کی مخالفت کرتے جیسا کہ دعوت وتبلیغ اسلام کے باب میں تفصیل سے بیان گزر چکا ہے۔ اس لئے قبائل عرب آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے کتراتے تھے۔ مگر اس سلسلہ کی ایک اہم بات یہ ہے کہ باوجود ان حالات کے پورے عرب پر یہ حقیقت خوب واضح ہو چکی تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی صورت میں اپنے دعوائے نبوت سے دستکش ہونے والے نہیں ہیں۔ نہ ہی وہ بتوں اور مشرکانہ عقائد واوہام کی مخالفت سے باز رہنے والے ہیں بلکہ آپ کی تعلیمات اتنی محکم ہیں کہ ان کا ابطال یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ سمیت کسی کے بس میں نہیں۔ آپ پر نازل ہونے والا کلام الٰہی پورے عرب کیلئے ایک کھلا چیلنج تھا۔ اس کے بارے میں عرب کے بڑے بڑے فصحاء اور ادباء برملا یہ کہتے تھے کہ اس طرح کا کلام بنانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ چنانچہ پورے عرب اور اس کے اطراف میں جہاں بھی آپ کی شہرت پہنچتی ساتھ ہی ان حقائق کا چرچا بھی پہنچ جاتا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انہی ایام میں جب آپ کی شہرت عرب سے باہر تک پھیل چکی تھی۔ آپ کا چرچا جب کسریٰ ایران کے دربار تک پہنچا تو اس نے فوراً یمن میں اپنے مقرر کردہ ایرانی حاکم باذان کو لکھا کہ میرے علم میں آیا ہے کہ قریش کے ایک شخص نے مکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ اور اسے اس دعویٰ سے باز رکھنے کی کوشش کرو اگر وہ اپنے دعویٰ سے دست کش ہو جائے تو خیر ورنہ اس کی گردن اڑا دو اور اس کا سر میرے پاس بھجوا دو۔ باذان نے اس خط پر کوئی عمل کرنے کے بجائے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھجوا دیا۔ آپ نے باذان کو اس کا جواب لکھا جس میں خبر دی کہ کسریٰ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو قتل کر دیا جائے گا۔ باذان کے پاس آپ کا نامہ مبارک پہنچا تو اس نے اسے سنبھال کر رکھ لیا اور انتظار کرنے لگا کہ اگر آپ نبی برحق ہوئے تو آپ کی بات سچ ہو کر رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر کے مطابق اسی مہینے اور اسی تاریخ کو کسریٰ اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہ واقعہ ۶ یا ۷ نبوی کا ہے۔ اس معجزہ کو دیکھ کر حضرت باذان اپنے ساتھیوں سمیت اسلام لے آئے۔

اس واقعہ کے متعلق سیرت ابن ہشام میں ہے۔

فلما بلغ ذلک باذان بعث باسلامه واسلام من معه من الفرس الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت الرسل من الفرس لرسول الله صلی الله علیه وسلم الی من نحن یا رسول الله قال انتم منا والینا اهل البیت۔

پس جب یہ خبر (کسریٰ کے قتل ہونے کی) باذان کو پہنچی تو انہوں نے اپنے اور اپنے ایرانی ساتھیوں کے اسلام لانے کی خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں پہنچا دی (باذان کے) ایرانی قاصدوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا یا رسول اللہ ہم کن میں شمار ہوں گے۔ ارشاد فرمایا تمہارا شمار ہم میں اور ہمارے اہل بیت میں ہوگا۔

اس روایت میں حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے ساتھی ایرانیوں کے مسلمان ہونے کی تصریح ہے۔ یہاں ایرانیوں سے مراد صرف ایرانی نسل کے لوگ نہیں ہیں بلکہ حکومت ایران کی طرف سے فوج وغیرہ میں جو لوگ بھیجے جاتے تھے وہ سب اس میں شامل ہیں کیونکہ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ حکومت ایران کی طرف سے بہت سے ہندی اور سندھی لوگ یمن سمیت دیگر عرب سواحل میں بھیجے جاتے تھے۔ یہاں ایرانیوں میں وہ سب شامل ہیں۔

خود حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو محدثین کرام نے باذان الفارسی' باذان ملک الیمن اور باذان ملک الہند لکھا ہے جس میں مطابقت یوں دی گئی ہے کہ حضرت باذان کا خاندان ہند میں کسی علاقے کا حکمران تھا اس نسبت سے انہیں باذان ملک الہند کہا جاتا تھا بعد میں یہ خاندان ایران نقل مکانی کر آیا۔ وہاں اس خاندان کی حاکمانہ اہلیت کی بناء پر انہیں فارس میں کسی علاقے کی حکمرانی تفویض کی گئی۔ اس بنا پر حضرت باذان' باذان الفارسی کہلائے۔ بعد میں انہیں یمن کا حاکم بنایا گیا جو انکے ملک الیمن کہلانے کا سبب ہوا۔ بہر حال حقیقت کچھ بھی ہو حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے اسلام لانے سے یمن اور اس کے نواح کے تمام علاقوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا دروازہ کھل گیا۔ خاص طور پر یمن میں جو غیر عربی اقوام تھیں انہوں نے اس خوشگوار تبدیلی کو نہ صرف اچھی نگاہ سے

دیکھا بلکہ اسے قبول بھی کر لیا۔ سابق میں مذکور ہوا کہ شاہان ایران کی طرف سے جو فوج عرب میں بھیجی جاتی تھی اس میں برصغیر کے بہت سے باشندے بھی شامل ہوتے تھے جنہیں اساورہ اور دیگر ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ روایات شاہد ہیں کہ حضرت باذان کے ساتھ ان کے اساورہ اور دیگر ہندی اقوام کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ کتاب السیرۃ الحمدیۃ والطریقۃ الاحمدیۃ میں مرقوم ہے کہ کسریٰ کے قتل کے بعد حضرت باذان کے اساورہ ان کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ وہ اب کس کی پیروی کریں۔ آپ نے انہیں اسلام لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اختیار کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ لکھا ہے۔

فاجتمعت له اساورته فقال من نومر علینا فقال اتبعوا هذا الرجل وادخلوا فی دینه و اسلموا

پس آپ کے اساورہ آپ کے پاس جمع ہوئے اور کہا اب ہمارا امیر کون ہوگا تو انہوں نے کہا اس آدمی (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرو اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ اور اسلام قبول کر لو۔

ان روایات سے یہ امر متحقق ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ سے بہت پہلے جبکہ ابھی اسلام عرب میں ایک قوت کے طور پر نہ ابھرا تھا اور نہ ہی سارا عرب اسلام کا مطیع ہوا تھا بلکہ حالات دگرگوں اور خیالات کو ناامیدی کی طرف لے جانے والے تھے' یمن میں اسلام عربوں اور غیر عربوں خاص طور پر ایرانیوں اور ہندیوں میں فروغ پا رہا تھا ۶ یا ۷ نبوی میں وقوع پذیر ہونے والا حضرت باذان کا قبول اسلام کا واقعہ ایرانیوں اور ہندیوں کی آنے والے وقتوں میں اسلام کے ساتھ شدید محبت کی نشاندہی کرتا ہے۔ نیز یہ خیال کہ ایرانیوں اور ہندیوں نے اسلام عربوں کی تلوار کے خوف سے قبول کیا ان روایات و واقعات سے غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ اور سابق میں مذکور دیگر واقعات سے نہ صرف عرب میں رہنے والی ہندی اور ایرانی اقوام میں اسلام کی وسیع تر اشاعت کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ یہ لوگ مسلمان ہونے کے بعد جب کبھی اپنے وطن گئے ہوں گے یا ان کی خبر ان کے وطن تک پہنچی ہو گی تو ساتھ اسلام کا پیغام بھی خود بخود وہاں پہنچ گیا ہو گا۔ چنانچہ یہ کہنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی حیات مبارکہ میں یا دور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اسلام برصغیر کے لوگوں کیلئے ایک اجنبی دین تھا یا وہ اس سے واقف و آگاہ نہ تھے حقیقت سے میل نہیں کھاتا۔

یمن ہی میں مقیم ایک ہندوستانی بزرگ حضرت بیرزطن ہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ آپ اطراف یمن میں بڑی شہرت رکھتے تھے انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے مگر ان کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرنا ثابت نہیں۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ میں ہے۔

بیرزطن الهندی شیخ کان فی زمن الاکاسرة له خبر مشهور فی حشیش القنب وانه اول من اظهرها بملک البلاد واشهر امرها منه بالیمن' ادرک هذا الشیخ الاسلام فاسلم۔

بیرزطن ہندی ایک بوڑھے آدمی تھے' شاہان فارس کے زمانہ میں بھنگ سے علاج کرنے میں ان کا واقعہ مشہور ہے۔ ان بلاد میں سب سے پہلے انہوں نے اس کو رواج دیا۔ یمن میں اس کی شہرت ان کی وجہ سے ہوئی۔ اس بزرگ نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسلام قبول کیا۔

حضرت بیرزطن ہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہندوستانی بزرگ ہیں جن کا اسلام لانا جرح و نقد کی رو سے باقاعدہ پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ نیز یہ بات کہ آپ یمن کے مشہور و معروف طبیب تھے اور آپ نے طویل عمر پائی۔ اس امر کی طرف مشیر ہے کہ یقیناً آپ کے اسلام کے اثرات یمنی عوام خصوصاً ہندوستانی باشندوں پر بہت گہرے مرتب ہوئے ہوں گے۔ آپ کا ہندوستانی ہونا بطور طبیب مشہور و معروف ہونا اور طویل عمر پانا ایسے امور ہیں جن کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کے اسلام لانے سے برصغیر پاک و ہند کے لوگ بے خبر رہے ہوں گے۔ یقینی ہے کہ آپ کے اسلام لانے سے برصغیر کے لوگوں خاص طور پر آپ کے جاننے والے حلقوں میں اسلام سے دلچسپی پیدا ہوئی ہو گی۔

حضرت باذان اور حضرت بیرزطن ہندی جیسے لوگوں کے اسلام قبول کرنے کا ایک ثمرہ یہ بھی تھا کہ بہت جلد یمن اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں میں اسلام ایک قوت بن گیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اطراف و جوانب کے رؤسا و حکام کو

دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو یمن کے مشہور علاقہ نجران کے باشندوں کی طرف بھی ایک خط روانہ فرمایا۔ امام طبری کا بیان ہے۔

وكتب النبى صلى الله عليه و آله وسلم الى اهل نجران الى عربهم وساكنى الارض من غير العرب فثبتوا فتنحوا وانضموا الى مكان واحد۔	نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عرب اور غیر عرب باشندوں کی طرف خط لکھا چنانچہ وہاں کے تمام مسلمان اسلام پر ثابت قدم رہتے ہوئے ایک جمعیت بن گئے اور ایک جگہ پر اکٹھے ہو کر رہنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں پر حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی طرف سے حاکم مقرر فرمایا تھا۔

اطہر مبارکپوری نے لکھا ہے۔

حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاکم یمن اور ان کے اساورہ کے اسلام لانے کے بعد جن میں ایرانی، ہندوستانی اور سندھی سب ہی شامل تھے۔ یمن اور اطراف میں عربوں کی طرح عام عجمی باشندے بھی اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے مسلمانوں پر حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا حاکم مقرر فرمایا۔

(عرب وہند عہد رسالت میں)

مزید لکھتے ہیں۔

عرب کے ان مشرقی اور جنوبی سواحل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانہ میں اسلام کی دعوت عام فرمائی۔ جہاں اساورہ ان کی اولاد ابنائے یمن، سیابجہ اور زط عام طور پر موجود تھے۔ اس لئے یہاں کے مشرک اور مجوس عربوں کی طرح بہت سے عجمی باشندے بھی اسلام لائے جن میں ایرانی، ہندی، سندھی اور حبشی وغیرہ سب ہی شامل تھے۔ عرب کے ان عجمیوں میں ہماری تحقیق میں سب سے پہلے یمن کے علاقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام عام ہوئی اور یہاں کے عربی باشندوں کی طرح عجمی باشندے بھی مسلمان ہوئے۔

(عرب وہند عہد رسالت میں)

یمن میں رہنے والے ان غیر عرب لوگوں کے اسلام لانے کے اثرات کتنے دور رس تھے اور ان کے اسلام لانے کی وجہ سے ایران اور ہندوستان میں ان کے جاننے والے اسلام اور مسلمانوں سے کس قدر متاثر ہوئے تھے اس کا اندازہ ابن اثیر کی اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ۳۱ھ میں عہد عثمانی میں حضرت احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراسان کو فتح کر کے مرو الروز پر حملہ کیا تو وہاں کا ایرانی حاکم جو حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرابتدار تھا بغیر لڑے مطیع ہو گیا اور اس نے چھ لاکھ سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔ اس نے حضرت احنف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ میری صلح کا سبب باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانا ہے۔

یہ شہادت اس بات کیلئے کافی ہے کہ حضرت باذان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم وطن ایرانیوں نے ایران کے اندر رہتے ہوئے ان کے اسلام لانے کی خبر سنی اور اس سے متاثر ہوئے۔ حاکم خراسان کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو فقط حضرت باذان کے اسلام لانے کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں سے اس قدر متاثر ہو گئے ہوں گے کہ یا تو انہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا ہوگا یا پھر وہ باقاعدہ مسلمان ہو گئے ہوں گے۔ لیکن افسوس کہ یہ تمام تفصیلات تاریخ کے صفحات میں محفوظ نہ ہو سکیں جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس وقت علم تاریخ اپنی موجودہ صورت میں موجود نہ تھا۔ اس لئے اس قسم کی معلومات کو مجتمع کرنے اور محفوظ کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔

قریب قریب یہی معاملہ حضرت بیرزطن ہندی جیسے بزرگ ہندوستانیوں اور دیگر ہندوستانی باشندوں کا ہے جو عرب میں رہتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے اثرات کس قدر گہرے تھے۔ اس کا اندازہ تاریخی روایات کی شہادت سے ملتا ہے۔ چنانچہ برصغیر کے کئی راجوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی عقیدت کا مختلف طریقوں سے اظہار فرمایا کئی علاقوں کے لوگوں کے وفد آپ سے ملاقات کیلئے اور آپ کی زیارت کیلئے روانہ ہوئے بلکہ ہندوستان کے بعض مذہبی فرقوں نے بھی عرب کی سرزمین کی طرف اپنے لوگ بھیجے تا کہ اسلام سے متعلق معلومات حاصل کی جائیں۔ جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں کے راجوں، مہاراجوں اور دیگر حکومتی طبقوں نیز عوامی حلقوں میں اسلام اور مسلمانوں کیلئے ایک گونہ احترام اور محبت کی

فضا پیدا ہوئی۔ انہیں وہاں آباد ہونے' مساجد بنانے' اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اپنے دین کی تبلیغ کرنے کی آزادی دی گئی جیسے سرانذیپ اور دیگر جنوبی ہند کے ساحلی مقامات جن کے بارے میں تاریخی کتب بھری ہوئی ہیں کہ وہاں دور صحابہ سے مسلمان آباد تھے۔ ایسے ہی مسلمانوں کی بیواؤں اور یتیم بچوں کا جہاز عرب آ رہا تھا جسے دیبل کے قزاقوں نے لوٹ لیا تھا جس کے بعد محمد بن قاسم اور راجہ داہر کے مابین لڑائیاں ہوئی تھیں۔

دوسری طرف اسلام کی آگاہی پر یہ حقیقت بھی دلالت کرتی ہے کہ برصغیر کے بہت سے راجوں' مہاراجوں' حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں نے اسلام کو اپنے لئے ایک بہت بڑا خطرہ خیال کیا چنانچہ انہوں نے اسلام کو مٹانے کیلئے اسلام کے خلاف برسرپیکار قوتوں کی بھرپور مدد کی خاص طور پر شاہان فارس کی مسلمانوں سے جو جنگیں ہوئیں ان میں ان کی مالی اور فوجی امداد کی۔ اپنی افواج کو ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے کیلئے بھیجا۔ عہد صدیقی کی ایک جنگ جو ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہوئی اس میں سندھی فوجی اپنے پاؤں میں زنجیریں باندھ کر ایرانیوں کی فوج میں شامل ہوئے اور مسلمانوں سے لڑے ایرانیوں کی امداد کیلئے ہندوستانی ہاتھیوں کے دستے بھی بھیجے گئے۔ چنانچہ قادسیہ کی جنگ میں سندھ کے راجہ کی سواری کیلئے استعمال ہونے والا سفید ہاتھی جو تمام ہاتھیوں کا سردار تصور ہوتا تھا۔ اپنے پورے دستے کے ساتھ رستم کی فوج میں شامل تھا جب تک اس سفید ہاتھی کو مار نہ دیا گیا مسلمانوں کیلئے جنگ جیتنے کی سبیل پیدا نہ ہوئی۔ اسی طرح عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد کے زمانہ میں عرب میں مقیم بہت سے ہندی باشندوں نے مرتدین کا ساتھ دیا۔ مسیلمہ کذاب کی فوج کو بھی ہندیوں کی امداد حاصل تھی۔

بعد میں ہندوستان کے راجوں نے اپنی سرپرستی میں بحری قزاقی کی شکل میں طویل عرصہ تک مسلمانوں کے تجارتی' بحری بیڑوں پر حملے جاری رکھے جس سے بالآخر مسلمان حملہ آوروں کو مجبور ہو کر عہد صحابہ ہی میں ایسے ہندوستانی سواحل پر جہاں بحری قزاقوں کو پناہ ملتی تھی فوج کشی کرنا پڑی۔ محمد بن قاسم کا حملہ بھی اسی تسلسل کا نتیجہ تھا۔

یہ تمام امور اس حقیقت پر شاہد عدل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات

مبارکہ اور عہد صحابہ میں برصغیر کے حکمران طبقے اور عوامی حلقے بڑی حد تک اسلام سے آگاہ ہو چکے تھے۔ فطرت سلیمہ رکھنے والی طبیعتیں اسلام کی طرف مائل ہو رہی تھیں جبکہ شیطنت کی خوگر طبائع اسلام کے خلاف سرگرم ہو چکی تھیں۔

سواحل عرب میں دعوت اسلام جس کے مخاطب عربوں کے ساتھ ساتھ غیر عرب عجمی خصوصاً ہندی بھی تھے کی تفصیل اور اس کے اثرات کے بارے میں اطہر مبارکپوری کا بیان ہے۔

چونکہ تیرہ سال تک مکی زندگی مقامی کفار و مشرکین کی وجہ سے مظلومیت میں گزری اس لئے عرب کے انتہائی حدود کے لوگوں کو اسلام سے کم واقفیت ہوئی اور وہاں کے عربوں کی طرح ہندوستانی بھی اسلام سے تفصیلی طور سے واقف نہیں ہو سکے البتہ مکی زندگی میں حبشہ کی طرف صحابہؓ کی ہجرت ہوئی۔ اس لئے حبشہ اور اس کے اطراف کے لوگوں کو اسلام کی عام واقفیت ہوئی۔ اغلب یہ ہے کہ اسی سلسلے میں حبشہ کے سامنے سواحل کے عربی اور عجمی باشندوں کو بھی اسلام کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوئی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت باذانؓ حاکم یمن ابتدائے بعثت ہی میں اسلام لائے اور ان کے ساتھ یمن میں مقیم بہت سے اساورہ اور ایرانی نسل کے ابناء بھی مسلمان ہوئے۔ اس کے باوجود دعوت و تبلیغ کے طور پر ان اطراف میں اسلام کی تفصیلی معلومات نہیں ہوئیں اور اس کا موقع اس وقت آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے تیرھویں سال مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ ہجرت کے واقعہ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق نہ صرف عرب کے انتہائی حدود میں تفصیلی واقفیت کیلئے راہ پیدا کی بلکہ اطراف و جوانب کے ان ممالک میں بھی اس کی خبر پہنچی جو عرب سے متصل تھے اور ان ممالک سے عرب کے قدیم تعلقات تھے اور جس طرح دوسرے ممالک میں یہ خبریں پہنچیں۔ ہندوستان میں بھی ان کو سنا گیا اور یک گونہ دلچسپی ظاہر کی گئی۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ اور ۸ھ کے درمیان حدود عرب میں دعوت اسلام بھیجی اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو اسلام کا مبلغ و داعی اور قاصد بنا کر عرب اور بیرون عرب کے رئیسوں' حاکموں اور باحیثیت لوگوں کو خطوط بھیجے تو اس وقت عراق سے لے کر مشرقی سواحل اور یمن تک میں اسلام کی دعوت عام ہوئی اور ان اطراف کے عربوں کی

طرح عجم' فرس اور مجوس بھی اس کی دعوت سے تفصیلی طور پر واقف ہوئے۔ ان ہی کے ساتھ یہاں کے ہندوستانی باشندے بھی عام طور پر اسلام سے باخبر ہو کر یا تو مسلمان ہوئے اور اسلامی زندگی کا جزو بن گئے۔ یا عام مجوسیوں کی طرح یہ لوگ بھی اپنے آبائی مذہب پر قائم رہ کر جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو گئے اور ان کو مجوس میں شمار کیا گیا۔

نیز عہد رسالت میں جس طرح اسلام کا چرچا دیگر ممالک میں ہوا۔ ہندوستان میں بھی ہوا اور یہاں کے مذہبی لوگوں اور راجوں مہاراجوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام سے براہ راست تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی اور دعوت اسلام کو سمجھنا چاہا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان اور یہاں کے لوگوں کے متعلق باتیں کیں۔ قرآن حکیم میں ہندوستانی اشیاء کے نام آئے اور ان کا تذکرہ فرمایا گیا۔ احادیث میں ہندوستان کے باشندوں اور یہاں کی چیزوں کا تذکرہ آیا۔ یہاں کی بہت سی اچھی چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کا حکم دیا' بہت سی بری باتوں سے منع فرمایا اور دور رسالت کی اسلامی ادبیات میں ہندوستان کی قوموں کے یہاں کی چیزوں کے اور اس ملک کی باتوں کے تذکرے آئے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ صحابہ کرام کے اشعار میں ان کا تذکرہ آیا۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

سابق میں یمن و نجران میں دعوت اسلام کی تفصیلات مذکور ہو چکی ہیں۔ عرب کے دیگر ساحلی علاقوں میں بھی عہد رسالت میں دعوت و تبلیغ اسلام کا کام ہوا۔ اس سلسلہ میں اطہر مبارکپوری کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

بحرین اور عمان

گزشتہ تصریحات سے معلوم ہو چکا ہے کہ عراق کے شہر ابلہ سے لے کر خلیج عربی کے پورے طفوف و سواحل اور سیف میں ہندوستانیوں کی مختلف جماعتیں مختلف ناموں سے پھیلی ہوئی تھیں اور بحرین و عمان کے تمام علاقے ان سے آباد تھے۔ جن میں خط' قطیف' آرہ' ہجر' بینونہ' زارہ' سابور' دارین' غابہ اور دبا وغیرہ شامل تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ کے آخری حصہ میں عرب کے ان سواحل اور ان کے اطراف کے عوام و خواص کو اسلام کی دعوت کے خطوط روانہ فرمائے جن میں یہاں کے عربوں کی طرح یہاں کے ہندوستانی باشندے بھی مخاطب تھے۔

عمان میں نامہ مبارک کے جانے کا حال حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں حضرت ابو شداد ذماری عمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں ان کی زبانی اس طرح نقل کیا ہے کہ ہمارے پاس عمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ آیا تو کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جو اسے پڑھ کر سنا سکے۔ ہم نے ایک لڑکے کو بلا کر اسے سنا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو شداد سے دریافت کیا کہ اس وقت عمان پر کون حاکم تھا تو انہوں نے بتایا کہ۔

اسوار من اساورة کسری — کسریٰ کے اساورہ میں سے ایک اسوار حکمران تھا

ظاہر ہے کہ عمان کے ایرانی حاکم اسوار کے معین و مددگار' دوسرے اساورہ بھی وہاں تھے۔ جیسا کہ عرب کے ایرانی مقبوضات میں ایرانیوں کی حکومت کا طریقہ تھا۔ معلوم ہو چکا ہے کہ ایران کے اساورہ میں ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ وغیرہ شامل تھے اس لئے عمان کے یہ جاٹ وغیرہ بھی اس نامہ مبارک کے مخاطب رہے ہوں گے۔

وضائع کسریٰ کون تھے؟

بحرین کے مشہور مرکزی مقام ہجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے کسریٰ کے خدام و متوسلین کو دعوت اسلام دی اور اس کے لئے مستقل آدمی یا خط بھیجا۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں۔

بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم الى وضائع كسرىٰ بهجر فلم يسلموا فوضع عليهم الجزية دينار اعلىٰ كل رجل منهم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر میں کسریٰ کے یرغمالوں کے پاس اسلام کی دعوت بھیجی اور جب وہ اسلام نہیں لائے تو ان کے ہر مرد پر ایک دینار سالانہ جزیہ مقرر کر دیا۔

''وضائع کسریٰ'' کون لوگ تھے؟ اور عرب میں ان کی کیا حیثیت تھی؟ اس کے متعلق لسان العرب کا بیان ہے۔

والوضيعة قوم من الجند يوضعون في كورة لا يغزون منها والوضائع والوضيعة قوم كان كسرىٰ ينقلهم من ارضهم فيسكنهم ارضا اخرى حتى يصير وابها وضيعة ابداً وهم الشحن والمسالح قال الازهري والوضيعة الوضائع الذين وضعهم كسرى فهم شبه الرهائن كان يرتهنهم وينزلهم بعض بلاده

وضیعہ وہ سپاہی ہیں جو ضلع میں رکھے جاتے ہیں اور وہ اس سے باہر جنگ نہیں کرتے اور وضائع ایک جماعت تھی جسے کسریٰ اس کے وطن سے منتقل کر کے دوسری جگہ آباد کرتا تھا جہاں وہ ہمیشہ اس خدمت کیلئے مخصوص رہتے۔ وہ فوج اور سپاہی کا کام دیتے تھے۔ ازہری کا قول ہے کہ وضیعہ وہ لوگ ہیں جن کو کسریٰ نے ذلیل کیا تھا وہ یرغمال کے مشابہ تھے جن کو وہ اپنے بعض علاقوں میں آباد کرتا رہتا تھا۔

وضیعہ اور وضائع کے اس مفہوم میں اگرچہ بظاہر کسریٰ کے نوکر چاکر اور بیگار قسم کے سپاہی شامل ہیں مگر ان میں ہندوستان کے جاٹوں اور دوسری جماعتوں کا موجود ہونا بھی قرین قیاس ہے۔ اس لئے وہ دعوت اسلام کے مخاطب رہے ہوں گے۔

قطیف' خط اور دارین

اسی طرح ہجر اور اس کے اطراف کے شہر قطیف اور خط' دارین وغیرہ ہیں ان میں عہد رسالت میں جاٹ اور سیابجہ کی اچھی خاصی آبادی تھی اور آپ کی وفات کے بعد جب ان اطراف میں ارتداد کی وبا پھوٹی تو حطم بن ضبیعہ مرتدین سے الگ بچے کھچے کفار کی جماعت کو لے کر زط اور سیابجہ کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوا۔

حتى نزل القطيف وهجر واستغوى الخط ومن فيها من الزط والسيابجة وبعث الى دارين

حطم نے قطیف اور ہجر میں آ کر مقام خط کے باشندوں کو گمراہ کیا۔ نیز یہاں کے جاٹ اور سیابجہ کو بہکا کر دارین کی طرف بھیجا۔

اس سے ظاہر ہے کہ خط کے پورے علاقے کے وہ ہندوستانی بھی مکتوب نبوی کے

مخاطب تھے جنہوں نے بعد میں حطم بن ضبیعہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔

بحرین پر عہد رسالت میں فارس کی حکومت تھی اور اس کے اطراف و جوانب میں مجوسیوں اور ایرانیوں کی بستیاں تھیں۔ عرب قبائل میں عبدالقیس' بکر بن وائل اور بنو تمیم بدوی زندگی بسر کرتے تھے چونکہ وہاں ان ہی عربوں کی کثرت تھی۔ اس لئے ایرانیوں کی طرف سے وہاں کے حکمران عرب ہی مقرر کیے جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہاں کے عرب حاکم حضرت منذر بن ساوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

ہجر میں دعوتِ اسلام

اسی طرح بحرین کا مرکزی شہر ہجر اس وقت بہت آباد تھا جہاں عربوں کے علاوہ اہل عجم میں یہود و نصاریٰ اور مجوس کی بڑی تعداد آباد تھی۔ عہد رسالت میں یہاں شاہ ایران کی طرف سے حضرت سیبخت مرزبان تھے۔ ہجر کے باشندوں کے لئے تاریخ میں اہل فرس' اہل عجم اور اہل ارض وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں جن میں مجوس' یہود اور نصاریٰ سب شامل ہیں اور ان ہی میں ہندوستان کے زط' سیابجہ اور اساورہ بھی تھے جن پر مجوس کا اطلاق ہوتا تھا کیونکہ عرب میں ہندوستانی باشندوں کو مجوس میں شمار کیا جاتا ہے اس لئے ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی معاملہ کیا ہوگا جو عام مجوس ہجر وغیرہ کے ساتھ فرمایا۔

بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن عبداللہ بن عماد حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین اور ہجر میں اسلام کا داعی بنا کر روانہ فرمایا اور ان کے ذریعہ منذر بن ساوی حاکم بحرین اور سیبخت مرزبان ہجر کو خطوط روانہ کئے جن میں اسلام کی دعوت تھی اور اس دعوت پر انہوں نے لبیک کہا۔

فاسلما واسلم معهما جميع العرب هناك وبعض العجم فاما اهل الارض من المجوس واليهود والنصارىٰ فانهم صالحوا العلاء۔

یہ دونوں حاکم اسلام لائے اور ان کے ساتھ وہاں کے تمام عرب باشندے اور کچھ عجمی اسلام لائے مگر وہاں کے آباد مجوس' یہود اور نصاریٰ نے اسلام قبول نہیں کیا اور حضرت علاء سے صلح کر لی۔

حضرت علاء حضرمی نے بحرین کے ان غیر مسلموں کیلئے یہ صلح نامہ تحریر فرمایا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

هذا ماصالح عليه العلاء الحضرمي اهل البحرين صالحهم على ان يكفونا العمل ويقاسمونا التمر فمن لم يف بهذا فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين واما جزية الرؤوس فانه اخذ لها من كل حالم ديناراً۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس صلح نامہ کے مطابق علاء حضرمی نے اہل بحرین سے صلح کی اور یہ شرط قرار پائی کہ وہ کھجور کے باغات میں خود کام کریں گے اور کھجور میں ہمارا حصہ بھی لگائیں گے جو اس شرط کو پورا نہیں کرے گا اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو اور جزیہ کا حساب یہ ہے کہ ہر بالغ مرد سے ایک دینار لیا جائے گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے مسلمانوں کے نام یہ مکتوب روانہ فرمایا۔

اما بعد فانكم اذا اقمتم الصلوة واتيتم الزكوٰة ونصحتم لله ورسوله واتيتم عشر النخل ونصف عشر الحب ولم يمجسوا اولادكم فلكم ما اسلمتم عليه غير ان بيت النار لله و رسوله و ان ابيتم فعليكم الجزية۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد اگر تم لوگ نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ ادا کرو گے اور اللہ و رسول کی خیر خواہی کرو گے اور کھجوروں کا عشر اور غلہ کا نصف عشر دو گے اور اپنی اولاد کو مجوس نہیں بناؤ گے تو جس حالت میں مسلمان ہوئے ہو اس کے تمام حقوق تم کو حاصل رہیں گے البتہ آتش کدہ اللہ و رسول کے تصرف میں ہوگا اور اگر تم ان شرائط کا انکار کرو گے تو پھر تم پر جزیہ لازم ہوگا۔

اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بحرین میں جنگ اور قتال کی نوبت نہیں آئی بلکہ بہت سے باشندوں نے جن میں عربی قبائل زیادہ تھے برضا رغبت اسلام قبول کرلیا اور کچھ لوگوں نے جن میں زیادہ تر عجم کے مجوسی اور کچھ یہودی تھے اسلام قبول کرنے کے بجائے حضرت علاء حضرمی سے غلہ اور کھجور کی نصف پیداوار کی تقسیم پر صلح کرلی۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء حضرمی کو بحرین اور

ہجر میں ۸ھ میں روانہ فرمایا تھا۔ جب آپ نے اطراف و جوانب کے بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام اسلام کے دعوت نامے روانہ فرمائے تھے۔

مقام ہجر کا معاملہ بحرین سے کچھ مختلف رہا۔ یہاں مجوسیوں کی آبادی زیادہ تھی جب یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسلام کی دعوت آئی تو یہاں کے عربوں نے بھی عام طور سے اسلام قبول کرلیا مگر مجوسیوں اور یہودیوں نے یہاں بھی اسلام کے مقابلہ میں جزیہ دینا قبول کرلیا۔

ودعا اهل هجر فكانوا بين راض وكاره اما العرب فاسلموا واما المجوس واليهود فرضوا بالجزية فاخذت منهم

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہجر کو اسلام کی دعوت دی جسے کچھ لوگوں نے پسند کیا اور کچھ نے پسند نہیں کیا۔ عرب تو مسلمان ہو گئے مگر مجوس اور یہود جزیہ ادا کرنے پر راضی ہوئے اور ان سے جزیہ وصول کیا گیا۔

بحرین اور ہجر سے جزیہ کی جو پہلی قسط آپ کی خدمت میں آئی تھی اس کی تعداد اسی ہزار تھی۔ آپ کی زندگی میں باہر سے اتنی کثیر آمدنی اس سے پہلے ہوئی نہ اس کے بعد۔

(عرب و ہند عہد رسالت میں)

عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں برصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام

یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہو چکا تھا۔ عہد صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں اس میں یک گونہ تیزی آئی۔ یہاں ہم ان روایات و واقعات کا جائزہ لیں گے جو اس بات کو پایۂ تحقیق تک پہنچاتی ہیں کہ جس طرح عرب میں آباد ہندی اقوام جیسے جاٹ وغیرہ میں اسلام بہت زیادہ مقبول ہوا تھا اور ان کی اکثریت اس کے دامن رحمت سے وابستہ ہو گئی تھی۔ اسی طرح برصغیر پاک و ہند میں بھی پہلی صدی ہجری کے ابتدائی عشروں میں اسلام ایک دین رحمت کے طور پر متعارف ہو چکا تھا۔ چنانچہ یہاں کے عوام و خواص نے اسلام اور رسول

جب سے پتہ چلا سراندیپ کے لوگ اسلام سے [illegible] اسلام تو
واسلام کی خدمت میں ایک وفد بھیجا۔ بزرگ بن شہریار ناخدا نے لکھا ہے۔

وكان اهل سرانديب وما والاها
لما بلغهم خروج النبي صلى الله
عليه وآله وسلم فارسلوا رجلا
فهما منهم وامروه ان يسير اليه
فيعرف امره وما يدعوا اليه فعاقت
الرجل عوائق و وصل الى المدينة
بعد ان قبض رسول الله صلى الله
عليه وآله وسلم و توفي ابوبكر
ووجد القائم بالامر عمر بن
خطاب رضي الله تعالى عنه فسأله
عن امر النبي صلى الله عليه وآله
وسلم فشرح له وبين ·

سراندیپ اور اس کے گردونواح سے لوگوں کو
جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان
نبوت کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے ایک
صاحب فہم شخص کو مدینہ بھیجا اور اسے کہا کہ وہ
آپ کے پاس جائے اور آپ کے حالات اور
جس چیز کی آپ دعوت دیتے ہیں اس کی تحقیق
کرے۔ لیکن اس آدمی کو راستے میں بہت
مشکلات پیش آ گئیں۔ جب وہ مدینہ پہنچا تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال فرما چکے
تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ بھی فوت
ہو چکے تھے۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی
عنہ کو اس وقت خلیفہ پایا چنانچہ آپ سے نبی
پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے
بارے میں دریافت کیا۔ پس انہوں نے
خوب کھول کر اور واضح کر کے خوب اسلام [illegible]

[illegible] حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور بحرین
میں منذر بن ساوی عبدی کے پاس حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط دے کر
روانہ فرمایا۔ یہ تمام علاقے برصغیر کے سامنے واقع ہیں۔ ان علاقوں میں صدیوں سے
ہندوستان کے لوگوں کا آنا جانا تاریخ سے ثابت ہے جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے
لہٰذا یہ خیال کہ برصغیر کے بالکل سامنے کے علاقوں کے نور اسلام سے منور ہو جانے کے باوجود
برصغیر کے لوگ اس سے بے بہرہ رہے۔ ایک امر مستبعد ہے لیکن ہمارے پاس کوئی ایسی مستند
روایت نہیں ہے کہ کوئی صحابی عرب کے مشرقی سواحل سے آگے سمندر پار کے ہندوستانی
ساحلوں تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعوتی خط لے کر گیا ہو البتہ اس کے آٹھ نو سال بعد
صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہندوستان جانے کی باقاعدہ مستند روایت موجود
ہے۔ وصال نبوی کے صرف چار سال بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور
خلافت کے ابتدائی سالوں میں جب مشہور صحابی رسول اور سالار اسلام حضرت عثمان بن ابی
العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین کا حاکم بنایا گیا تو انہوں نے برصغیر پر تین طرف سے
چڑھائی کی اور وہاں کی مشہور بندرگاہوں کو فتح کیا۔ یہ بات پہلے تفصیل سے بیان ہو چکی ہے
کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب سے زیادہ حرص اس بات کی ہوا کرتی تھی کہ لوگ برضا و
رغبت اسلام میں داخل ہو جائیں چنانچہ آپ جب بھی کوئی لشکر روانہ فرماتے تو انہیں بطور
خاص حکم فرماتے کہ پہلے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ قبول کر لیں تو ان سے تعرض نہ
کرنا۔ اگر قبول نہ کریں تو انہیں صلح کی طرف لانا۔ اگر وہ اس طرف بھی نہ آئیں تو پھر ان

[illegible] جاری تھی۔ چنانچہ ۱۵

اس حملے کے اسباب کیا تھے۔ پچھلے صفحات میں اشارۃً بیان ہو چکا ہے کہ اسلام کی روشنی بالکل ابتدائی دور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ میں ہی برصغیر تک پہنچ گئی تھی جس کے یہاں مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات مرتب ہوئے۔ مثبت اثرات تو یہ تھے کہ بہت سے لوگوں نے اسلام میں دلچسپی لینی شروع کی۔ کچھ باقاعدہ مسلمان ہو گئے اور کچھ نے اپنی زندگیوں میں اصلاحی تبدیلیاں پیدا کیں۔ جبکہ منفی اثرات یہ تھے کہ یہاں کے حکمران طبقے نے اور مذہبی اجارہ دار برہمن نے اسلام کو اپنے لیے ایک بہت بڑا خطرہ سمجھا اور اس کے خلاف مخاصمانہ کارروائیاں شروع کر دیں۔ انہی کارروائیوں کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ عرب تاجر جو کہ زیادہ تر مسلمان تھے۔ ان کے جہازوں پر سمندری ڈاکوؤں سے حملے کرواتے اور انہیں لوٹ لیتے۔ مسلمان حکمرانوں کے پاس اس بات کے بہت سے شواہد جمع ہو چکے تھے کہ ان بحری قزاقوں کو ہندوستان کے حکمرانوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ خاص طور پر ہندوستان کے بعض ساحلی علاقوں کا کردار اس معاملے میں خطرناک حد تک بڑھا ہوا تھا۔ ان ساحلی علاقوں پر حملہ ناگزیر ہو چکا تھا چنانچہ جب حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمان اور بحرین کی گورنری پر فائز ہوئے تو انہوں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ ہندوستان کی وہ بندرگاہیں جہاں سے یہ سمندری ڈاکو نکل کر کھلے پانیوں میں عرب تاجروں کے جہازوں کو گھیر کر لوٹ لیتے ہیں۔ ان پر حملہ کر کے بحری قزاقوں کا زور توڑنا ضروری ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپ نے فدائیان اسلام کی ایک فوج تیار کی اور سمندری راستے سے برصغیر پر حملہ آور ہوئے۔ آپ نے تھانہ، بھڑوچ اور دیبل پر حملے کرائے اور انہیں فتح کیا۔ پہلا حملہ آپ کے بھائی حضرت حکم بن ابوالعاص ثقفی کی قیادت میں تھانہ پر ہوا۔ یہ اس دور کی اہم ہندوستانی بندرگاہ تھی۔ موجودہ جغرافیہ کی رو سے بمبئی کے قریب واقع تھی دوسرا حملہ حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی قیادت میں گجرات کاٹھیاواڑ میں واقع بھڑوچ نامی بندرگاہ پر کیا گیا وہاں بھی فتح و کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ تیسرا حملہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بھائی حضرت مغیرہ بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سالاری میں سندھ کی بندرگاہ دیبل پر ہوا۔ یہاں بھی کامیابی نے مسلمانوں کے قدم چومے اور دیبل کا

شہر مفتوح ہوا۔

دوسری طرف مسلمان خشکی کے راستے بھی برصغیر کے کئی مقامات پر حملہ آور ہوئے۔ اس کی وجہ ہندی راجاؤں کی طرف سے مسلسل اسلام دشمن سرگرمیوں کو جاری رکھنا تھا جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ جنگ ذات السلاسل میں سندھی لوگ پاؤں میں زنجیریں باندھ کر مسلمانوں کے خلاف لڑے۔ دشمن اسلام مسیلمہ کذاب کو مسلمانوں کے خلاف ہند و سندھ سے راجاؤں کی فوجی امداد حاصل تھی۔ فتنہ ارتداد میں بھی ہندی لوگ مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار رہے۔ شاہان فارس کے ساتھ ہونے والی جنگوں میں بھی ہند و سندھ نے مسلمانوں کے خلاف بھرپور حصہ لیا۔ جب فارس فتح ہو گیا تو بھی برصغیر کے راجہ اسلامی مقبوضات پر حملہ آور ہوتے رہے چنانچہ مجبوراً مسلمانوں کو برصغیر پر حملہ آور ہونا پڑا۔ یہ حملے خشکی کے راستے کئے گئے تھے۔ مکران، سندھ، سجستان اور بلوچستان کے بہت سے علاقوں پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حملہ آور ہوئے۔ لاہور، بنوں، کوہاٹ اور ملتان پر بھی پہلی صدی ہجری میں اسلامی عساکر کے کامیاب حملوں کی مستند روایات موجود ہیں۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ مستشرقین کا یہ کہنا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بحری سفر نہ کرتے تھے بلکہ وہ جزیرۃ العرب کے ریگزاروں اور پہاڑوں کی حدود سے کبھی باہر نہ نکلے تھے۔ یہ ایک کھلا جھوٹ اور ایک بدیہی حقیقت کا صریح انکار ہے۔ عرب کا ملک تین اطراف سے سمندر میں گھرا ہوا تھا۔ عرب لوگ مال تجارت لے کر مشرق میں چین تک اور مغرب میں روم تک جاتے تھے۔ عربوں کی جہاز رانی اور عربوں کے بحری اسفار ایک مسلمہ تاریخی امر ہیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عرب ہونے کے باوصف بحری سفر پر نہ نکلنا اور پہاڑوں اور ریگستانوں ہی میں مقید رہنا ناقابل فہم بات ہے۔ نہ ہی اسلام ایسا دین ہے کہ جس نے اپنے ماننے والوں کو بحری سفر سے منع فرمایا ہو یا مسلمانوں کو صرف عرب کے ریگزاروں اور پہاڑیوں میں مقید رہنے کی تعلیم دی ہو۔ سابق میں لسان العرب کے حوالے سے ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے کہ سمندر میں سمندری سفر کی تکلیف سے بے ہوش ہونے والے کو شہید کا

تصوم شهرا فماتت قبل ان تصوم	
فاتت اختها النبی صلى الله عليه وآله وسلم فقال صومی عنها۔	روزے رکھنے سے پہلے مر گئی اس کی بہن (دریافت مسئلہ کیلئے) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے روزے رکھ۔

صحیح مسلم میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید فروخت کی حرمت کے بارے میں اعلان فرمایا تو لوگوں نے عرض کی مردار کی چربی کے بارے میں کیا حکم ہے کہ اسے کشتیوں، چمڑوں اور چراغوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فرمایا: وہ بھی حرام ہے۔

اسی طرح حضرت حسن بصری نے حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يتجرون فى البحر	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سمندر کے راستے تجارت کیا کرتے تھے۔

✓

باب پنجم

برصغیر پاک و ہند میں تشریف لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

یوں تو برصغیر پاک و ہند میں تشریف لانے والے صحابہ کرام کی تعداد ہماری کتاب میں شامل صحابہ کرام سے کہیں زیادہ ہے مگر ہم نے فقط ان اصحاب کرمین کا ذکر خیر کتاب میں شامل کیا ہے جن کے بارے میں ہمیں مستند حوالوں سے معلومات حاصل ہو سکیں۔

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ

بلاد ہند میں معرکہ آرائی کرنے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک بڑا نام حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی کا ہے۔ نوجوانی میں اسلام لائے۔ فضلائے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ علم و فضل، تقویٰ و طہارت، نیکی، پرہیزگاری اور کردار کی عظمت جیسے اوصاف کی وجہ سے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کے قبیلے کا امام اور امیر مقرر فرمایا، اگرچہ آپ اپنے قبیلے کے وفد کے لوگوں میں کم عمر تھے۔ دین کا درد اور علم دین کے حصول کا شوق آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ کو بہت زیادہ مدت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہنے کا موقع میسر نہ آیا مگر پھر بھی آپ کا نام رواۃ حدیث کے سعادت مند گروہ میں شامل ہے۔ آپ سے ۲۹ مرویات منقول ہیں۔ حضرت سعید بن

مسیب، حضرت نافع بن جبیر، امام ابن سیرین اور حضرت موسیٰ بن طلحہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے بڑے بڑے تابعی بزرگ ان کے راویوں میں شامل ہیں۔ حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمۃ آپ کے بڑے مداح اور عقیدت مند تھے۔ وہ آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فضل و کمال میں اپنی مثال آپ ہیں۔ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتے تھے۔ اس قبیلے کا مسکن طائف کا شہر تھا جو اپنی سرسبزی و شادابی میں پورے عرب میں ثانی نہ رکھتا تھا۔ بنو ثقیف نہایت درشت مزاج لوگ تھے۔ ہجرت سے پہلے نبوت کے دسویں سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی طرف اپنا مشہور تبلیغی سفر فرمایا تھا جو تاریخ اسلام میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفر طائف کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر اس قبیلہ کے تین بڑے سرداروں کو دعوتِ اسلام دی مگر انہوں نے آپ سے نہایت برا سلوک کیا۔ طائف والوں نے آپ پر اتنی سنگ باری کی کہ آپ زخموں سے چور ہو کر بالآخر ایک باغ میں پناہ گزیں ہوئے۔ ۸ھ میں مسلمانوں نے طائف والوں کا محاصرہ کیا۔ انہوں نے شدید مزاحمت کی، تیر اور پتھر برسائے، بہت سے مسلمان زخمی اور شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ یہی لوگ ۹ھ میں خود بخود شوکتِ اسلام کے سامنے جھک گئے اور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس وفد کے ساتھ تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں طائف والوں کا امام اور امیر مقرر فرمایا۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی آپ طائف کے امیر رہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی ابتدا میں فتنہ ارتداد پورے زور و شور سے اٹھا۔ سارا عرب اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ کئی بدوی قبائل مرتد ہو گئے۔

تاریخِ اسلام کے اس نازک موڑ پر مہاجرین و انصار اور دیگر کبار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قدم بقدم حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہ صرف خود اسلام پر ثابت قدم رہے بلکہ اپنی قوم کو جمع کر کے ایک ولولہ انگیز خطاب فرمایا۔ اسلام کے فضائل اور برکات

فرمائیں' جاہلیت کی نحوستوں کا ذکر کیا' ایمان کی قدر و قیمت پر روشنی ڈالی۔ بنو ثقیف کے تادیر ایمان سے محروم رہنے کی حسرتناک یاد کو تازہ کیا اور فرمایا کہ اب ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ جاہلوں اور منافقوں کی طرح ہم اسلام سے پھر جائیں۔ آپ کے اس اثر آفریں خطاب کا اثر یہ ہوا کہ اس نازک وقت میں آپ کی قوم کے قدم نہ ڈگمگائے اور وہ ارتداد کی دہرنا کیوں سے محفوظ رہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریر آرائے مسند خلافت ہوئے تو آپ نے حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طائف کی امارت پر بحال رکھا۔ ۱۴ھ میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر بصرہ کا شہر آباد ہوا۔ اطراف و اکناف سے مختلف مزاجوں' مختلف قوموں اور مختلف قبیلوں کے لوگ وہاں آ کر آباد ہوئے۔ ان سب لوگوں کو خیر کے ساتھ چلانے' دین پر قائم رکھنے اور اسلام کی خدمات سرانجام دینے کے لیے تیار کرنے کی خاطر ایک صاحب علم و فضل اور پختہ نظر و باتدبیر معلم کی ضرورت تھی۔ خلیفہ ارشد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مردم شناس نگاہ نے اس عظیم ذمہ داری کے لیے حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب فرمایا۔ چنانچہ دربار خلافت کے حکم پر حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ تشریف لے گئے۔ آپ کی قابلیت' اہلیت اور اعلیٰ اسلامی خدمات کے باعث ایک سال بعد مرکزِ خلافت کی طرف سے آپ کو بحرین اور عمان کی امارت سونپ دی گئی۔

حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمان کو اپنا مرکز بنایا اور بحرین میں اپنے بھائی حکم بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے نائب کے طور پر چھوڑا۔ عمان اور بحرین کی گورنری کے دوران آپ نے ہندوستان پر تین بڑے حملے کیے۔

ہندی راجاؤں تک اسلام کا پیغام پہنچ چکا تھا۔ اس کا سبب ہند کے وہ لوگ تھے جو عرب آتے جاتے تھے۔ نیز عرب تاجر بھی جہاں جاتے' اپنے دین کے پیغام کو عام کرتے جبکہ بہت سے گمنام مبلغین جن میں صحابی بھی تھے اور غیر صحابی بھی' عرب سے باہر دیگر ممالک میں جن میں ہندوستان بھی شامل تھا' تبلیغ دین کے لیے جاتے رہتے تھے اور لوگوں کو راہ حق کی طرف بلاتے تھے۔ ہند کے راجے مہاراجے اور مذہبی پیشوا اسلام کو اپنے اقتدار کے لیے ایک عظیم خطرہ

تصور کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اسلام کو گزند پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ جنگ یمامہ میں انہوں نے اپنے لوگ بھیجے اور مرتدین کا ساتھ دیا۔ ایران کے خلاف اسلام کی ترک و تاز میں وہ اسلام کی مخالفت میں ایرانی افواج کے ساتھ رہے۔ نیز سمندری پٹنوں میں مسلمانوں کے آتے جاتے بحری بیڑوں کو بحری قزاقوں کے روپ میں اپنے گرگوں کے ذریعے سخت نقصان پہنچاتے رہے۔

حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ اسلامی قلمرو میں ہندوستان کے نزدیک ترین علاقوں میں سے ایک کے گورنر تھے۔ لہٰذا ان حالات کا آپ کی نگاہ میں آنا اور ان کے سدباب کے لیے آپ کا کوئی تدبیر کرنا ایک لابدی امر تھا۔

حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ عرصہ بعد ایک بحری بیڑا جنگی مقاصد کے لیے تیار کیا اور مجاہدین اسلام کا ایک لشکر اس بیڑے پر ہندوستان پر حملے کے لیے روانہ کیا۔ یہ بیڑا تھانہ نامی شہر پر حملہ آور ہوا اور اسے فتح کر لیا۔ یہ شہر گجرات اور کوکن بمبئی کی سرحد پر واقع تھا اور ہندوستان کی مشہور بندرگاہ تھا۔ اس حملے کا مقصد بحری قزاقوں کو ختم کرنا' ہندوستان کے حالات معلوم کرنا اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کے بابرکت پیغام سے روشناس کروانا تھا۔ اس لیے مجاہدین اسلام نے وہاں زیادہ دیر اپنا قبضہ برقرار نہ رکھا۔ البتہ یہ لشکر کشی دعوت و تبلیغ اسلام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ثابت ہوئی۔ جس کے دور رس نتائج آنے والے وقت میں ظاہر ہوئے۔ ہندیوں پر اسلام کی شوکت آشکار ہوئی۔ انہیں اسلام اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے اور ان سے متعارف و متاثر ہونے کا ایک اچھا موقع میسر آیا۔ مؤرخین کے مطابق ہندوستان پر مسلمانوں کا یہ پہلا حملہ ہے۔ فتح مند لشکر اللہ رب العزت کی مدد و نصرت کے سائے میں غنائم سے بھرے جہاز لیے واپس لوٹا۔

مرکزِ خلافت کو جب اس لشکر کشی کی اطلاع کی گئی تو خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس امر کو پسند نہ فرمایا اور حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تہدید آمیز خط لکھا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک مسلمان عساکر کو بحری لشکر کشی کا کوئی زیادہ تجربہ اور مہارت حاصل نہ تھی۔ نیز دنیا کی دو بڑی طاقتوں قیصر و کسریٰ کے ساتھ

مسلمانوں کی جنگیں مسلسل جاری تھیں۔ ان حالات میں امیر المومنین یہ پسند نہ فرماتے تھے کہ ایک تیسرے بڑے کافر ملک کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شروع کر کے مجاہدین کے لیے مشکلات پیدا کی جائیں لیکن حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہندوستان پر لشکر کشی کا سلسلہ جاری رکھا اور بعد میں دو بڑی مہمیں روانہ فرمائیں جن میں سے ایک کی قیادت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت مغیرہ نے کی اور دوسری کی سالاری بھی آپ کے دوسرے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشہور ہندوستانی بندرگاہ دیبل کو تاراج کیا اور ایک روایت کے مطابق وہیں شہادت پائی جبکہ حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھڑوچ کو مسخر کیا اور فتح و کامرانی کے پھریرے لہراتے واپس ہوئے۔ مرکزِ خلافت کی طرف سے بعد میں ان حملوں پر کسی قسم کی ناراضگی یا ناپسندیدگی کے اظہار کے بارے میں روایات خاموش ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے کی گئی اس لشکر کشی کے بعد میں قائل ہو گئے تھے اور باقی مہمیں آپ کی رضامندی ہی سے بھیجی گئی تھیں۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی امیر المومنین کے اظہارِ ناپسندیدگی کے بعد پھر وہی کام کرتے۔ یقیناً انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قائل کر لیا ہوگا اور بعد والی مہمیں ان کی اجازت سے بھیجی ہوں گی۔

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عسکری صلاحیتوں میں بڑے فائق تھے۔ آپ ایک قابل جرنیل اور کہنہ مشق سپہ سالار تھے۔ ۲۱ھ میں جب خلیفہ راشد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایرانیوں کی بڑھتی ہوئی شورشوں کو دیکھتے ہوئے ایران پر عام لشکر کشی کا ارادہ فرمایا تو حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ کو مختلف ایرانی علاقوں کی تسخیر کے لیے بھیجے جانے والے لشکروں میں سے ایک بڑے لشکر کا سپہ سالار آپ کو مقرر فرمایا۔ آپ کے سپرد اصطخر کو فتح کرنا تھا جو فارس کے اہم شہروں میں سے ایک تھا۔ ایران پر لشکر کشی کے دوران آپ ایک مثالی سپہ سالار کے طور پر سامنے آئے۔ اہلِ فارس آپ کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑی تعداد میں توج میں جمع تھے۔ آپ جزیرہ ابرکاوان فتح کرنے کے

بعد توج پر حملہ آور ہوئے۔ ایرانی اپنی تمام تر تیاریوں کے باوجود مسلمان سپاہ کا مقابلہ نہ کر سکے اور شکست کھا گئے۔ فتح کے بعد حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند عرصہ توج میں قیام کیا۔ وہاں مساجد تعمیر کیں اور بہت سے عرب قبائل کو وہاں آباد کیا۔ بعد میں آپ نے اسلامی عساکر کو مختلف علاقوں میں پھیلا دیا۔ بہت جلد آپ کی فوجی حکمت کاری کے باعث اردشیر اور اصطخر جیسے اہم شہر مفتوح ہو گئے۔ فارس کا گورنر شہرک ایک بڑے لشکر کے ساتھ آپ کے مقابلے پر آیا۔ آپ نے اپنے بھائی حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے مقابلے پر بھیجا۔ شہرک نے شکست کھائی اور اسی معرکے میں مارا گیا۔ اس جنگ میں ریشہر فتح ہوا۔ کچھ عرصہ بعد قلعہ شیر بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ جرہ، کازرون، نوبندجان اور ان کے نواحی علاقوں پر خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حملہ کیا اور انہیں فتح کر لیا۔ اس دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی مدد کے لیے بصرہ سے امدادی دستے روانہ کرنے شروع کیے اور بعد میں خود ایک بڑی فوج لے کر آپ کے ساتھ شامل ہوئے۔ دونوں لشکروں نے مل کر بہت سے اہم علاقوں پر قبضہ کیا۔ ۲۳ھ میں آپ نے فارس کے دارالحکومت سابور پر چڑھائی کر دی۔ وہاں فارس کے سابق گورنر شہرک کا بھائی حکمران تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صلح کا پیغام بھیجا۔ یوں سابور بغیر لڑائی کے فتح ہو گیا۔ اس طرح فارس کا تمام علاقہ کہیں صلح اور کہیں جنگ کے ذریعے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر فتح ہو گیا۔

فتح فارس کے قریب قریب ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا۔ ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے۔ خلافتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آغاز ہی میں سابور والوں نے بغاوت کر دی۔ ۲۶ھ میں حضرت عثمان بن ابی العاص اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مل کر ایک زوردار حملہ کیا اور سابور کو دوبارہ فتح کیا۔ انہی ایام میں اہلِ اصطخر بھی باغی ہو گئے۔ ۲۷ھ میں حضرت عثمان ثقفی نے اصطخر پر فوج کشی کی اور اسے دوبارہ اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا۔ خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ اس کامیابی پر اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارہ ہزار جریب زمین بطور انعام عطا فرمائی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کے بیان کے مطابق حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۵۵ھ کے لگ بھگ وصال فرمایا۔

حضرت حکم بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حکم بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنوثقیف کے مشہور جرنیل صحابی حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی تھے۔ ان کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا اور خدمتِ اسلام میں تاحیات ان کے شریکِ کار رہے۔ آپ کی عسکری صلاحیتیں خداداد تھیں۔ امورِ مملکت کی تدبیر میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ علم و عمل کے پیکر اور اسلام کے فدائی تھے۔ دین کی تبلیغ و اشاعت سے خصوصی لگاؤ تھا۔ آپ کی زندگی کے بارے میں جو واقعات روایات میں محفوظ ہیں' ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی حیاتِ مستعار کا لحہ لحہ اسلام کے لیے وقف تھا۔ فتح ایران میں آپ کی جنگی کارروائیاں تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہیں۔ ہندوستان پر حملہ کرنے والے جلیل القدر صحابہ میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ کے برادرِ معظم حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمان اور بحرین کا والی بنایا تو انہوں نے حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود عمان میں قیام فرمایا۔

جب ہندی راجوں' مہاراجوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے بحری کارروائیاں کرنا شروع کیں اور بحری قزاقوں کے روپ میں اپنے پالتو گرگوں کے ذریعے مسلمانوں کے جہازوں کو لوٹنا شروع کر دیا تو حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے ہندوستان کی اہم بندرگاہوں پر حملہ کر کے ہندیوں کے زور کو توڑنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اس سلسلہ کی ایک مہم کی سربراہی حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد فرمائی۔ آپ کی قیادت میں اسلامی لشکر کا بحری بیڑا بھڑوچ پر حملہ آور ہوا اور سرخرو ہو کے واپس آیا۔ تھانہ کی بندرگاہ بھی آپ نے مسخر فرمائی اور مالِ غنیمت کے ساتھ فتح کے علم لہراتے واپس ہوئے۔ دیبل اور

مکران پر ہونے والے حملوں میں بھی آپ شریک رہے۔

۲۱ھ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایران پر وسیع پیمانے پر فوجی کارروائی کرنے کا ارادہ فرمایا۔ جن بڑے بڑے سپہ سالاروں کے سپرد آپ نے مختلف لشکروں کی سربراہی سونپی' ان میں حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بھائی مشہور صحابی رسول حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ ایران پر حملوں میں آپ نے اپنی عسکری صلاحیتوں کا خوب مظاہرہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق جزیرہ ابرکاوان اور توج آپ کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ اس زمانے میں فارس کا گورنر شہرک نام کا ایک ایرانی سردار تھا۔ وہ بڑا جنگجو اور قابل جرنیل تھا۔ اس نے مسلمانوں کے حملے روکنے کے لیے ایک بڑی فوج جمع کی اور راشہر میں پڑاؤ کیا۔ شہرک کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ ان کے ساتھ حضرت سوار بن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ شہرک کے ساتھ بڑی سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ ایرانی فوج اس کی قیادت میں بڑی پامردی سے لڑی۔ شہرک کا اعلان تھا کہ جو پیچھے ہٹا' اس کا سر قلم کر دیا جائے گا مگر ایرانی فوج اپنی شہرۂ آفاق بہادری اور شہرک جیسے جنگجو جرنیل کی قیادت کے باوجود مسلمانوں کے جوش و جذبے کا مقابلہ نہ کر سکی۔ حضرت حکم بن ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں بپھری ہوئی مسلمان فوج ایرانیوں کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ اللہ رب العزت کی مدد و نصرت سے مسلمانوں نے فتح و کامرانی حاصل کی۔ ایرانی فوج عبرتناک انجام سے دوچار ہوئی۔ ان کا سردار شہرک میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدرت نے عسکری صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ انتظامی قابلیت سے بھی نوازا تھا۔ آپ کو کئی دفعہ مختلف علاقوں کا والی اور امیر مقرر کیا گیا۔ آپ نے ہمیشہ اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے سرانجام دی۔ آپ کے بھائی حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب بصرہ کے معلم کی ذمہ داری سونپنے کے لیے مدینہ بلایا گیا تو انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر آپ کو اپنی جگہ طائف کا والی مقرر فرمایا۔ بعد میں حضرت عثمان ثقفی رضی

برائی [illegible] کے ایوان [illegible] اور [illegible] کے ساتھ [illegible] کی بنیادیں ہل [illegible] تک کر

برہمن ازم کی بلند و بالا عمارت کو زمین بوس ہونا پڑا۔ آپ کا وہ عمل پر حملہ ہندوستان کے لوگوں

کے لیے ایک نئی صبح کی نوید تھا۔ آپ کی ترک وتاز نے برصغیر میں اسلام کی تبلیغ کے لیے راہیں

کشادہ کر دیں۔ یوں محمد بن قاسم کے حملے سے بہت پہلے ہند و سندھ میں اسلام کی تبلیغ و

اشاعت کی داغ بیل پڑ گئی۔

ہند کے علاوہ آپ نے فارس پر اسلامی عساکر کے حملوں میں بھی شرکت کی۔ آخری عمر

اپنے بھائی حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بصرہ میں بسر کی اور وہیں فوت ہوئے۔

حضرت ربیع بن زیاد مذحجی رضی اللہ عنہ

برصغیر پاک و ہند پر حملہ آور ہونے والے صحابہ کرام میں حضرت ربیع بن زیاد مذحجی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی شامل ہے۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور،

زمانہ صحابی ہیں۔ ان کا تعلق بنو مذحج سے تھا۔ گوری رنگت کے پتلے دبلے کمزور جسم والے تھے

مگر جرأت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھے۔ شوقِ جہاد سے معمور دل رکھتے تھے۔ دشمنان

دین کے لیے جتنے سخت تھے اپنوں کے لیے اتنے ہی نرم تھے۔ انکساری، تواضع، ملنساری اور

خوش اخلاقی کا حسین پیکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور قرونِ اولیٰ کے

مسلمانوں میں آپ کو نہایت عزت و تکریم کا مقام عطا فرمایا تھا۔ آپ کے اطوارِ حیات کس

قدر اعلیٰ تھے اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ خلیفۃ المسلمین

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خراسان [illegible] کے لیے کسی کو امیر منتخب فرمایا تھا۔ آپ نے

[illegible] آپ نے [illegible] مستقل [illegible] اختیار کر لیا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۷ھ میں آپ کو مکران کا امیر مقرر فرمایا۔ اپنی امارت کے دوران آپ نے مکران اور اس کے نواح میں دینِ حق کی ترویج کے لیے بہت سے اقدامات کیے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ آپ نے پورے مکران کو فتح کرنے کے لیے نئے سرے سے جہاد کا آغاز فرمایا۔ اس تگ و تاز میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جلد کامیابی عطا فرمائی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں پورا مکران اسلامی عساکر کے ہاتھوں مفتوح ہو گیا۔ اس زمانے میں وہاں کا حکمران راجہ راسل تھا جو ایرانی بادشاہ کا باجگزار تھا۔ اسے اور اس کی فوج کو زبردست شکست ہوئی۔ مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا جس میں چند ہاتھی بھی شامل تھے۔ حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضرت صحار عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح کی خبر دینے کے لیے بارگاہِ خلافت میں بھیجا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب فتح کی خوشخبری پہنچی تو بہت خوش ہوئے۔ حضرت صحار عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہاں کے حالات کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے وہاں کے حالات کچھ ایسے انداز میں بیان فرمائے کہ امیر المومنین نے اسلامی عساکر کو ہند کے اندرونی علاقوں کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔

حضرت حکم بن عمرو ثعلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہدِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں خراسان کے والی مقرر کیے گئے۔ آپ نے اس ذمہ داری کو بھی بڑے احسن انداز میں نبھایا۔ آپ نے اپنی زندگی دین کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کر دی تھی۔ آپ کا شمار برصغیر پاک و ہند

نظرت سے روشناس ہوئیں۔ دین اسلام کے مبلغین کے لیے برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے راستے کھل گئے۔ آپ بڑے زبردست مدبر تھے۔ زندگی کے مختلف ادوار میں آپ کو کئی علاقوں کی امارت سونپی گئی۔ آپ نے اپنے حسن انتظام سے ان علاقوں کے رہنے والوں کی نہ صرف دنیوی زندگی کی کایا پلٹ دی بلکہ ان کے سامنے دین اسلام کی آفاقی تعلیمات کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا کہ ان میں سے اکثر نے بخوشی اپنے پرانے باطل دین کو چھوڑ کر اسلام کے رحمت بھرے سائے میں پناہ لے لی۔ آپ کی وفات ۵۰ھ بروایتِ دگر ۵۱ھ میں خراسان میں ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری صحابی ہیں۔ انصارِ مدینہ میں ان کو بڑا رتبہ اور مقام حاصل تھا۔ بڑے بہادر و شجاع تھے فنِ حرب کے ماہر اور آزمودہ کار جنگجو تھے۔ زہد و ورع اور تقویٰ و طہارت آپ کے کردار کے نمایاں وصف تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام اور جہاد کے لیے آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں آپ کا نام نامی بھی شامل ہے۔ آپ فتح مکران میں شامل تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کوفے کا گورنر بنایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے شریکِ کار اور معاون تھے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ایران پر عام لشکر کشی کا ارادہ فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ طلب فرمایا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پیچھے کوفے کے گورنر کے طور پر چھوڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ پہنچنے پر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اپنے پیچھے کوفے کا والی کس کو بنایا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔ تو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہوئے اور آپ کے اس فیصلے کو پسند فرمایا۔ بعد میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اصفہان کی امارت کی ذمہ

داری تفویض فرمائی۔ آپ ایک عرصے تک وہاں احسن انداز میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس دوران آپ نے اصفہان میں جہاد کو بھی جاری رکھا۔ اہلِ اصفہان کو آخرکار آپ سے صلح کرنا پڑی۔

آپ نے اپنی عسکری استعداد کو کئی محاذوں پر اسلام کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا۔ فارس کے معرکوں میں بھی شریک ہوئے۔ فارس کے ایک مقام "جی" میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے مابین بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ آخر "جی" والوں نے مسلمانوں سے جزیہ پر صلح کی اور ذمی بن کے رہنا قبول کر لیا۔ صلح کا یہ معاہدہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا۔ یہ واقعہ ۲۳ھ میں پیش آیا۔ اسی سال آپ دربارِ خلافت کے حکم پر برصغیر پاک و ہند میں تشریف فرما ہوئے مکران (بلوچستان) میں اس وقت مشہور صحابیِ رسول حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں اسلامی عساکر کے ساتھ مل کر کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ یہاں تک کہ پورا مکران اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا۔

حضرت سہل بن عدی خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت سہل بن عدی خزرجی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام کے لیے آنے والے صحابہ کرام میں آپ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ انصارِ مدینہ کے سعادت مند گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا قبیلہ بنو خزرج تھا۔ آپ کے دو بھائی حضرت ثابت بن عدی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ حضرت سہل بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدری صحابہ میں سے ہیں۔ یہ تینوں بھائی غزوۂ احد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک تھے۔ صحابہ میں ان کا مقام بڑا ممتاز تھا۔ ان کی مجاہدانہ زندگی اسلام کے لیے وقف تھی۔ مکران کی فتح میں انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر آپ کو مکران کا والی مقرر کیا تھا۔

حضرت صحار بن عباس عبدی رضی اللہ عنہ

حضرت صحار بن عباس عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مایہ ناز صحابہ کرام میں سے ہیں۔ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چند احادیث روایت کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے خطیب اور ادیب تھے۔ علم وفضل میں پورے عرب میں مشہور تھے۔ زہد وعبادت اور خیرات وحسنات میں بلند مقام رکھتے تھے۔ غرض کوئی اسلامی صفت ایسی نہ تھی جو آپ کی ذات کا حصہ نہ ہو۔ فصاحت وبلاغت میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ علم انساب کے ماہر تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کا مطالبہ لے کر اُٹھنے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔ اس سلسلہ میں ان کا مؤقف بڑا سخت تھا۔ جنگِ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے شریک ہوئے۔

برصغیر پاک وہند میں تبلیغی وجہادی سرگرمیوں کے سلسلہ میں آپ بھی تشریف لائے۔ آپ اس لشکر میں شامل تھے جس نے مکران پر حملہ کیا۔ جنگِ مکران میں دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ مل کر دشمنانِ دین کے خلاف کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ فتح مکران کے بعد حضرت حکم بن عمرو ثعلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں مدینہ منورہ فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت خلافت کے منصب پر فائز تھے۔ مکران کی فتح کا مژدہ سن کر بڑے خوش ہوئے اور حضرت صحار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہاں کے حالات پوچھے۔ آپ نے وہاں کے حالات کچھ اس طرح بیان فرمائے کہ امیر المومنین نے مجاہدین کا برصغیر کے اندرونی حصوں کی طرف مزید پیش قدمی کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسلامی عساکر کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

حضرت عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ صحابی بھی برصغیر میں اشاعتِ دین کے لیے تشریف لائے۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنو تمیم سے تھا۔ اپنے قبیلہ میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ بڑے ہی مہربان اور جود وسخا میں شہرت رکھنے والے تھے۔ آپ کا کردار اور اخلاق مثالی تھے۔ آپ نے اپنی زندگی دینِ اسلام کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ بڑے بلند پایہ شاعر تھے۔ جہادی مہموں میں شریک ہونا آپ کی زندگی کا بڑا مشغلہ تھا۔ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قادسیہ کی جنگ میں حصہ لیا اور بڑی بہادری سے لڑے۔ عراق کی فتح پر آپ نے بہت سے اشعار بھی کہے۔

برصغیر پاک وہند میں اشاعتِ دین کے لیے تشریف لائے۔ نواحِ سندھ میں آپ نے مجاہدانہ یلغار کی۔ سجستان کا وہ علاقہ جو سندھ سے ملحق ہے وہاں آپ نے کئی جہادی معرکے سرانجام دیئے اور اس علاقے میں اسلام کی عظمت وکامرانی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عالی مرتبت صحابی ہیں۔ آپ اہلِ مدینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ کے اہلِ علم میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث پاک روایت کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ برصغیر پاک وہند میں تشریف لائے اور اشاعتِ دین فرمائی۔ آپ جنگِ سجستان میں ۲۳ھ کو دورِ خلافت کے حکم پر حضرت عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آن کر شامل ہوئے تھے۔ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آپ نے اس علاقہ میں معرکہ آرائی فرمائی۔ یہاں تک کہ بلادِ سجستان سے لے کر سندھ کے اندرونی حصے تک کا وسیع علاقہ اسلامی قلمرو میں شامل ہو گیا اور برصغیر پاک وہند کے یہ علاقے اسلام کی برکات وحسنات سے متمتع ہونے لگے۔

حضرت عبیداللہ بن معمر تیمی رضی اللہ عنہ

حضرت عبیداللہ بن معمر تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں۔ قریش کے قبیلہ بنو تیم سے ان کا تعلق تھا۔ بعض مؤرخین نے انہیں صغار صحابہ میں شمار کیا ہے جبکہ بعض دیگر کی تحقیق کے مطابق جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال

ہوا تو ان کی عمر اکیس برس تھی۔ حضرت عبداللہ بن معمر تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کے معززین میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث روایت کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ علم و فضل میں بلند مقام رکھتے تھے۔ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ تابعین آپ کے شاگرد تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مجاہد صحابی تھے۔ ساری زندگی اسلام کی ترویج اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف کیے رکھی۔ آپ کے امتیازی اوصاف میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ اشاعتِ اسلام کے لیے برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے۔ اس نواح میں آپ نے اسلام کی سربلندی کے لیے بہت سی جنگوں میں حصہ لیا اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو ایک لشکر دے کر سندھ اور مکران بھیجا تھا۔ آپ ایک عرصے تک ان علاقوں میں جہاد کرتے رہے۔ بعد میں آپ کو مقبوضہ علاقوں کا امیر مقرر کیا گیا۔ سندھ اور مکران کے علاوہ آپ نے خراسان، فارس اور اصطخر کی جنگوں میں حصہ لیا اور خوب دادِ شجاعت دی۔ اصطخر میں ہونے والے حق و باطل کے ایک معرکے کے دوران آپ نے شہادت پائی۔

حضرت عمیر بن عثمان بن سعد رضی اللہ عنہ

حضرت عمیر بن عثمان بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامور صحابہ میں شامل ہیں۔ علم و فضل میں بڑا بلند مقام رکھتے تھے۔ عبادت گزاری میں اللہ کی برہان تھے۔ آپ کی حیات مستعار کا لمحہ لمحہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں صرف ہوا۔ آپ نے دشمنانِ دین کے خلاف کئی محاذوں پر معرکہ آرائی کی۔ آپ کا نام ان عظیم المرتبت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے برصغیر پاک و ہند میں تبلیغ اسلام کے لیے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں آپ کو مکران کی امارت تفویض فرمائی تھی۔ آپ طویل عرصے تک امیر مکران کے منصب پر کام کرتے رہے۔

اس دوران آپ نے مکران سندھ اور دیگر ملحقہ ہندی علاقوں میں اسلام کی روشنی پھیلانے کے لیے دن رات کام کیا۔ مکران، سندھ، بلوچستان اور برصغیر کے دوسرے علاقوں میں اسلام کے پھیلاؤ میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

عہدِ فاروقی میں آپ حمص کی ولایت و خطابت کے منصب پر بھی فائز رہے۔ آپ بہت بڑے فصیح اللسان خطیب تھے۔ آپ کے احکام اسلام کے بارے میں خطبات نہایت اثر انگیز اور متاثر کن ہوتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے بہت خوش تھے اور آپ کی خدمات کو سراہتے تھے۔ آپ نے زندگی کے آخری ایام شام میں گزارے اور وہیں وفات پائی۔

حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ عنہ

حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عظمت و جلالت کے حامل بڑے مشہور صحابی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ ہم نے آپ کی بارگاہ میں ہجرت پر بیعت ہونے کی درخواست پیش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہجرت کا معاملہ تو گزر چکا ہے۔ دونوں بھائیوں نے عرض کی پھر ہم آپ سے کس بات پر بیعت کریں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ پر۔ چنانچہ ہم نے آپ سے بیعت کی۔ دونوں بھائی بیعت لیے ہوئے واقعی اسلام اور جہاد کے نام پر بک گئے اور انہیں کے ہو کے رہ گئے۔ حضرت مجاشع رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور عرب شاعر امراء القیس کی اولاد سے تھے۔ حضرت مجاشع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حدیث روایت کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ بخاری، مسلم اور دیگر کتب حدیث میں آپ کی مرویات موجود ہیں۔

حضرت مجاشع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عظیم المرتبت صحابہ میں سے ایک ہیں جو تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے لیے برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے۔ اس زمانے میں کابل بلادِ ہند میں شمار ہوتا تھا۔ کابل پر حملہ کے وقت آپ عساکرِ اسلامی کے ساتھ تھے اور مجاہدین سے یلے

دستے کی کمان فرما رہے تھے۔ ایک خونریز جنگ کے بعد کابل فتح ہوا۔ وہاں ایک بہت بڑا بت کدہ تھا' آپ اس میں داخل ہوئے اور ایک بڑے بت کو ہاتھ میں پکڑ لیا اور لوگوں سے فرمانے لگے کہ یہ میں نے اس لیے کیا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔ آپ نے موجودہ بلوچستان کے علاقوں میں بھی اسلامی عساکر کے ساتھ جنگوں میں حصہ لیا۔ نیز سجستان کی فتح میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ کابل اور بلاد ہند میں حضرت مجاشع اور دیگر بزرگ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کوششوں سے اسلام کے اصلاحی و تبلیغی کام نے خوب وسعت حاصل کی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ قرشی رضی اللہ عنہ

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بلند پایہ صحابہ میں سے ہیں' قرشی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ صاحب علم و فضل صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ احادیث کی روایت کی سعادت بھی انہیں حاصل ہے۔ بہت سے بزرگ تابعین نے ان کی شاگردی کی۔ آپ کے ممتاز شاگردوں میں حضرت حسن بصری' حضرت محمد بن سیرین' حضرت سعید بن مسیب اور حضرت عمار بن ابی عمار کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

اسلام کی خاطر ہونے والی جنگوں میں بھی آپ نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگِ تبوک میں شریک ہوئے۔ فارس اور عراق کی فتوحات میں آپ کا کردار بڑا اہم رہا۔ آپ نے کابل اور خراسان کی جنگوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو سجستان کا والی مقرر کیا۔ شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک آپ اس منصب پر رہے۔

بلاد ہند پر آپ کے حملے بڑے مشہور ہیں۔ زن آف کچھ کا علاقہ جو گجرات' کاٹھیاواڑ اور راجستھان کے درمیان پڑتا ہے اور دیار ہند میں بڑی اہمیت رکھتا ہے' آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اس کے نواح میں واقع بعد بھی بہت سے علاقوں کو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

فتح کر کے اسلامی مقبوضات میں شامل کیا۔ یوں برصغیر کے یہ تمام علاقے آپ کی ترک و تاز سے اسلام کی برکات و ثمرات سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندگی کے آخری ایام بصرہ میں گزارے اور وہیں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی۔

حضرت خریت بن راشد ناجی سامی رضی اللہ عنہ

حضرت خریت بن راشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عالی مرتبت صحابی ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ زندگی بھر اسلام کی خدمت کے لیے وقف رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں فارس کے ایک علاقے کا امیر مقرر فرمایا۔ وہاں آپ نے اپنی ذمہ داریاں نہایت احسن طریقے سے انجام دیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں آپ مکران تشریف لائے۔ مکران اور برصغیر کے دیگر علاقوں میں آپ نے اشاعت اسلام کے لیے اہم خدمات سرانجام دیں۔

حضرت کلیب ابووائل رضی اللہ عنہ

حضرت کلیب ابووائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرام میں سے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں سیاحت فرمائی اور اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ جس علاقے میں گئے تھے' وہاں ایک درخت دیکھا جس کے ایک سرخ پھول پر سفید رنگ میں "محمد رسول اللہ" لکھا تھا۔

حضرت مہلب بن ابوصفرہ ازدی عتکی رضی اللہ عنہ

حضرت مہلب بن ابوصفرہ ازدی عتکی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں سے تھے۔ یہ قبیلہ ہنواز سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کو صغار صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت بہت کم سن تھے۔ آپ کو اللہ رب العزت نے بہت سے اعزازات و امتیازات عطا فرمائے تھے۔ علم و فضل میں بڑا نام رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ قدرت نے آپ کو عسکری صلاحیتیں بڑی فیاضی سے عطا فرمائی

تھیں۔ انتظامی معاملات میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ایک لمبا عرصہ آپ خراسان کے امیر کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ برصغیر پاک وہند میں تشریف لانے والے صحابہ میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔ ۴۴ھ میں برصغیر پاک وہند میں تشریف لائے۔

سندھ کی جنگوں میں حصہ لیا۔ سندھ کے ایک شہر قندابیل میں دشمن کو شکست دی۔ آپ نے ملتان کی طرف بھی پیش قدمی کی اور کئی علاقوں پر فتح کے علم لہرائے۔ حضرت مہلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۸۲ھ میں ایران کے شہر مرو میں فوت ہوئے۔

حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ

حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بلند مرتبہ صحابی تھے۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنو ہذیل سے تھا۔ آپ کا نام خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رکھا تھا۔ آپ علم وفضل میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ نظم ونسق اور تدبیر مملکت میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی۔ حضرت سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے برصغیر پاک وہند کو اپنے بابرکت قدموں سے شرف بخشا۔

آپ ۴۲ھ میں مکران کے والی بنے۔ آپ سے پہلے حضرت راشد بن عمرو الجدیدی وہاں کے حاکم تھے۔ انہوں نے اسی سال حق وباطل کے ایک معرکے میں شہادت پائی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور حکومت تھا۔ انہوں نے حضرت سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکران کا نیا امیر مقرر کیا۔ حضرت سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکران میں بہت سی اصلاحات فرمائیں۔ جس سے وہاں اسلام کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ اور اسلام کی اشاعت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ حضرت سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس علاقے میں کفار ومشرکین سے بہت سے معرکے ہوئے جس سے اس نواح میں اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔

حضرت منذر بن الجارود عبدی رضی اللہ عنہ

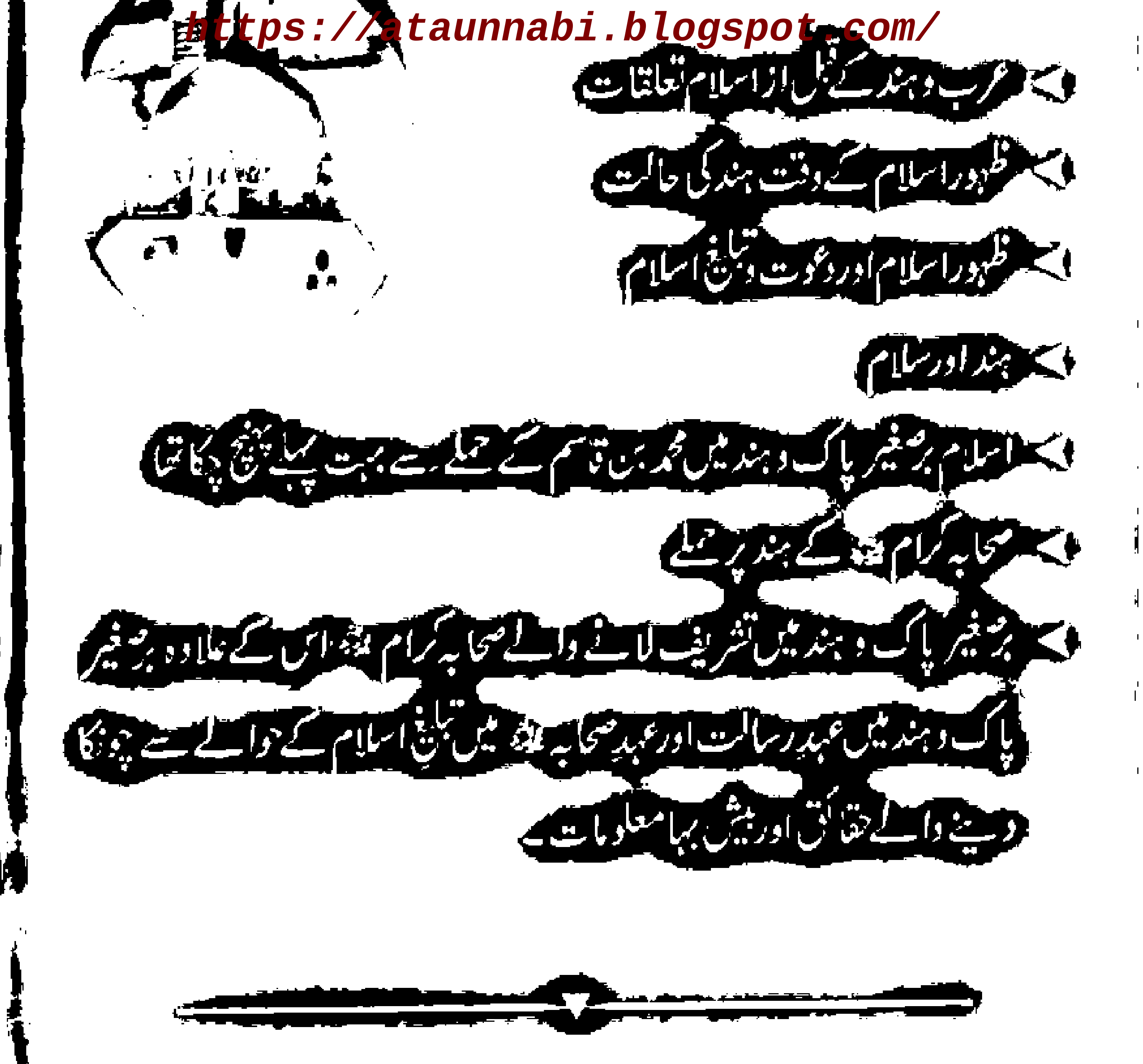
حضرت منذر بن الجارود عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عظیم المرتبت صحابی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت وثروت کی فراوانی عطا فرمائی تھی۔ آپ جود وسخا میں بہت زیادہ

شہرت رکھتے تھے۔ بڑے ملنسار، ہمدرد اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ان کے ساتھ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اصطخر کا والی مقرر کیا تھا۔ ۶۰ھ میں اسلامی سپاہ کے ساتھ برصغیر پاک وہند میں تشریف لائے۔ بوقان، قلات اور خضدار کی جنگوں میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ سندھ کے مفتوحہ علاقوں کے گورنر بھی رہے۔ قریباً ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

☆☆☆

کتابیات

۱- القرآن الکریم
۲- صحاح ستہ ودیگر کتب احادیث وسیر
۳- الکامل از ابن اثیر
۴- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب از حافظ ابن عبدالبر
۵- الاصابۃ فی تمییز الصحابہ از حافظ ابن حجر عسقلانی
۶- دلائل النبوۃ از ابونعیم
۷- مدارج النبوۃ از مولانا عبدالرحمن جامی
۸- الحلیہ از ابونعیم
۹- تاریخ طبری از امام طبری
۱۰- الدرۃ المضیہ از علامہ سفارینی
۱۱- عقیدہ سفارینی از علامہ سفارینی
۱۲- الرحمۃ الندیہ شرح العقیدۃ الواسطیہ از ابن تیمیہ
۱۳- علوم الحدیث از ابن صلاح
۱۴- مسایرہ از ابن الہمام
۱۵- کتاب الازمنۃ والامکنۃ از علامہ ابوعلی مرزوقی
۱۶- المسالک والممالک از ابن خردازبہ
۱۷- فتوح البلدان از علامہ بلاذری
۱۸- سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان از میر آزاد بلگرامی
۱۹- تحقیق ماللہند از البیرونی
۲۰- عجائب الہند از بزرگ بن شہریار ناخدا
۲۱- عرب وہند کے تعلقات از سید سلیمان ندوی
۲۲- عرب وہند عہد رسالت میں از قاضی اطہر مبارکپوری
۲۳- کرامات صحابہ از عبدالمصطفیٰ اعظمی
۲۴- ضیاء النبی از پیر محمد کرم شاہ الازہری
۲۵- شان صحابہ از سید محمود احمد رضوی
۲۶- تمدن ہند از گستاؤلی بان
۲۷- مسلم ثقافت ہندوستان میں از عبدالمجید سالک
۲۸- گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک از ترشن کمار
۲۹- مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا از لیوس مور
۳۰- انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا
۳۱- انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس
۳۲- ورلڈ سولائزیشن از رالف اینڈ برگ


عرب و ہند کے قبل از اسلام تعلقات
ظہور اسلام کے وقت ہند کی حالت
ظہور اسلام اور دعوت و تبلیغ اسلام
ہند اور اسلام
اسلام برصغیر پاک و ہند میں محمد بن قاسم کے حملے سے بہت پہلے پہنچ چکا تھا
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہند پر حملے
برصغیر پاک و ہند میں تشریف لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے علاوہ برصغیر
پاک و ہند میں عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تبلیغ اسلام کے حوالے سے چونکا
دینے والے حقائق اور بیش بہا معلومات۔